سلسلۂ مطبوعات کتابستان نمبر ۵

جواہر العلوم

مترجمہ

مولانا عبد الرحیم صاحب
مولوی فاضل، منشی فاضل

پبلشرز
کتابستان پوسٹ بکس نمبر ۳۱۶۴ ۔ بمبئی نمبر ۳
قیمت دو روپیہ
بار اول

سلسلہ مطبوعات کتابستان نمبرہ

جواہر العلوم

علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور و معروف عربی کتاب کا اُردو ترجمہ

مترجمہ

مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی فاضل

پروفیسر عربی ۔ اسلامیہ کالج پشاور

پبلشرز

کتابستان ۔ پوسٹ بکس نمبر ۶۳۱۴ بمبئی نمبر ۳

باراول قیمت عہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے اپنے وجود، اپنی قدرت، اپنی حکمت اور حشر ونشر یعنی قیامت کے ثبوت میں اکثر خارجی مظاہر مثلاً آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب، ابروباد، برق و باران، نباتات وحیوانات کا ذکر فرمایا ہے اور اسکو دنیا بالخصوص ایمانداروں کے سامنے عبرت یعنی غوروفکر کے لئے پیش کیا ہے، اور جابجا ان پر غوروفکر کرنے والوں کی مدح وستائش کی ہے، کیونکہ اس غوروفکر سے اُن کا ایمان پختہ، مستحکم اور تازہ ہوتا رہتا ہے اور اسی کے ساتھ اُن میں احکام خداوندی کے تعمیل اور بجاآوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور چونکہ یہ تمام چیزیں انسان ہی کے فائدہ کے لئے جیساکہ قرآن مجید میں باربار بیان کیا گیا ہے پیدا کی گئی ہیں اس لئے ان پر غوروفکر کرنے سے انسان بے اختیار اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا ہے جو نص قرآنی کے رو سے ازدیاد نعمت کا سبب ہے، لیکن اسی کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی نشانیوں میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو دنیا کے لئے مضر ہیں، اور اسی قسم کی مضر چیزوں کو دیکھ کر کچھ لوگ تو خدا کے منکر ہو گئے، اور کچھ لوگوں نے اہرمن اور یزدان دو خدا تسلیم کئے جن میں ایک برائی کا اور ایک بھلائی کا خالق ہے۔

غرض دنیا ایک نہایت ضخیم کتاب ہے جسکے مطالب بعض مقامات پر نہایت واضح جلی اور بعض مقامات پر نہایت پیچیدہ، مبہم بلکہ متناقض ہیں اس لئے اس کے لئے ایک ایسی شرح کے لکھنے کی

ضرورت ہے جو واضح مطالب کی وضاحت کو اور بھی زیادہ واضح کردے اور اُس کے پیچیدہ اور متناقض مباحث کے پیچیدگی اور تضاد کو دور کردے اور یہ بتائے کہ خدا کی نشانیوں میں جو برائیاں نظر آتی ہیں وہ بھی درحقیقت بھلائیاں ہیں تاکہ خدا کے وجود حکمت اور قدرت کے ساتھ توحید کا تخیل بھی پیدا ہو جو اسلام کو اور تمام مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

علمائے قدیم نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیوں پر بہ کثرت کتابیں لکھی تھیں اور اُن کے زمانے میں علم و نظر کو جس قدر وسعت پیدا ہوگئی تھی اُس کے مطابق ان نشانیوں کے عجائبات، اسرار و حکم اور فوائد و مصالح دکھلائے تھے، چنانچہ جاحظ، علامہ ابن قیم، امام غزالی اور امام رازی کی تصنیفات بالخصوص تفسیر کبیر میں ان مباحث کا کافی ذخیرہ مل سکتا ہے، لیکن اس زمانے میں علم نے اور بھی زیادہ ترقی کرلی ہے، اور خدا کی نشانیاں پہلے سے بھی زیادہ ظاہر ہوگئی ہیں، اور اُن کے فوائد و مصالح پہلے سے بھی زیادہ معلوم ہوگئے ہیں، اس لئے جس طرح علمائے قدیم نے قدیم معلومات اور ذرائع معلومات کو پیش نظر رکھ کر اس موضوع پر کتابیں لکھی تھیں اُسی طرح اس زمانے میں جدید معلومات اور ذرائع معلومات کو پیش نظر رکھ کر اس موضوع پر کتابوں کے لکھنے کی ضرورت ہے، اور موجودہ دور کے مصنفین میں جہاں تک ہم کو معلوم ہے مصر کے مشہور عالم علامہ طنطاوی جوہری نے اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ہے اور اسی اصول کے مطابق ایک ضخیم تفسیر لکھی ہے جو گویا اس زمانے کی تفسیر کبیر ہے، لیکن اس تفسیر کے علاوہ انھوں نے اس موضوع پر اور بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھی ہیں، جن میں سب سے زیادہ دلچسپ، آسان اور عام فہم

جواہر العلوم ہے، جس میں انھوں نے ایک قصہ اور مکالمہ کی صورت میں بہت سے قدیم وجدید عجائبات، قدرت کے فوائد و مصالح علمی اصول کے مطابق دکھلائے ہیں۔
پیش نظر کتاب اسی رسالہ کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے جو لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے پڑھنے کے قابل ہے کیونکہ اس سے ایک طرف تو اُن کے ایمان و عقیدہ میں پختگی پیدا ہوگی، دوسری طرف علم کی وسعت اور گہرائی کی طرف اُن کا میلان پیدا ہوگا اور اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ علمی ہم مذاقی کے ذریعہ سے کیونکر تعلقات زناشوئی میں خوشگواری پیدا ہو سکتی ہے، ہماری رائے میں جس طرح علامہ طنطاوی جوہری کی تفسیر علماء و فضلاء کے مطالعہ کے قابل ہے اُسی طرح اُن کے رسالہ جواہر العلوم کا یہ عام فہم اور سلیس ترجمہ اس قابل ہے کہ بچوں کے دینیات کے نصاب میں شامل کیا جائے، اور اُس کے ذریعہ سے اُن کو عقاید کی تعلیم دی جائے۔

(مولانا) عبدالسلام ندوی
دارالمصنفین، اعظم گڈھ
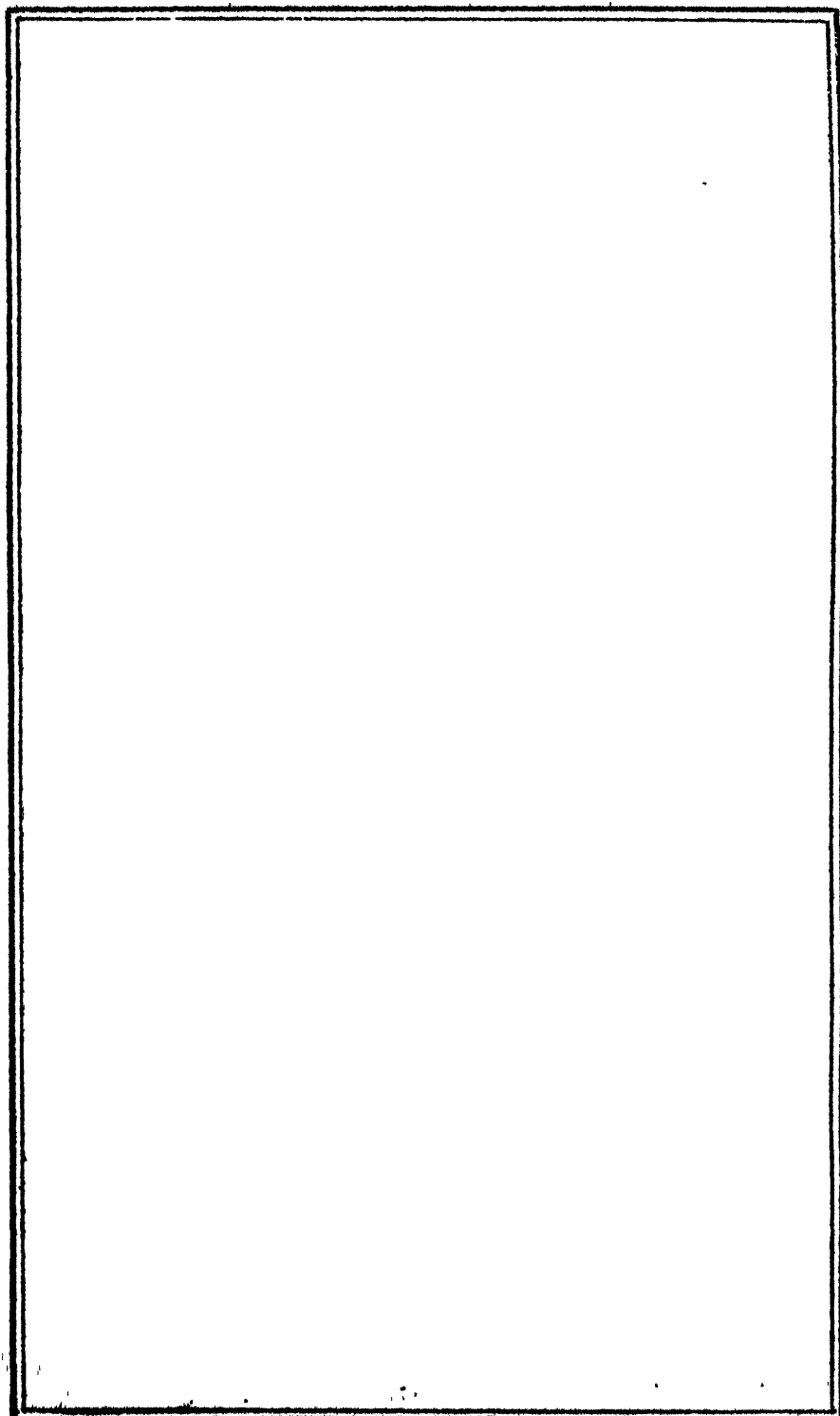
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْد

دیباچہ از مصنف

ہر طرح کی تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے تمام کائنات کو اپنے حسن سے منور فرمایا۔ اور اپنے کامل احسانات اور عظیم نعمتوں سے عام مخلوقات کو بہرہ ور کیا ہر ایک چیز کو اس کے کمال تک پہونچایا اور خوبصورتی کی پوشاک سے اس کو ملبوس فرمایا۔ درود اور سلام نازل ہو ہمارے آقا محمد رسول اللہ پر جو ہدایت کا ایک روشن چراغ ہیں اور ان کے آل اور اصحاب پر جنھوں نے بہترین راستہ پر چلنا اختیار کیا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ابھی نوجوان تھا کہ مجھے یہ شوق پیدا ہوا کہ میں امور ربانیہ اور عجائبات قدرت کے اسرار دریافت کروں۔ عالم اجسام اور عالم ارواح کے حقائق معلوم کروں۔ زمین و آسمان کے عجیب و غریب نظام سے آگاہی حاصل کروں نباتات اور حیوانات کے خصائص سے واقفیت پیدا کروں اور ان سب اشیاء میں خدائے پاک کی صنعتوں کا حسن و جمال مشاہدہ کروں۔ جب ہی میں اکیلا ہوتا اور درس و تدریس کے مشاغل سے فرصت پاتا تو اسی دھن میں لگا رہتا اور اپنی تمام تر توجہ اسی پر صرف کرتا۔ لیکن کئی ایک افکار عالیہ (جو کسی حقیقت کے انکشاف کا باعث ہوتے) نذر فراموشی ہو جاتے اور جن کا دوبارہ استحضار ناممکن ہوتا بالآخر

اللہ تعالیٰ نے جو لطیف خبیر ہے میرے دل میں یہ القاء فرمایا کہ اپنے انکشافات کو قلمبند کر لیا کروں اور گذشتہ کو صلوات کہہ کر آیندہ کے لئے ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کروں۔ اس کا فضل بڑا ہے اور وہ بہت بڑا مہربان ہے۔

اب میں وہ باتیں لکھتا ہوں جو یا تو میرے اپنے ذہن رسا کا نتیجہ ہیں یا دوسروں کی تصنیفات میں مَیں نے ان کو لکھا ہوا پایا۔ میرا بیان کسی ایک خاص علم تک محدود نہیں بلکہ میں نے اپنی اس تالیف میں ہر ایک علم کا اقتباس لکھا ہے۔ میری یہ تالیف باغ ارم کا نمونہ ہے جس میں تم کو بھانت بھانت میوے ملیں گے۔ کبھی تو تم اس میں نباتات اور حیوانات کے متعلق معلومات پاؤ گے۔ کبھی تمہارے سامنے مظاہر فضائیہ مثلاً بادل۔ بجلی اور ہوا وغیرہ پر مضامین ہوں گے اور کبھی تم علم فلک اور علم طبقات الارض کے مباحث سے لطف اندوز ہو گے۔ قرآن کریم کی آیات بھی حسب موقعہ لکھی جائیں گی اور دلچسپ طریقہ پر عقلی دلائل سے ان مباحث کی تائید کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ میری یہ کتاب ارباب عقل کے لئے ایک تحفہ ہے۔ ادیب اس سے تسکین قلب حاصل کریں گے۔ اور گرامی قدر علماء کو اس کے پڑھنے سے دلی سرور حاصل ہوگا۔ میرے اکثر دوستوں کی یہ رائے ہے کہ میں ان مطالب کو نہایت ہی خوبصورت اور دلکش پیرائے میں ایک ادبی مقالے کی صورت میں مناظرہ کے طرز پر پیش کروں تاکہ ناظرین اس کو شوق سے پڑھیں۔ ایک غمگین آدمی اس کو پڑھ کر تسکین پائے اور پڑھ کر ایک طرح کا اُنس اور سرور محسوس کرے۔ تعلیم کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ چنانچہ میں نے ان تمام مباحث کو جن کا بیان کرنا میرے پیش نظر تھا ایک قصہ کے پیرائے میں ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے اور ایک خاتون جمال بانو نامی کے درمیان مکالمہ کے طور پر لکھا ہے۔ اس کتاب کا

نام میں نے "جواہر العلوم" رکھا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ اس کے بعد ایک دوسری کتاب **میزان الجواهر** کے نام سے لکھوں جو حکماء قدیم و جدید کے افکار علمیہ پر مشتمل ہو۔ یہ کتاب پہلی کی نسبت مکمل تر اور مفصل تر ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ مجھے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ میری یہ تالیف سمجھنے والوں کے لئے تذکیر کا کام دے گی اور میرے اُن ناظرین کے درمیان جن کو اس کتاب کا پڑھنا نصیب ہو یہ کتاب رشتۂ اُلفت ثابت ہو گی اور اگر میری یہ تالیف ان کے دل کو بھا جائے تو میرے حق میں مخلصانہ دعا کریں۔

یہ کتاب ایک مقدمہ۔ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں سبب سفر کا بیان ہے۔ پہلے باب میں زمین کے عجائبات کا ذکر ہے اور اس میں سترہ فصلیں ہیں۔ دوسرے باب میں عالم بالا کی کائنات کا ذکر ہے اور اس میں چار فصول ہیں تیسرے باب میں وہ آیتیں لکھی ہیں جن کا تعلق ان دونو ابواب سے ہے۔ اور اس باب میں پانچ فصل ہیں۔ خاتمہ میں دوستوں کے آپس میں ملاقات کرنے کا ذکر ہے۔ اب میں اللہ تعالےٰ کی توفیق اور اعانت کا خواہاں ہو کر اصل قصہ شروع کرتا ہوں۔

مقدمہ

(رفیقۂ حیات کی طلب میں ابراہیم کا سفر)

ملک مصر کی دیہاتی آبادی میں ایک نوجوان تھا جس کا نام ابراہیم تھا۔ قرآن مجید ناظرہ پڑھ لینے کے بعد اس کے سینہ میں تحصیل علوم کا شوق موجزن ہوا۔ اس کے دل میں اس بات کی تڑپ تھی کہ وہ کائناتِ عالم۔ نباتات۔ حیوانات اور انسان کی تخلیق

ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی باریکیاں مشاہدہ کرے اور اس کی دقیق حکمتوں کا
مطالعہ کرے۔ وہ شب و روز اسی سوچ میں غلطان و پیچاں رہتا تھا کہ کس طرح وہ
صنعت الٰہی کے عجائبات اور اسکی فطرت کی نیرنگیوں کا علم حاصل کر سکے گا اس کو مطاعم
اور ملابس کے تنوع میں صانع بے ہمال کا نقش قدرت نظر آتا تھا اور تاروں بھری رات
کے حسن و جمال کو دیکھ کر وہ وجد میں آجاتا تھا۔ اور مناظر قدرت پر ایک حسرت آلود نگاہ
کرکے دل سے یہ تمنّا کرتا تھا اور خالق تعالیٰ سے گڑگڑا کر یہ درخواست کرتا تھا کہ اپنے
فضل و کرم سے اس کے لئے کوئی ایسا ہادی اور معلّم پیدا کرے جو اس کو ملک اور ملکوت
کے حقائق سے آشنا کردے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ ایک صفت ہے کہ جب کوئی بندہ خلوص اور عاجزی کے ساتھ اس
کی بارگاہ کبریا میں دعا کرتا ہے تو وہ اسکی دعا قبول فرماتا ہے اور حصولِ مقصود کے اسباب
اس کے لئے مہیا کر دیتا ہے چنانچہ اس کو علماء ازہر کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادۂ
علوم کی توفیق میسّر ہوئی۔ اس نے جامعۂ ازہر کے شمولہ نصاب علوم یعنی توحید اور
منطق۔ فقہ۔ حدیث اور تفسیر وغیرہ کی تحصیل کی لیکن جس چیز کا وہ طلب گار تھا وہ چیز
اس کو حاصل نہ ہوئی اس لئے اس نے اپنی دعا کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر اس کو
علوم جدیدہ یعنی حساب۔ ہندسہ۔ ہئیت۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ علم طبقات الارض (جیالوجی)
علم حیوان (زوالوجی) علم نباتات۔ علم تشریح اجسام۔ علم طبعیات۔ علم کیمیا (کیمسٹری)
کی تحصیل کا موقعہ ملا (جو اسکے ذوقِ علومِ کونیہ کے عین مطابق تھا)

جب اس کی یہ تمنّا ایک حد تک پوری ہوئی تو اس کے دل میں خانہ آبادی کا
خیال پیدا ہوا اور وہ کسی ایسی غیور الطبع عالی ہمّت خاتون کی تلاش میں سرگرداں ہوا

جس کا سینہ خود اُس کی طرح عجائبات قدرت کے شوق سے معمور ہو لیکن ملک مصر
میں جس کے سامنے بھی وہ اس کا ذکر کرتا وہ یاس انگیز الفاظ میں اس سے یہ کہتا کہ ؎
ایں خیال است و محال است و جنوں ۔ لیکن اس کی طلب صادق تھی ۔ یہ سُن کر اس
کا حوصلہ پست نہیں ہوا اور وہ سفر کرتے کرتے شام کے ملک میں پہونچا جو بفحوائے کلام مجید
ایک مبارک مقام ہے اور انبیاء، اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا مُستقر رہا ہے ۔ اس
اثناء میں بھی یعنی جبکہ وہ اپنے لئے مناسب جوڑہ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا
عجائبات قدرت پر غور کرنے اور دقائق فطرت کے معلوم کرنے میں سعی بلیغ کا کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہیں کرتا تھا ۔ وہ ہر ایک چیز میں جمال ربانی کا مشاہدہ کرتا اور اس کو
صفات عالیہ باری عزّ اسمہ کا مظہر سمجھتا ۔ سچ ہے ؎

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

پہلا باب (مشتمل بر ۷ فصل)

زمین کے عجائبات

پہلی فصل
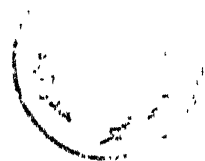
سات عجائبات متعلق نباتات

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جن روحوں میں ازلی مناسبت ہوتی ہے وہ آپس
میں مل کر رہتی ہیں ۔ چنانچہ اُس نے جنس کو جنس کے پاس کھینچ کر لے جانے کے لئے
ملائکہ مامور کر رکھے ہیں ۔ اسی قانون کے ماتحت ابراہیم کے لئے بھی یہ مقدر تھا کہ وہ

شام پہونچ کر اس قسم کے عالی مرتبت لوگوں سے ملے جنھوں نے علم وفضل کے ماحول میں پرورش پائی ہو اور جو فلسفہ اور حکمت کے دلدادہ ہوں۔ انہی لوگوں کی ایک جماعت کی صحبت اس کو حاصل ہوئی جو دس افراد پر مشتمل تھی۔ اس مبارک مجلس میں مختلف موضوعوں پر بحث شروع ہوئی اور بالآخر سلسلۂ کلام نباتات اور حیوانات کے عجائبات کے بیان کرنے پر منتہی ہوا۔

ایک نے ان میں سے کہا: میں نے سنا ہے کہ سمندر کے بعض جزائر میں ایک درخت ہے جس کا میوہ وہاں کے باشندوں کے لئے روٹی کا کام دیتا ہے (اور اسی لئے اس کو Bread Tree کہتے ہیں) سال کے آٹھ مہینے برابر اس کا میوہ چنا جاتا ہے اور اس اثنا میں اہل جزیرہ روٹی پکانے کی تکلیف سے بے نیاز رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کے لئے پکی پکائی روٹی عالم غیب سے بھیج دی ہے۔ اس کی شکل گیند کی طرح ہوتی ہے اور ہر ایک دانے کا وزن پونے دو سیر انگریزی کے قریب ہوتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی دوسری ضروریات بھی اسی درخت سے پوری ہوتی ہیں مثلاً اس کے چھلکے سے وہ کپڑے بناتے ہیں۔ اس کا تنہ کشتیاں بنانے کا کام دیتا ہے۔ اور اسکی شاخوں سے میز کرسی بنائی جاتی ہے۔ اس طرح وہ روئی کے کاشت اور کئی ایک دوسری تکلیفیں برداشت کرنے سے بے نیاز رہتے ہیں۔ پاک ہے وہ خدا جس نے جس کو جس چیز سے چاہا مخصوص فرمایا۔ دوسرا کوئی خدا نہیں۔ وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

دوسرا یوں گویا ہوا:۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ میڈیگاسکر کے جزیرے میں جو مشرقی افریقہ کے قریب واقع ہے ایک اونچا درخت پیدا ہوتا ہے۔ وہ ایک بلند ستون کی طرح تقریبًا بے برگ وبار کھڑا رہتا ہے۔ وہ مسافروں اور سیاحوں کے لئے بڑا کارآمد ہے اور اس لئے اس کا نام Traveller's Tree مشہور ہے۔ اس کے تنے پر

صرف چوبیس جوڑے چھلکے پتے ہوتے ہیں جو دور سے پنکھوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ ہر ایک پتے کے نیچے ایک پیالہ نما حصہ ہوتا ہے جس پر وہ پتہ ہر وقت سایہ کئے رہتا ہے۔ اس پیالے میں بقدر ایک پونڈ کے یعنی ایک گلاس بھر نہایت شیریں ٹھنڈا پانی موجود رہتا ہے۔ یہ درخت عموماً ایسے بیابان میں ہوتا ہے جہاں دور دور تک قطرۂ آب کا ملنا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے تھکے ماندے پیاسے مسافروں کے لئے یہ درخت نعمت غیر مترقبہ ہے اس پیالے نما حصے میں چاقو وغیرہ کسی نوکدار چیز سے سوراخ کرکے اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور ٹھنڈا تازہ پانی پی کر نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ جو پتے ذرا اونچے ہوتے ہیں اس میں برچھے وغیرہ سے چھید کر لیتے ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے لق ودق بیابان کے مسافروں کے لئے غیب سے یہ عجیب وغریب سامان کر رکھا ہے اور خدا جانے کتنی جانیں اس کی بدولت پنجۂ اجل سے رہائی پانے میں کامیاب ہوئیں۔ یہ بھی سنتا ہوں کہ ہندوستان میں ایک درخت ہے جس سے گائے کے گاڑھے دودھ کی طرح دودھ نکلتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ امریکہ کے ایک درخت سے شربت لیموں کا سا رس حاصل کیا جاتا ہے اور اسکے تنے کو چھینے سے سفید دودھ کی مانند رطوبت اس سے حاصل ہوتی ہے جس کا ذائقہ دودھ جیسا ہوتا ہے اور وہ گائے بھینس کے دودھ سے لذیذ تر معلوم ہوتا ہے۔ ملک برازیل کے بعض اضلاع میں لوگ اسی کو دودھ کی بجائے استعمال کرتے ہیں۔

تیسرا بول اٹھا:۔ معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان اور افریقہ میں ایک درخت پایا جاتا ہے جس کا پھل اگر چیرا جائے تو اس سے ایک لذیذ سا مادہ خارج ہوتا ہے جو قوام اور ذائقے میں بالکل دودھ کی بالائی کی طرح ہوتا ہے اور کئی مہینوں تک اس کا ذائقہ

خراب نہیں ہوتا با وجودیکہ ان گرم ممالک میں ہر ایک چیز بہت جلد متعفن ہو جاتی ہے اس بارے میں گویا نباتات نے حیوانات سے میدان جیت لیا ہے (حیوانی دودھ بہت جلد خراب ہو جاتا ہے) اور اس میں حیوان ہی کا فائدہ ہے (انسان بھی ایک حیوان ہے اور اسی کی منفعت کے لئے قدرت نے یہ نباتی مادہ پیدا کیا)

ہر گیاہے کہ از زمیں روید وحدہٗ لاشریک لہ گوید

چوتھے نے اپنی بات اسطرح شروع کی :- کھوپرا یا ناریل جس کو تم یہاں فروخت ہوتے ہوئے دیکھتے ہو جب کچا ہوتا ہے اس کے اندر سے ٹھنڈا خوشگوار پانی پی سکتے ہیں۔ پک جانے کے بعد اس کی گری دودھ کا ذائقہ دیتی ہے۔ اس کے پتوں کو ساگ کی طرح پکا کر کھا سکتے ہیں۔ اس کے پھولوں کا رس نیشکر سے نچوڑے ہوئے رس کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔ خالی کھوپرا برتن کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے درخت کی لکڑی عمارت بنانے میں کام آتی ہے۔ اس کے خشک پتوں سے چٹائیاں بُنی جاتی ہیں اور اس کے ریشوں سے کپڑے۔ چھلنیاں۔ کشتی کے رسے اور بادبان بنائے جاتے ہیں۔ کھوپرے سے جو تیل نکلتا ہے وہ کھایا جا سکتا ہے اور اس کو چراغ میں جلا کر اس سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی لکڑی کے بورے سے لکھنے کی سیاہی تیار ہو سکتی ہے اور بوقت ضرورت اس کے چوڑے چوڑے پتے کاغذ کی مانند استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس ملک میں اس درخت کی کثرت ہے وہاں کے لوگوں کی جملہ ضروریات اس سے پوری ہو سکتی ہیں۔ کھانا۔ پینا۔ مٹھائی۔ (سالن کے لئے گھی) برتن عمارت کا سامان۔ اوڑھنا۔ بچھونا۔ رسیاں وغیرہ سب کچھ اسی ایک درخت کے طفیل میں مل جاتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔ وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ

یعنی اگر دور نہ جاؤ اور زمین کی اشیاء پر غور کرو تو تمھیں صاف طور پر نظر آئے کہ ان سامانوں کا پیدا کرنے والا بڑا ہی علیم و خبیر قادر مطلق اور وحدہٗ لاشریک ہے۔

پانچویں نے اپنے مافی الضمیر کا اسطرح اظہار کیا۔ میرے معزز دوستو! آج بہت ہی مبارک رات ہے کہ آپ لوگوں نے عجائبات قدرت کے متعلق اپنے معلومات بیان کرکے محظوظ فرمایا۔ چنانچہ میں نے بھی جو کچھ سنا ہے آپ کو سناتا ہوں۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ نباتات کی بعض قسمیں ایسی بھی ہیں جن کی جڑیں زمین کے اندر پھیل جانے کی بجائے ہوا میں معلق رہتی ہیں۔ وہ کسی دوسرے درخت یا پودے پر چمٹ جاتی ہیں اور اس طرح ہوا میں رہ کر اس درخت یا پودے سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ نباتات کی یہ قسم دوسرے پودوں کی طرح مٹی اور پانی کی محتاج نہیں۔ اس کے پھول بھی عجیب طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض پھول ظاہری شکل و شباہت میں انسان کے مشابہ ہوتے ہیں۔ بعض دوسرے پھول شہد کی مکھی یا تتلی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ (ذرہ دور کھڑے ہوکر دیکھنے سے) ایسا معلوم ہوتا ہے گویا شہد کی مکھی پھول پر بیٹھ کر رس چوس رہی ہے یا ابھی کوئی تیتری آکر اس پر بیٹھ گئی ہے۔ بعض پودوں کے پھول زرد رنگ پرندوں کی شکل سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور ان میں ان پرندوں کے خط و خال یعنی سر آنکھیں۔ گردن سینہ اور چونچ نمایاں ہوتے ہیں۔ اور ایسا نظر پڑتا ہے گویا کوئی پرندہ اپنے بازو پھیلائے ہوئے نیم استادہ حالت میں زمین پر کھڑا ہے۔ اس کے پیٹ کے نچلے حصہ میں خاکستری رنگ کی شہد کی مکھی اس کا رس چوستی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اور اس مکھی نما حصے میں اصلی مکھی کے خط و خال آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس پھول کو عربی میں "زہرۃ الطیر" اور "زہرۃ النحلہ" کہتے ہیں۔ یہ پھول سبزہ زار بیروت (ملک شام)

میں بکثرت ملتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ تمام کائنات اور ان کی بوقلمونی صفات ایک ذات جمیع الکمالات کی نیرنگئی قدرت کے دلائل ہیں۔ اور اس کی حکمت بالغہ کا زندہ ثبوت ہیں۔ (اس موقعہ پر چند ایک عربی اشعار ہیں جن کا نثر میں ترجمہ لکھنا غیر دلچسپ ہوگا اور اس کے مُرادف اشعار اس وقت پیش نظر نہیں اور نہ خود اس نیازمند کو شعر گوئی کا ملکہ حاصل ہے۔ مترجم)

چھٹا اپنے ساتھیوں سے اسطرح مخاطب ہوا:۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک مظہر سورج مکھی ہے۔ یہ پودا سورج پر گویا عاشق ہے جدھر سورج ہو اُدھر ہی مونہہ پھیر کر اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کرتا ہے۔ اس کا راز خدائے پاک ہی جانتا ہے کہ وہ سورج کا اس قدر دلدادہ کیوں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ہستی ہے جس نے عوالم علویہ اور سفلیہ، عالم حیوان اور عالم نبات۔ سب کا سر رشتۂ انتظام اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ سورج مکھی گول شکل کا ایک خوبصورت پھول ہے جس کو ریشم کی طرح نرم اور نازک ریشے دائرہ نما جھالر کی مانند گھیرے ہوتے ہیں اور گھڑی کی سوئی کی طرح اس کے وسط میں ایک ڈنڈی سی لگی ہوئی ہوتی ہے جو اس کے سورج کے عین محاذی ہونے میں مدد کرتی ہے چنانچہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو اسکی شگفتگی غائب ہو کر یہ پھول ایک ہجران زدہ عاشق کی طرح کمہلا کر رہ جاتا ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو ان سب اشیاء کا موجد اور اس کا ہر ایک فعل حکمت پر مبنی ہے۔

دوسری فصل

(مقناطیسی سوئی اور کمپاس کا ذکر۔ آیۂ کریمہ اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ کی تفسیر)

ساتویں ساتھی نے سورج مُکھی کی کیفیت سُنی تو بول اُٹھا ۔ تم نے مجھکو مقناطیس کے خواص یاد دلا دئے ۔ جیسے کے سورج مُکھی اپنا مونہہ آفتاب کی جانب کئے رہتی ہے اسی طرح مقناطیسی سوئی کا سرا ہمیشہ شمال کی سمت میں قطب کی جانب اشارہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور گوکہ اس کا وہ سرا عین قطب سے کسی قدر ایک طرف مائل ہوتا ہے تاہم اس کے لئے بھی ایک حساب مقرر ہے اور ٹھیک سمت کا استخراج چنداں مشکل نہیں ۔ مقناطیسی خاصیت کی ذرہ تشریح بھی سُن لیجئے ۔ پہاڑوں میں ایک قسم کا پتھر پایا جاتا ہے جس کو سنگِ مقناطیس کہتے ہیں ۔ اس کے نزدیک لوہے کا ٹکڑا ہو تو اس کو وہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ۔ اور مقناطیس کے ساتھ چھو جانے سے اُس ٹکڑے میں بھی یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ لوہے کے ٹکڑوں کو اپنی طرف جذب کر سکتا ہے ۔ وعلیٰ ہذا القیاس تیسرا اور چوتھا ٹکڑا ۔ خلاصہ یہہ کہ سنگِ مقناطیس کا ایک ہی ٹکڑا لوہے کے کثیر التعداد ٹکڑوں کو ایک مسلسل زنجیر کی صورت میں ہوا میں قائم رکھ سکتا ہے بشرطیکہ اس کا بوجھ مقناطیس کی قوتِ کشش سے زائد نہ ہو ۔ لوہا خواہ سخت ہو یا نرم اس میں یہ مقناطیسی خاصیت اس طرح پیدا کی جا سکتی ہے کہ اسکو اصلی سنگ مقناطیس کے ساتھ یا مصنوعی مقناطیس کے ساتھ ایک خاص طریقہ پر رگڑا جائے جو اہل فن کے نزدیک معلوم ہے ۔ اتنا فرق البتہ ہوتا ہے کہ نرم لوہے میں یہ خاصیت دیر تک قایم نہیں رہتی برخلاف اس کے سخت لوہے میں قایم رہتی ہے ۔ فی الواقع یہ ایک عجیب خاصیت ہے کہ جب یہ مصنوعی مقناطیس (جو خود بھی لوہا ہے) لوہے کے بورے کے پاس لایا جائے تو اس سفوف میں ایک اضطرابی حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس کے ذرات اوڑ اوڑ کر اس سے چمٹتے جاتے ہیں اور بالآخر وہ اکٹھے ہو کر بیضوی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ اب

تم خود ہی غور کرو کہ یہ کیسا عجیب وغریب نظام ہے جو اس دنیا میں دکھائی دیتا ہے حتے کہ جماد لایعقل میں ایک ایسی کشش جلوہ گر ہوتی ہے اور ایک چیز دوسری کی طرف اس طرح کھنچی چلی آتی ہے گویا کسی عاشق کو بہت عرصہ کے فراق کے بعد اپنے محبوب کا دیدار حاصل ہوا ہے اور اس لئے وہ اس سے چمٹ جانے کے لئے بے تاب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ زمین وآسمان میں کس قدر نشانیاں موجود ہیں! لوگ ان کے پاس سے (بے پروا ہو کر) گذر جاتے ہیں اور اُدھر توجہ تک نہیں کرتے "بے شک لوہے کا مقناطیس پر عاشق ہونا (اور مقناطیسی سوئی کا ایک سرا ہمیشہ شمال کی طرف رہنا) قدرت کا ایک عجیب مظاہرہ ہے۔ بارخدایا! جمادات تک میں عشق کا جذبہ موجود ہے لیکن ہمارے دل تیری پاک محبت سے غافل ہیں معدنیات تک میں صفائی اور نورانیت پائی جاتی ہے لیکن ہمارے دلوں میں صفائی نہیں ہے۔ ہمارے رحیم خدا! ہمارے دلوں کو بھی کدورت سے پاک وصاف کردے۔

سمت معلوم کرنے کے لئے جو کمپاس استعمال کیا جاتا ہے (جس کو قطب نما کہتے ہیں) اور جس کی شکل گھڑی کی ہوتی ہے اس میں بھی مقناطیسی سوئی ہوتی ہے جس کا ایک سرا ہمیشہ شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف رہتا ہے لیکن وہ سرا عین قطب کی محاذ میں نہیں ہوتا بلکہ کسی قدر پورب یا پچھم کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس میل کی مقدار فصول اور ممالک کے مختلف ہونے کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس سوئی میں ایک عجیب خاصیت یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی اس میں خود بخود ایک مسلسل حرکت پیدا ہوتی ہے جو گھنٹوں تک رہتی ہے اور یہ حالت اس کی عموماً اس وقت ہوتی ہے جب آدمی منطقہ باردہ کے ملکوں مثلاً سویڈن اور ناروے میں جاڑے کے موسم میں ہو۔ جہاں پر کہ مہینوں

تک سورج طلوع نہیں ہوتا - با ایں ہمہ افق میں ایک ایسی روشنی پھیلی ہوئی ہوتی ہے جس
کی بدولت وہاں کے باشندوں کے لئے چلنا پھرنا اور کاروبار کرنا آسان ہو جاتا ہے (ورنہ
اتنی طویل رات میں پڑے رہنا دوبھر ہو جائے) اور برف کی سطح پر جس سے کہ تمام زمین
ڈھکی ہوئی ہوتی ہے اس سے ایک عجیب اشراق اور نورانیت کی کیفیت پیدا ہوتی
ہے - اب یہ ایک معمہ ہے کہ آخر ان انوار قطبیہ اور مقناطیسی سوئی کی اضطرابی حرکت
میں کونسی وجہ مناسبت ہے ؟ بہر حال جیسے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ = اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے
تمہارے ہی فائدہ کے لئے یہ ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور تری کی تاریکیوں
میں صحیح راستہ دریافت کرو " اس قسم کی آیتیں اور بھی کئی جگہوں پر وارد ہوئی ہیں مثلاً
وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ - اور چونکہ تمام ستاروں میں قطب ہی ایک ایسا
ستارہ ہے جو اپنی جگہ سے نہیں ٹلتا ہے اور اسی بنا پر اسکو مسمار فلک (= آسمان کا کھونٹا)
کہتے ہیں - اس لئے جہازرانی کے لئے اسی کو راہ نما مقرر کیا اور چونکہ قطب ہر وقت نظر نہیں
آتا - دن کو تو دکھائی ہی نہیں دیتا اور رات کو بھی بادل وغیرہ چھا جانے کے سبب سے
چھپ جاتا ہے لہٰذا قدرت نے مقناطیسی سوئی میں یہ خاصیت رکھدی تاکہ یہ اس کا
نعم البدل ہو سکے - الغرض قطب نما کی بدولت (جس کو اگرچہ مناسب وقت پر آدمیوں
ہی نے دریافت کیا لیکن سوال یہ ہے کہ مقناطیس میں یہ خاصیت کس نے ودیعت
فرمائی اور آدمی کے ذہن کو اس طرف کس نے منتقل کیا - عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمْ - كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ - مترجم) جہازرانی کے فن کو ترقی
ہوئی - سات سمندروں میں جہاز دن رات دوڑنے لگے اور تجارت کو اس سے فروغ

حاصل ہوا۔ مقناطیسی سوئی کا رواج موجودہ تمدن کے اس معراج کمال تک پہونچنے کا پہلا زینہ ہے۔ کیونکہ اگر جہازرانی میں یہ ترقی نہ ہوتی تو اقوام عالم کو اسقدر قریبی اتصال حاصل نہ ہوتا۔ پہلے زمانوں میں جہاز ساحل سمندر کے قریب قریب چلتے تھے۔ سمندر میں دور تک چلے جانے سے راستہ گم کرنے کا خطرہ تھا۔ لیکن اب سمندروں کے وسط میں بلاخطر جہاز چلتے ہیں اور جس وقت بھی چاہیں قطب نما کے ذریعہ راستہ کی تصحیح کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ گھڑی سے جب چاہیں ٹھیک وقت معلوم کر سکتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ان دو چھوٹے چھوٹے آلات سے (قطب نما اور گھڑی) انسان ہر وقت جب چاہے زماں اور مکان کا جائزہ لے سکتا ہے۔ گویا زمین اور آسمان کو اس کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے (اسی کو کلام پاک میں تسخیر سے تعبیر فرمایا ہے) لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے۔

کائنات عالم کے تمام مظاہر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ۔ اس کی رحمت شاملہ اور اسکی حکمت کے کھلے ثبوت ہیں اسی موضوع پر توجہ دلاتے ہوئے کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ = بے شک سمجھنے والوں کے لئے ان تمام مظاہر قدرت میں نشانیاں ہیں (۱) زمین و آسمان کی پیدائش (اور ان کے چلانے کا نظام) (۲) رات دن کا یکے بعد دیگرے ظہور میں آنا۔ (۳) کشتیاں اور جہاز جو لوگوں کے فائدہ کے لئے سمندر میں (دن رات) چلتے ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا بادلوں سے پانی اتارنا جس سے

مردہ زمین میں حیات تازہ پیدا ہوتی ہے۔ (۵) زمین (کے اطراف واکناف) میں ہر قسم کے جاندار حیوانات کو پھیلا دینا۔ (۶) ہواؤں کا اولٹ پھیر۔ (۷) اور وہ بادل جو اس کے زیر فرمان رہ کر آسمان و زمین کے درمیان گھومتے رہتے ہیں۔" جن مظاہر قدرت کا اس آیت شریفہ میں ذکر ہے ان کو صرف اشارہ اور عنوان سمجھیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک ان میں سے قدرت کے عجائبات اور اس کی رحمت اور وحدانیت کے نشانات پر مشتمل ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

اب ہم ان عنوانات کو ذرا تفصیل کے ساتھ لیتے ہیں (۱) ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور ان کے مستحکم نظام میں قدرت اور حکمت کے بے شمار دلائل ہیں (اور علم ہیئت و جغرافیہ میں ان کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے (۲) رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا۔ مختلف ممالک میں ان کے مختلف کوائف ایسے منظم طریق پر ظہور میں آتے ہیں کہ بے ساختہ اس کے عزیز حکیم ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ مدتیں گذر گئیں اور گذر جائیں گی لیکن دن رات کا وہی مقررہ نظام ہے جس میں ذرہ بھر خلل اور تفاوت کبھی واقع نہیں ہوتا۔ (۳) کشتیاں اور جہاز دن رات سمندر میں آدمیوں کو اور اموال تجارت کو لے کر چلتے رہتے ہیں۔ ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں لے جاتے ہیں اور دوسرے ملک کی اشیا تیسرے میں (علے ہذا القیاس۔ ان کو بے پایان سمندر میں رات کی تاریکیوں کے اندر سیدھے راستے پر چلانے کے لئے لوگوں کو مقناطیسی سوئی کی طرف رہنمائی کی۔ اور جیسے کہ پہلے مذکور ہوا اس سے تجارت کو فروغ حاصل ہوا اور مختلف ممالک میں اتصال کے ذرائع بڑھنے سے تہذیب و تمدن کو ترقی ہوئی۔ جہازرانی کی ترقی اس درجہ تک پہونچ گئی ہے (اور سائنس کے اکتشافات سے اس کو اس حد تک مدد

ملی ہے، کہ جاڑوں کا میوہ موسم گرما میں اور موسم گرما کے پھل موسم سرما میں بآسانی مل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اسکی رحمت شاملہ کا تماشہ کیجیے کہ ایک چھوٹی سی سوئی کی بدولت کس قدر فوائد عظیمہ لوگوں نے حاصل کئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ جہاز رانی میں ترقی ہونے کے باعث (اور بالواسطہ اسی مقناطیسی سوئی کے سبب سے) مختلف ملکوں کی آپس میں آمد و رفت بڑھ گئی ہے اس لئے علوم و فنون کی ترقی اور اشاعت کی بنیاد یہی چیز ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بفحوائے وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ اپنے بعض بندوں کو بھاپ کے خواص سے آگاہ کیا۔ انجن بنانے اور چلانے کی ترکیب ان کے دل میں القا کی جس نے جہازوں میں تیز رفتاری پیدا کرنے کے علاوہ ان کو ہوا کی مدد سے بھی بے نیاز کر دیا (اور وہ ہزاروں ٹن بوجھ کو نہایت آسانی کے ساتھ دور دراز ممالک میں لے جانے کے قابل ہوئے)۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا "بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور خشکی اور تری میں ان کے لئے سواری کا سامان پیدا کیا اور پاکیزہ خوراکیں اُن کو نصیب کیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر اُن کو فضیلت بخشی"۔ (۴) بارش کا ایک ایسا نظام مقرر کیا کہ احتیاج کے وقت میں بقدر ضرورت ایسے طریقہ پر پانی برستا ہے کہ سراسر فائدے کا موجب ہو اور کم سے کم نقصان اس سے ظہور میں آئے (یہ ایک الگ بحث ہے اور بہت باریک مسئلہ ہے کہ خیر کے ساتھ فی الجملہ شر کو کیوں وابستہ کیا گیا۔ فاضل مصنف نے اس کا اپنی تصنیفات خصوصاً تفسیر جواہر میں عام فہم پیرایہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مترجم)۔ (۵) اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے زمین میں ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں جاندار پیدا

کئے ہیں - بایں ہمہ ہر ایک کی طبیعت - زندگی بسر کرنے کا طریقہ تشکل وصورت - رنگ روپ اور خواص الگ الگ ہیں - بحالیکہ سب کا مادہ ایک ہے - (۶) ہواؤں کا مختلف سمت میں چلنا - مختلف رفتار سے چلنا - مختلف اوقات میں مختلف کیفیت کے ساتھ چلنا - ان سب کے اغراض مختلف ہیں اور ہر ایک نظام کی بنا حکمت پر ہے (اور ان باریکیوں کو سمجھ کر وہی لوگ لطف اندوز ہو سکتے ہیں جنھوں نے علم ریاح کا خاص مطالعہ کیا ہے) - (۷) اسی طرح بارش کا بھی ایک عجیب وغریب نظام ہے (پانی کا طبعی تقاضا نیچے کی طرف گرنا ہے - باوجود اس کے اسکو بھاپ اور آبی بخارات میں تحویل کر کے ایک خاص بلندی پر پہونچایا جاتا ہے اور ایک ایسے طریقہ پر جس میں غور کرنے والوں کو متعدد حکمتیں نظر آتی ہیں نازل کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ) ان تمام مظاہر قدرت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ - اس کی عظمت - اس کی رحمت اور اس کی وحدانیتِ ذات وصفات کے دلائل ہیں بشرطیکہ کوئی سمجھ رکھتا ہو اور تفکر کرتا ہو - چنانچہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس کے شاگرد عطار کہتے ہیں "میں اور عبید بن عمیر ایکدن بی بی عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے - پسِ پردہ ہماری اُن سے گفتگو ہوئی اور آپ نے عبید کو مخاطب کر کے فرمایا تم ہماری ملاقات کے لئے کیوں نہیں آیا کرتے ؟ اس نے عرض کی رسول خدا صلعم فرماتے ہیں زُرۡ غِبّاً تزدد حبّاً یعنی کم ملاقات کرنے سے محبت زیادہ ہوتی ہے پھر اس نے بی بی صاحبہ سے عرض کی ہمیں رسول خدا صلعم کی عجیب ترین حدیث سنائیں آپ نے فرمایا رسول خدا صلعم کی تو ہر ایک بات عجیب تھی - ایک رات آپ میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے مجھے عبادت کرنے دو - چنانچہ آپ ایک مشکیزہ کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سے وضو کیا - پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں رونے

یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر بتر ہو گئی اور جب سجدے میں گئے تو زمین بھی گیلی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے حتےٰ کہ بلالؓ صبح کی اذان دینے کے لئے آئے۔ بلالؓ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر عرض کی یا رسول اللہ آپ کیوں روتے ہیں بحالیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے اور پچھلے گناہ بخش دئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی وجہ نہیں کہ میں نہ روؤں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر آج کی رات یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ پھر فرمانے لگے ہلاکت ہے اس کے لئے جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس میں کچھ تفکر نہیں کیا۔" امام اوزاعیؒ سے کہا گیا۔ تفکر کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو سمجھ لینا۔ بے شک میں نے یہ روایت اس لئے ذکر کی ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی قدرت کی باریکیوں میں غور کرنے کی عادت ڈالو۔"

باز آمدم بر سر مطلب۔ اس مقناطیسی سوئی کے ذریعہ قبلہ کی سمت بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دینی اور دنیاوی دونو لحاظ سے اس سوئی کا درجہ بڑا ہے۔ جب اس کی یہ تقریر ختم ہوئی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اور یہ سنگ مقناطیس کہاں پایا جاتا ہے؟ اس نے کہا وہ مختلف جگھوں میں ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ تر شمالی یورپ کے ملک سویڈن اور ناروے میں ہوتا ہے۔ متقدمین کی کتابوں میں لکھا ہے کہ لہسن کی بو لگنے اور زلزلہ کے آنے سے سنگ مقناطیس میں مقناطیسی خاصیت باقی نہیں رہتی۔ اوّل الذکر حالت میں اس کو سرکہ سے دھویا جائے اور دوسری صورت میں جب زلزلہ ٹھیر جائے تو اس میں پھر لوہے کو اپنی طرف کھینچنے کی خاصیت عود کر آتی ہے۔ اب یہ بات قابل غور ہے کہ لہسن کی بو کیوں اسکی خاصیت زائل کر دیتی ہے؟

بھونچال کا اس پر کیوں یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ اپنا عمل چھوڑ دیتا ہے؟ سرکہ سے کیوں لہسن کا مانع اثر چلا جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ متقدمین اور متاخرین میں سے کوئی بھی اس کا راز دریافت نہیں کر سکا اور وہ اس خاصیت کی کوئی معقول وجہ بتانے سے قاصر ہیں۔ یہ بھی بجلی (ایلکٹرسٹی) اور روشنی اور روح وغیرہ کی طرح ایک معمہ ہے۔ اس کتاب کے مصنف علامہ طنطاوی فرماتے ہیں کہ اگر خدائے تعالےٰ نے چاہا تو ان تمام باتوں کے متعلق ہم اپنی کتاب میزان الجواھر میں تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔

تیسری فصل

اس قسم کے پودوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ظہور جو بعض حیوانی خاصیتوں کیساتھ ممتاز ہیں مثلاً احساس وغیرہ)

(اور اسی فصل میں ویل مچھلی کا ذکر بھی ہے)

اب آٹھویں صاحب کی تقریر سنیں:۔ من جملہ دیگر عجائبات کے ایک یہ ہے کہ بعض قسم کے پودوں میں حیوانی خواص پائے جاتے ہیں چنانچہ (۱) ببول کی ایک قسم ہے جس کو "سنط حساس" کہتے ہیں۔ اس کے پتوں میں حیوانات کی طرح قوت احساس موجود ہے اس لئے جب انسان ان کو چھوتا ہے تو وہ سمٹنے لگتے ہیں جس طرح انسان شرما کر سمٹ جاتا ہے۔ دیڑیا گھر کے باغات میں ایک پودا دیکھا جاتا ہے جس میں بعینہٖ یہی خاصیت پائی جاتی ہے (انگریزی میں اس کو TOUCH ME NOT کہتے ہیں)۔(۲) وہ پودے ہیں جو براہ راست اپنی غذا زمین اور ہوا سے حاصل نہیں کرتے بلکہ دوسرے پودوں سے لپٹ کر ان سے تیار غذا لیتے ہیں۔ اور اس لئے

نباتات طفیلیہ" کہلاتے ہیں جس طرح بعض حیوانات بھی کسی دوسرے حیوان کے جسم سے غذا حاصل کر کے پرورش پاتے ہیں مثلاً پستو وغیرہ ۔ (۳) ، ایسے پودے بھی ہیں جن کی خوراک جاندار اشیا ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کے پتوں پر ایک میٹھا رس پیدا کیا ہے جس کا ذائقہ مکھی کو بہت مرغوب ہے ۔ اس لئے وہ انجام سے بے خبر ہو کر اس پر گرتی ہے اور جوں ہی ان پتوں کو اپنی غذا کا احساس ہوتا ہے اپنے شکار کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اسکی رطوبت چوس کر اور اس سے غذا حاصل کر کے فضلہ کو باہر پھینک دیتے ہیں ۔ اور کسی دوسری بدقسمت مکھی کو شکار کرنے کے لئے اپنی آغوش کھول کر منتظر رہتے ہیں ۔ اے ہمارے خدا ! بے شک تیری شان بہت بڑی ہے تیری رحمت وسیع ہے اور تیری حکمتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ = بے شک اللہ تعالیٰ بڑا رزق دینے والا ۔ بڑی قدرت والا ہے اور اس کے افعال میں مطلق کوئی خلل یا عیب نہیں (یہ متین کے معنے ہیں) ایسے ہی عجائبات کو دیکھ کر اس کی رزاقیت اور قدرت کا جلوہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے کہ کس طرح ایک جاندار کو جسے دوسرے حیوانی خواص کے علاوہ قوت پرواز بھی حاصل ہے ایک بے جان کے لئے مسخر بنا رکھا ہے ۔ اور گویا وہ اپنے حریف سے اپنے جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کر رہا ہے (عموماً حیوانات پودوں اور ہر قسم کے نباتات سے خوراک حاصل کرتے ہیں ۔ یہاں پر معاملہ بالعکس ہے) ۔ بہر حال یہ بھی ایک طرح کا شکار ہے لیکن شکار کی نوعیت مختلف ہے ۔ چوں کہ نباتات بے دست و پا مخلوق ہے اور حرکت کرنے سے عاجز ہے اس کے لئے ایک ایسا انتظام کیا گیا کہ بیٹھے بٹھائے بغیر کسی تکلیف کے اس کو اپنا شکار مل جائے ۔ اور اگرچہ مکڑی کی خوراک بھی یہی مکھی ہے تاہم وہ

ایک جاندار چیز ہی اس لئے گو اس کو بھی گھر میں شکار مل جاتا ہے مگر اتنی تکلیف اس کو ضرور کرنی پڑتی ہے کہ پہلے وہ جالا تنے۔ اس کا جالا تننا بھی قدرت کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اس کے تار جو نہایت باریک ہوتے ہیں دراصل اس کا لعاب ہے جو ہوا کے لگنے سے اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ اگر اتنا باریک تار فولاد یا کسی اور سخت دھات کا ہو تو مکڑی کے جالے کا تار اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ مضبوط ہوگا جس با قاعدگی سے یہ جالا تنا جاتا ہے اور اس کے ہندسی اشکال جو بغیر کسی اوزار استعمال کرنے کے محض فطری رہنمائی سے بنائے جاتے ہیں علمار ہندسہ کے لئے حیرانی اور تعجب کا موجب ہے۔ یہ الہام اور تلقین اسی ایک پودے یا مکڑی تک محدود نہیں ہر ایک مخلوق میں وہ وہ حکمتیں موجود ہیں جن کی لمیت اور اسرار کو بڑے بڑے حکیم اور فلاسفر دریافت نہیں کر سکتے۔ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا ہمارا رب تعالےٰ تو وہی ہے جس نے ہر ایک چیز کی تخلیق اس کے مناسب حال صورت پر کی اور پھر (جس طرز پر بھی اس کو پیدا کیا اور جس قسم کے سامان اس کو عطا کئے ان کے صحیح طریقہ پر استعمال کرنے کی) اس کو ہدایت کی "

ایک اور مثال لیجئے۔ قطب شمالی کے سمندروں میں ایک بہت بڑی مچھلی پائی جاتی ہے جس کو عربی میں قیطس اور انگریزی میں ویل مچھلی کہتے ہیں۔ وہ ایک دیو ہیکل حیوان ہے اور اس کا نظارہ بڑا عجیب اور وحشت انگیز ہے۔ اس کا طول کوئی تیس گز کے قریب ہوتا ہے اور اس کا سر اسکے پورے جسم کے ایک تہائی کے برابر ہے۔ اس کے جسم سے چربی کے تقریباً ایک سو پیپے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے نیچے کے جبڑے میں مطلق دانت

نہیں اور اس کے اوپر کے جبڑے میں باریک پتر لگے ہوتے ہیں جب اس کو غذا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اپنا موہنہ کھول دیتی ہے۔ اس کے موہنہ کھولنے پر کافی مقدار پانی کی جس میں چھوٹی چھوٹی ہر قسم کی آبی مخلوق ہوتی ہے اس کے موہنہ میں چلی جاتی ہے۔ جب وہ اپنا موہنہ بند کرلیتی ہے تو پانی تو ہر ایک نالی کے ذریعہ سے فوارہ کی صورت میں خارج ہو جاتا ہے اور مچھلیاں وغیرہ جو اسکی غذا ہے باقی رہ جاتی ہیں جن کو وہ نگل لیتی ہے۔ اس کا تیل (پگھلی ہوئی چربی) سردی کی شدّت سے جم جاتا ہے اور اس سے موم بتیاں بنائی جاتی ہیں (جو ممالک شمالیہ کے باشندوں کے لئے چراغ کا کام دیتی ہیں)۔ ان برفانی ملکوں کے سمندر میں اس مچھلی کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہو کہ وہاں پر سخت سردی پڑتی ہے۔ اس لئے وہاں کے باشندوں کو ایسی اشیاء کی ضرورت ہے جن سے وہ زیادہ تکلیف اُٹھائے بغیر اپنے آپ کو جاڑوں کی شدّت سے محفوظ رکھ سکیں اس مچھلی سے جو تیل حاصل ہوتا ہے اس کے کھانے سے ان کے جسم میں غیر معمولی حرارت پیدا ہوکر سردی کے حملوں کا بخوبی مقابلہ کرتی ہے۔ وہاں پر چونکہ شدت سردی کی وجہ سے اناج وغیرہ کی پیداوار نہیں ہوتی یا بہت کم ہوتی ہے اس لئے اس مچھلی کے گوشت سے وہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اور ایک مچھلی شکار کرلی جائے تو پورے کنبہ کے لئے مہینوں کا سامان ہو جاتا ہے۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ = ہم اپنی مخلوق سے ہرگز غافل نہیں ہیں (جہاں بھی ہوں ان کے رزق پہونچانے اور دیگر ضروریات کا پورا بندوبست کیا ہے)۔“ خارجی طور پر ان کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام فرمایا ہے کہ وہاں پر لمبی لمبی اُون والے ریچھ کثرت سے ہوتے ہیں۔ ان کو شکار کرکے ان کی کھال پہن لیتے ہیں جو سردی سے بچنے کے لئے بہترین لباس ہے (اسی طرح ان کے

ہاں دریائی بچھڑے ملتے ہیں جن کو انگریزی میں سیل Seal کہتے ہیں اور ان کی کھال اور ان کا گوشت خارجی اور داخلی طور پر ان کے جسم کو گرم رکھنے اور سردی سے محفوظ رہنے کے لئے بہترین سامان ہے۔ جغرافیہ کی کتابوں میں اسکیمو قوم کا حال پڑھ لیجئے)۔ ہمارے سمندروں میں اس قسم کے جانوروں کا نہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ ورنہ قدرت میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ = ہمارے خزانوں میں تو کسی چیز کی بھی کمی نہیں لیکن ہم ہر ایک چیز کو ایک مقررہ اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں" وہی اپنی مخلوق کے مصالح کو اچھا جانتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان کے لئے ان کی ضروریات کا انتظام فرماتا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ = تمہارا رب جس طرح چاہتا ہے اور جس بات کو بہتر سمجھتا ہے اُسی کے مطابق تخلیق فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ = اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں"

یہ مچھلی عام مچھلیوں کی طرح پانی کے اندر سانس نہیں لیتی بلکہ دس بارہ منٹ کے بعد اپنے نتھنوں کو پانی سے باہر نکال کر ہوا میں سانس لیتی ہے۔ ہمارے اسلاف کی کتابوں میں اس قسم کی مچھلیوں کو "بنات البحر" لکھا ہے اور ان کے متعلق لمبی چوڑی داستانیں بیان کی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان کو آبی انسان خیال کرتے تھے۔ یہ ان کا غلط خیال تھا تاہم اُن کی تکذیب نہیں کر سکتے یہ نہیں کہہ سکتے کہ پانی میں انسان نما کوئی مخلوق موجود نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کا علم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز درحقیقت موجود نہیں۔ یہ ایک علمی اصول ہے جس کو اکثر علماء

یورپ نے نظر انداز کر دیا ہے۔ البتہ چند محققین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ہم مشرق کے اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کو جنھوں نے اہل مغرب کے طرز پر تعلیم پائی ہے یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ جن باتوں کے متعلق علماء یورپ خاموش ہیں اور ان کے علم میں نہیں آئیں وہ غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو علماء یورپ کے ساتھ ضرورت سے زیادہ حسن ظن ہے۔ چنانچہ مصر کے ایک ڈاکٹر نے ایک دن مجھ سے کہا کہ علم فلک (اسٹرانومی) کے نظریوں کو میں ماننے کے لئے تیار نہیں۔ جبتک میں کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں میں اسکو نہیں مانتا۔ مجھے یہ سن کر بہت تعجب ہوا اور میں نے اس کو علم ہیئت کے بعض نظریوں کے دلائل سمجھا کر ایک حد تک قائل کر دیا بعض آیات قرآنیہ کے متعلق بھی اس کے شبہات اور اعتراضات تھے ان کو بھی میں نے رفع کرنے کی کوشش کی اور اس کو حقیقت سمجھا دی۔ اب دیکھو اس غلط نظریئے کے مطابق ایک اچھا خاصہ تعلیم یافتہ آدمی پورے ایک علم کا انکار کر بیٹھتا ہے۔ برخلاف اس کے علماء اسلام اپنے نظریات میں انتہا پسند نہیں۔ وہ سررشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے چنانچہ اسی نظریہ میں ان کا مسلک یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق علم کا نہ ہونا اس چیز کی نفی اور عدم کی دلیل نہیں۔ تقویم البلدان (جغرافیہ کی ایک کتاب کا نام ہے) میں ربع مسکون کی آبادی اور اقالیم مشہورہ کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

"جن اقوام اور ممالک کا ہم نے ذکر کیا ان کے علاوہ دوسرے اقوام اور ممالک روئے زمین پر نہیں۔ کیونکہ اگر وہ موجود ہوتے تو اتنی مدت میں (یعنی جب سے کہ ہمیں جغرافیہ کا علم ہوا ہے) کبھی تو کوئی ادھر آنکلتا یا ہم میں سے کوئی وہاں جا پہونچتا۔ تاہم ایسا کہنا صرف خیال اور گمان کی بنا پر ہے کیونکہ ممکن ہے کہ صفحۂ زمین پر کوئی ایسی قوم

آباد ہو جس کی موجودگی کا ہمیں اس لئے علم نہ ہوا ہو کہ ہمارے اور ان کے درمیان ناقابل عبور سمندر یا دشوار گذار پہاڑ حائل ہوں۔ ہمارا ان کی نسبت علم نہ رکھنا ہرگز ان کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں۔" چنانچہ ہوا بھی یہی کہ ایک عرصہ کے بعد کولمبس نے ملکہ ایزابیلا اور بادشاہ فرڈینینڈ حکمرانِ سپین کے زیرِ حمایت وسرپرستی امریکہ کو دریافت کیا۔ اور اس کے اب تک معلوم نہ ہونے کی وجہ یہی تھی کہ ملک مذکور اور پرانی دنیا کے درمیان بحرِ ذخار حائل تھا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ اور استطراد تھا۔ ویل مچھلی کا کچھ مزید حال سن لیجئے۔

یہ مچھلی بے پناہ طاقت کی مالک ہے۔ اس لئے اس کے شکار کے لئے کشتیوں کا ایک بیڑا بنا لیا جاتا ہے اور جوں ہی وہ سانس لینے کے لئے اپنا سر اٹھاتی ہے شکار کرنے والے دور سے اس کو برچھیوں سے جو مضبوط رسیوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی ہیں مارتے ہیں اور جب کوئی برچھی اس کے جسم میں گھس جاتی ہے تو وہ مضطرب ہو کر نہایت شدّت کے ساتھ غوطہ لگاتی ہے۔ ان رسیوں کے دوسرے سرے پر جو ملاحوں کے پاس ہوتا ہے ایک گراری لگی ہوتی ہوتی ہے۔ اس میں اس قدر تیز حرکت پیدا ہوتی ہے کہ آگ لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ملاح لوگ اس پر پانی کا دھارا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ گراریاں اور رسیاں بعض اوقات لوہے کی ہوتی ہیں۔ اندریں صورت آگ لگنے کا خطرہ نہیں ہوتا بہر حال جب ایک مچھلی شکار کر لی جاتی ہے تو وہ کئی ملاحوں کے لئے کافی ہوتی ہے۔ لیکن جب تک وہ سمندر میں رہیں وہ ہر وقت خطرے میں رہتے ہیں کہ کہیں دوسری ویل مچھلیاں ان کی کشتیوں کو اپنی ٹکر سے توڑ نہ دیں۔ الغرض یہ ویل مچھلی بھی خدائے تعالیٰ لطیف وخبیر کی قدرت کے عجائبات میں سے ہے۔

چوتھی فصل

نباتات کے متفرق مسائل

نویں صاحب نے اپنا مطلب اسطرح بیان کیا :- ہر ایک قسم کے پودے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ چاہے ان کو قابل قدر سمجھا جاتا ہو یا حقیر خیال کیا جاتا ہو ارباب بصیرت کے لئے ان میں قدرت کے نشان ہیں اور عقلمندوں کے لئے اس میں حکمت باری تعالیٰ کے دلائل ہیں۔ مغربی افریقہ کے محاذ پر بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) کے اندر جزیروں کا ایک مجموعہ ہے جو جزائر کناری کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کے جنگلوں میں اتنے بڑے درخت ہیں کہ اگر اس کے تنے کے ارد گرد دس آدمی دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہو جائیں اور ایک دائرہ بنالیں تو یہ دائرہ اس تنے کا "محیط" ہوگا۔ کہتے ہیں کہ درخت بہت پرانے ہیں اور ان کا نشوونما بہت دیر سے ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی کئی صدیاں پہلے یہ درخت اوگے ہوں گے۔ بتانا یہ ہے کہ یہ بھی نباتات ہی کی قسم ہے اور اس کے مقابلے میں وہ بھی نباتات کی قسم ہے جو طاقتور خوردبین استعمال کئے بغیر نظر ہی نہیں آتے۔ اگر تم اُس کائی کو جو سطح آب پر ایک سبز جھلی کی طرح پھیلی ہوئی ہوتی ہے یا اس پھپھوندی کو جو مرطوب دیواروں پر چمٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے خوردبین میں دیکھو تو تم کو نہایت خوبصورت دلفریب پھلواڑیاں اور گھنے درخت نظر آئیں جن کو دیکھ کر تم محو حیرت ہو جاؤ گے۔ ان کا تخم نہایت باریک ہوتا ہے اور وہ ہوا میں اُڑنے والے غیر مرئی ذرات کے ساتھ فضا میں تیرتے رہتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان کی حفاظت کا کفیل ہوتا ہے۔ جہاں کہیں حالات اپنے موافق پاتے ہیں وہیں پاؤں

جما کر پھلنے پھولنے لگ جاتے ہیں۔ اب ان دونو کا فرق ملاحظہ ہو۔

ابراہیم مصری جب اس قسم کی نادر اشیار کا حال سنتے تو ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھتا۔ ایسا معلوم ہوتا گویا اُنھوں نے کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی ہے۔ اُس کا میلانِ طبیعت ایسے ہی عجائبات کے معلوم کرنے کی طرف تھا اور جب کبھی کوئی اس کے سامنے کوئی اعجوبہ بیان کرتا تو وہ اس کا بڑا ممنون ہوتا۔ جب اس مجلس میں اُس نے عجائبات قدرت کا بیان سُنا اور دوسرے اصحاب اپنے اپنے معلومات بتا چکے تو ابراہیم نے کھڑے ہوکر ان کو اسطرح مخاطب کیا۔ آپ لوگوں کے ان بیانات سے جو فوائد مجھ کو حاصل ہوئے اور جو مسرت ان کو سن کر ہوئی اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں اور اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی آپ کے سامنے اپنے ٹوٹے پھوٹے معلومات بیان کروں۔ جملہ حاضرین نے یک زبان ہوکر کہا فرمائیے۔ اس نے کہا۔ ملک ہندوستان میں دریائے گنگا کے کنارے ایک پودا پایا جاتا ہے جس کے پتے باقاعدگی کے ساتھ ایک منٹ میں ساٹھ مرتبہ حرکت کرتے ہیں۔ گویا یہ پودا ایک قدرتی گھڑی ہے جس کو نہ تو کوکنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ دوسری گھڑیوں کی طرح آگے پیچھے ہوتی ہے بس کرانومیٹر کی طرح ٹھیک وقت بلاکم وکاست بتاتی ہے۔ اب کون ہے جو اس بات کو سن کر انگشت بدنداں نہ ہو۔ وہ ایک پائدار گھڑی ہے جس پر نہ موسم کا اثر پڑتا ہے اور نہ ہوا کی تیزی سے اس کی مقررہ حرکت میں فرق آتا ہے۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ = ان سے کہدو۔ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور وہ تمام اشیا جن کو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے ان سب کو بنظر غور دیکھا کرو "جو آنکھیں مشاہدۂ جمال محبوب سے عاجز اور قاصر ہیں ان کا اندھا ہونا ہی بہتر ہے

ع کور بد چشمے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد

دوسرا عجوبہ ایک اور پودا ہے جو خود بخود حرکت کرتا رہتا ہے اور اسکی حرکت مخروطی شکل میں ہوتی ہے (جس کا بنانا علم ہندسہ میں پرکار اور دیگر آلات کا محتاج ہے) اس کا ہر ایک پتہ تین پتوں کا مجموعہ ہے۔ بڑا پتہ بیچ میں ذرا اونچا رہتا ہے اور بقیہ دونو پتے چھوٹے ہیں اور دائیں یا بائیں جانب اس سے نیچے رہتے ہیں۔ یہ دونو پتے ہر وقت دن ہو یا رات۔ گرمی ہو یا سردی۔ بادل ہو یا مطلع صاف ہو۔ ہوا چل رہی ہو یا فضا میں سکون ہو ہر حالت میں باقاعدگی کے ساتھ ہلتے رہتے ہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ اس کی ایک قسم ایسی ہے جس کی وسطی پتے میں صرف صبح اور شام کے وقت حرکت پیدا ہوتی ہے گویا وہ زبان حال سے پکار پکار کر یہ کہتا ہے کہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ”سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے صبح شام اسکی تسبیح وتقدیس میں مشغول رہو اور اسکی حمد وثنا کے گیت گاؤ“ ہندوستان کے مشرکوں نے ان جیسے پودوں کو دیکھ کر ان پر الوہیت کا گمان کیا اور ان کو پوجنے لگے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ کسی ذات مقدسہ کا پتہ دینے کے لئے ہیں اور اس کے مظاہر قدرت ہیں۔ ممکن ہے لوگوں کے دل میں اسی پودے کو دیکھ کر گھڑی ایجاد کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ وقت کی ابتدا سیکنڈ ہی سے تو ہوتی ہے اور اسی سے منٹ اور منٹوں سے گھنٹے اور گھنٹوں سے دن اور پھر مہینے اور سال بنتے ہیں۔ الغرض نباتات کی کثرت انواع پر نظر ڈالیں (جن کی تعداد ہزاروں نہیں لاکھوں تک پہونچی ہوئی ہے) اور پھر اس بات پر غور کریں کہ ہر ایک کی شکل وصورت۔ اس کے پتے۔ اس کے پھل اور پھول۔ اس کا ذائقہ۔ اس کی بو۔ اس کے خواص۔ اس کا حسن منظر وغیرہ ایک دوسرے سے بالکل

جداگانہ ہے نوان کے خالق کی قدرت۔ اسکی عظمت۔ اس کا علم محیط اور نافذ ارادہ۔ اس کی رحمت اور اسکی حکمت آدمی کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔ بار خدایا! ہمیں ہدایت دے۔ اپنی عنایت کاملہ سے ہمارے دلوں کو منور فرما اور ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کر۔ آمین۔ نباتات کے دوسرے اوصاف کو چھوڑ دو۔ صرف رنگ کو لے لو۔ ہر ایک درخت اور پودے کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ لیکن اس ہمہ گیر وحدتِ لون کے باوجود اور باایں ہمہ تنوّع ہر ایک درخت اور ہر ایک پودے کا رنگ مختلف ہے۔ کلام مجید میں متشابھاً وغیر متشابہ کہہ کر اسی نکتہ پر توجہ دلائی ہے۔

پانچویں فصل

(شادی کا ذکر)

اس مجلس میں ایک صاحب موجود تھے جو بڑے مالدار تھے اور جن کا شمار تاجران عظام میں ہوتا تھا۔ ان کے خط و خال ہی سے خوشحال زندگی بسر کرنے کے آثار نمایاں تھے اور ان کی وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی جان پہچان کے حلقہ میں ذی اثر اور صاحب کمال ہیں۔ وہ ایک کونے میں دوسروں سے الگ ہو کر بیٹھے تھے۔ انھوں نے ابراہیم سے مخاطب ہو کر کہا۔ او عقلمند اور عالم نوجوان! مجھے تمہارا لہجہ مصری معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں میں مصر کا باشندہ ہوں۔ اوّل الذکر نے اس سے ملک شام میں وارد ہونے کا سبب پوچھا تو اس نے تمام حقیقت حال سے اس کو آگاہ کیا۔ اور اپنا مقصد یہ بتایا کہ میں کسی تعلیم یافتہ اور شائستہ اخلاق نیک نہاد خاتون کی تلاش میں ہوں جس کو علم و فضل کے ہر ایک شعبہ میں کافی دسترس حاصل ہو۔ تاجر مذکور نے کہا بہت خوب سے

ہمّت بلند دار کہ نزد خدا و خلق　　　باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

تمہاری اس بات سے مجھے ایک قصّہ یاد آگیا ہے جو میں نے شیخ حمزہ فتح اللہ کی ایک کتاب "المواہب الفتحیہ" میں پڑھا تھا۔ شیخ حمزہ تمہارے وطن مصر میں عربی لٹریچر کے پروفیسر ہیں وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عرب کے مشہور شاعر امرء القیس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک کوئی لڑکی میرے سوال کا تسلّی بخش جواب نہیں دے گی میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ اس کا سوال یہ تھا "آٹھ۔ دو۔ چار" عموماً جس سے یہ سوال کیا جاتا وہ اس کا مطلب یہ سمجھتی کہ ان اعداد کو جمع کرنا ہے اور اس لئے وہ جواب میں یہی کہتی "چودہ"۔ لیکن مطلب سعدی دیگر است۔ امرء القیس نے اپنے دل میں اس کا مطلب کچھ اور ہی مقرر کر رکھا تھا آخر کار ایک لڑکی کے دماغ میں یہ بات آگئی اور اس نے جواب میں کہا کہ اس سے بالترتیب کتیا اور عورت اور اونٹنی کے پستانوں کی تعداد مراد ہے چنانچہ امرء القیس نے اسی سے شادی کر لی۔ میں نے کسی یورپین زبان سے ترجمہ کی ہوئی کتاب میں یہ قصہ ابھی پڑھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی منسوبہ (جس سے منگنی کرنا مقصود ہو) سے اظہار مدعا کرتے ہوئے کہا میں اپنی خانہ آبادی کے لئے کسی ایسی عورت کی تلاش میں ہوں جو اچھا کھانا پکانا جانتی ہو۔ کپڑے سینے میں ماہر ہو۔ بوسیدہ کپڑوں کو رفو کر کے نئے کپڑوں کی صورت میں لا سکتی ہو اس لڑکی نے کہا میں مشکل سے باور کر سکتی ہوں کہ تمہارا مطلب عقد ازدواج سے صرف اس قدر ہو گا۔ کیونکہ آدمی کا درجہ اس کے انتخاب سے پہچانا جا سکتا ہے۔ میں تم پر یہ بدگمانی نہیں کر سکتی کہ تم اسقدر پست ہمّت ہو گے کہ تمہاری نظر خانہ داری کے ان معمولی امور تک محدود ہو گی۔ غالباً تمہارا نصب العین اس سے بہت اعلیٰ اور برتر ہو گا۔ آپ تو پھر بھی مرد ہیں (جن کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر شرف بخشا ہے) میں عورت ہوں لیکن میرا مطالبہ بھی

سن لیجئے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میں دو خصلتیں موجود ہوں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری ہمت ملوکانہ ہو جو ذلت کو کفر سمجھتی ہو۔ دوسرے یہ کہ علوم اور آداب کی روشنی سے تمہارا باطن منور ہو اور حوادث کی تاریکیوں میں تمہاری ذات کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دے۔ اگر تمہارا نصب العین صرف اس قدر ہے کہ ایک ایسی چھوکری تمہیں مل جائے جو کھانا پکاکر تمہارے سامنے رکھ دے اور کپڑے سی کر تمہیں پہنا دے تو پھر تمہارے اور میرے مطلوب میں یقیناً بُعد المشرقین ہے۔ میں ایک ایسا شوہر چاہتی ہوں جو اپنے گھر کا بادشاہ ہو۔ گھر کے چھوٹے بڑے اسکی عزت کریں۔ دور دور تک اس کا شہرہ پھیلا ہوا ہو۔ اور وہ اقوال سدیدہ اور افعال پسندیدہ کا مالک ہو۔ ممکن ہے تم میرے ظاہری حسن و جمال پر فریفتہ ہو اور میرے چہرۂ تاباں سے تم کو عشق ہو لیکن میں تم کو بتائے دیتی ہوں کہ چودھویں کا چاند بالآخر بے نور ہو جاتا ہے اور پھول کا انجام مرجھا جاتا ہے۔ ایسے زوال پذیر اوصاف پر ریجھنا عقلمندوں کا کام نہیں۔ ظاہری خوبصورتی ایک سراب ہے جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں کَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا۔ اس کی مثال چٹیل بیابان کے سراب کی ہے جس کو ایک پیاسا پانی تصور کرتا ہے لیکن جب وہ اس کے پاس پہونچ جاتا ہے تو کچھ بھی اس کو میسر نہیں ہوتا۔" برخلاف اس کے معنوی خوبیاں اور باطن کے کمالات پائدار چیزیں ہیں اور جس تعشق اور دلدادگی کا باعث جمالِ باطن ہو اس کا عمر بھر قائم رہنا یقینی ہے۔ لیکن جس عشق اور محبت کا محرک ایک عارضی اور زوال پذیر چیز ہو (جمال ظاہر مراد ہے) اس کا قائم رہنا معلوم۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ہر ایک شخص کی بیوی یا تو اس کے لئے جنت ہوتی ہے یا دوزخ ؎

زینہار از قرین بد زنہار　　وقنا ربنا عذاب النار

میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نیک اخلاق ستودہ صفات ۔شریف الاصل غیور اور عالی ہمت شوہر چاہتی ہوں اگر تم میں یہ اوصاف موجود ہیں تو میرے لئے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہو۔ اور میں عمر بھر دل وجان سے تمہاری مطیع فرماں رہوں گی۔ بصورت دیگر مجھ سے طمع قطع کر لیجئے۔ شوہر کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی مخطوبہ میں ایسے ہی معنوی کمالات کا طالب ہو۔ کیوں کہ ایسی ہی بیویوں کا ملنا مشکل ہے۔ ورنہ کھانا پکانے اور کپڑے سینے والی چھوکریاں تو چند ٹکے دیکر بھی گھر میں ڈالی جاسکتی ہیں" (اس کے بعد فاضل مصنف نے بعینہ اسی تقریر کو مخطوبہ کی زبان سے عربی نظم میں لکھا ہے۔ ایک تو مضمون کی بے ضرورت تکرار۔ دوسرے ناظرین جانتے ہیں کہ نظم کا ترجمہ نثر عبارت میں بہت ہی پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اس کا ترک کردینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ مترجم)

چھٹی فصل

(سفر کے دیگر حالات)

اس کے بعد تاجر نے ابراہیم کا ہاتھ پکڑا اور دونو قریب کے ایک باغ میں ٹہلنے لگے۔ کیونکہ ابراہیم کی تیزفہمی۔ خوش بیانی اور خوش اخلاقی اس کے دل میں گھر کر چکی تھی اس اثنا میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتیں رہیں اور بالآخر اس تاجر نے ابراہیم کے سامنے اپنا حال اس طرح بیان کیا :۔ میں ترکوں کی قوم سے ہوں۔ مدتوں اطراف عالم میں سفر کیا اور اب ملک ایران میں شہر اصفہان کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ ملک شام میں میرا آنا تجارت کی تقریب سے ہوا اور جوں ہی میرا مال فروخت ہو جاتے میرا ارادہ گھر چلے جانے کا ہے۔ تم اگر میرے ساتھ رہنا چاہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہر طرح سے حصول

مقصود میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہارے لئے بیوی تلاش کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ نوجوان ابراہیم کو کامیابی کی جھلک نظر آئی اور حضرت علیؓ کا قول اس کو یاد آیا کہ جب کسی نے تم سے پہلے کوئی احسان بھی نہ کیا ہو اور تمہارے دل میں بے ارادہ اسکی محبت ڈال دی جائے تو سمجھ لو کہ اس کو دوست بنانے میں تمہاری بھلائی ہے۔ اور اگر تم کو کسی کی طرف ایذا نہ پہونچی ہو اور تمہارے دل میں قدرتی طور پر اس سے نفرت پیدا ہو تو یقیناً اس سے تم کو شر پہونچے گا اس سے بچو" اسی طرح آں حضرت صلعم کی ایک حدیث ہے۔

الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ایتلف وما تناکر منہا اختلف۔

(عالم غیب میں) روحوں کو ایک لشکر کی صورت میں جمع کیا گیا۔ جن جن روحوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا ان کے آپس میں (اس دنیا میں بھی) اُلفت ہوگئی۔ اور جنھوں نے ایک دوسرے کو بہ نظر استنکار دیکھا ان کے آپس میں اختلاف ہی رہا" بالفاظ دیگر باہمی اُلفت اور اتحاد مناسبت ازلی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس نے تاجر مذکور کے ساتھ رہنا سہنا پسند کیا اور اسی کی صحبت میں اپنے دن کاٹنے لگا۔ آپس میں میل جول رکھنے سے دونو ایک دوسرے کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے اور مال تجارت کے معقول نفع پر فروخت ہونے کے بعد دونو احباب نے خوشی خوشی اصفہان کا راستہ لیا۔

منزل مقصود کو پہونچ کر چند دن آرام کیا اور جب دونو آپس میں خوب گھُل مل گئے تو ایک دن تاجر نے ابراہیم سے کہا میں نے تم کو اس غرض کے لئے رفیق سفر بنایا کہ تمہارے اخلاق کا جائزہ لوں۔ سفر میں انسان کے گُن کھل جاتے ہیں اور اس کے اندرونی پوشیدہ جذبات منظر عام پر آجاتے ہیں۔ سفر کے معنے عربی میں کھولنے کے ہیں اور اسی مناسبت سے سفر کا نام سفر رکھا۔ علم النفس (سائیکالوجی) کا اصول ہے کہ مصیبت پیش آنے پر

اخلاق کا امتحان ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سفر میں ایسے مواقع اکثر پیش آتے ہیں السفر قطعۃ من العذاب حدیث نبوی ہے۔ میں تمہارے اخلاق کا امتحان لے چکا اور مجھے تمہارے اخلاق جمیلہ کی بابت پورا اطمینان ہو گیا ہے۔ میری ایک نوجوان لڑکی ہے جو علم اور ادب کے زیور سے آراستہ ہے اور اس نے ہر ایک علم سے بہرۂ وافی حاصل کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ترکی مملکت علم و فضل کا مرکز ہے اور وہاں کے مرد و زن عموماً تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اسی ماحول میں اس نے تربیت پائی۔ اور جب ہم اس ملک کو چھوڑ کر ایران میں آئے تو اس کا محبوب ترین شغلہ مطالعہ کتب تھا۔ اس کو بھی تمہاری طرح عجائبات قدرت اور اسرار کائنات کے علم حاصل کرنے سے شغف ہے۔ اور اگرچہ بڑے بڑے تاجر۔ امیر اور مالدار اصحاب میرا داماد بننے کی تمنّا رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے لئے ایک ایسا شوہر چاہتی ہے جو اس کا ہم مذاق ہو۔ اس کے نزدیک سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی عزّت علم ہے۔ میں نے تمہارے ظاہر اور باطن کو اچھی طرح پرکھ لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کی نظر میں ضرور جچو گے اس لئے میں نے تمہارے سامنے اپنے ما فی الضمیر کا اظہار کر دیا ہے۔ آگے تمہیں اختیار ہے۔ جو کچھ میں نے تم سے اپنی لڑکی کی بابت کہا تم دوسرے لوگوں سے دریافت کر کے اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ ابراہیم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور یہ خوشگوار مجلس یہیں پر ختم ہوئی۔

ساتویں فصل

(ابراہیم کا تاجر کی لڑکی سے علمی مسائل دریافت کرنا)

(عجائبات قدرت پر غور کرنا اسی کے ضمن میں آتا ہے)

ابراہیم نے مزید اطمینان کے لئے تاجر کے دوستوں۔ پڑوسیوں اور اہل محلہ سے

اس کی لڑکی کا حال دریافت کیا۔ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تعریف کی۔ جمالِ صورت میں اس کو بے نظیر بتایا اور حسنِ سیرت میں اس کو یکتائے روزگار بیان کیا۔ سب نے یہی کہا کہ علوم اور آداب میں اس کا ثانی نہیں۔ امورِ خانہ داری میں اس کو مہارت حاصل ہے اور دستکاری میں کامل دسترس رکھتی ہے۔ اس کے بعد اس نے اس کے باپ سے اجازت طلب کی کہ وہ اس سے بالمشافہ بعض علمی مسائل دریافت کرے۔ اس نے خوشی سے اجازت دی اور دن میں ایک خاص وقت اس بات کے لئے مخصوص کیا۔ چنانچہ ابراہیم مردانہ میں بیٹھ جاتا اور لڑکی زنانہ مکان کے ایک کمرے میں آ کر بیٹھ جاتی۔ بیچ میں صرف ایک پردہ حائل ہوتا اور اسکی بہنیں اور سہیلیاں بھی اس کے ساتھ ہوتیں۔ اس کے بعد مختلف علمی مباحث پر گفتگو شروع ہوتی۔ ایک دن اس کا والد اس علمی مناظرہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے حاضر ہوا لیکن جب اس نے دیکھا کہ لڑکی اس کو دیکھ کر جھینپ گئی ہے تو پھر وہ اس مجلس میں شریک نہیں ہوا۔ الغرض ابراہیم مختلف علوم متداولہ مثلاً توحید تصوف۔ فلسفہ۔ فقہ اور آداب اللغۃ کے اصول اور مسائل اس سے دریافت کرتا۔ عجائبات قدرت کے متعلق اس سے سوال کرتا اور یہ کہ علماء عصر نے کونسی نئی تحقیقیں معلوم کی ہیں اور اسرارِ کائنات کے اسباب وعلل کی بابت انھوں نے کونسے نظرئے قائم کئے ہیں۔ ان سوالات کا جواب سن کر اس کو خوشی ہوتی اور دل ہی دل میں کہتا ؎

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز　　　کبوتر با کبوتر باز با باز

دونوں نے علوم قدیمہ کی تحصیل کی تھی۔ متقدمین کی موشگافیوں پر ان کو عبور تھا۔ اور دونو علوم جدیدہ مروجۂ یورپ پڑھے ہوئے تھے اور ان دونو کے امتزاج سے ان کو جو ملکہ حاصل ہوا تھا وہ اس آیت کریمہ کا مصداق تھا کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا

بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ = دونو دریاؤں کو اس نے
ملا دیا جن کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر
دست درازی نہیں کر سکتے۔ ان دونو کے امتزاج سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔"
یہاں بھی علوم قدیمہ کی موشگافیاں اور دقتِ نظر علوم جدیدہ کے مبنی بر تجربہ و مشاہدہ
اکتشافات کے ساتھ مل کر وہ نکتے پیدا کرتے جو اہل ذوق کے نزدیک موتی اور مرجان
سے کم قیمت نہیں تھے۔ سب سے پہلا سوال ابراہیم نے مستقبل کی محظوبہ سے یہ کیا کہ
علوم میں کونسے علم سے تم کو زیادہ دلچسپی ہے۔ کونسے علم کے مطالعہ سے تم کو زیادہ سرور حاصل
ہوتا ہے اور وہ کونسا علم ہے جس کو تم اپنی تنہائی کا مونس خیال کرتی ہو۔ اس نے کہا
میرے دل کی خوشی قدرت الٰہیہ کے عجائبات اور اسکی صنعت کی باریکیاں معلوم کرنے
میں ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس کو ہم دریائے بے پایاں اور بحر بے کران کہہ سکتے ہیں
(کیونکہ اللہ تعالےٰ کی مخلوقات حد وحساب سے باہر ہے اور ان کے اسرار اور حکمتیں
دریافت کرنا انسان کے محدود علم سے بالاتر۔ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ
أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ = اگر وہ تمام درخت جو روئے زمین پر ہیں قلمیں ہوں اور سات سمندر
اس کی سیاہی۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کی معلومات ختم نہ ہوں۔ بے شک وہ غالب ہے
(اسکی قدرت کے مظاہر کو کوئی شمار نہیں کر سکتا) اور بڑی حکمت والا ہے (ہر ایک چیز
میں اس نے متعدد حکمتیں ودیعت رکھی ہیں اور ان پر حاوی ہونا آسان نہیں) مترجم)
یہ کوئی مستقل جداگانہ علم نہیں بلکہ ہر ایک علم میں ایسی باتیں ملتی ہیں جن پر غور کرنے
سے باری تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں۔ علم فلک (اسٹرانومی) علم جغرافیہ

علم طبقات الارض (جیالوجی) علم تشریح (اناٹومی) علم حیوانات (زوالوجی) علم نباتات اور علم معادن وغیرہ سب میں بکثرت ایسے حقائق ملتے ہیں جن کو پڑھ کر آدمی اسکی قدرت کاملہ کی باریکیاں۔ اسکی عظمت اور اسکی حکمت کا تصوّر حاصل کرسکتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں میری عادت تھی کہ لوگوں سے کنارہ کش ہوکر اپنے باپ کے ایک باغ میں جا نکلتی اور جب میں عالم علوی اور سفلی کی کائنات پر نظر کرتی۔ ان کے نظام پر غور کرتی اور قدرت نے جو باریک حکمتیں اس میں ودیعت رکھی ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کرتی تو مجھ کو ایسی لذّت حاصل ہوتی کہ دُنیاؤ ما فیہا کو فراموش کردیتی اور مجنون عامری کے اس شعر کو اپنے مطابق حال پاتی ؎

واخراج من بین البیوت لعلنی احدّث عنک النفس باللیل خالیا

میں رات کے وقت آبادی سے باہر نکل جاتا ہوں تاکہ تنہائی میں اپنے دل ہی دل میں تم سے (اے میری محبوبہ!) بات چیت کرنے کی لذّت اُٹھاؤں۔" مجھے اس تنہائی کا بڑا شوق تھا خصوصًا جب اندھیرا چھا جاتا اور تاروں بھری رات اپنے پورے شباب پر ہوتی۔ اسی طرح جب بادنسیم کے لطیف جھونکے باغ میں اٹھکیلیاں شروع کرتے اور پرندے چہچہانے لگتے تو ان اوقات میں مَیں اپنے دل میں ایک طرح کا جوش اور ولولہ محسوس کرتی اور صنعت ہائے باری عزّ اسمہٗ کے دقائق پر غور کرنے میں اچھی طرح جی لگتا۔ مجھے مجنون عامری کی یہ بیت بار بار یاد آتی اور میرے دل پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا تھا۔ یہ شعر اس کے ایک طویل قصیدے اور غالبًا اس کا بیت القصید ہے۔ میں نے کسی کتاب میں ایک عالم کا یہ قول پڑھا ہے کہ اس بیت میں مشاہدۂ جمال قدرت کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ یہ قول پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے

باری تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ہدیۂ تشکر پیش کیا کہ میری رائے ایک عالم کی رائے سے موافق ہے ۔"

جب وہ خاتون اس قسم کی تقریر کرتی تو ابراہیم کا چہرہ شگفتہ ہوجاتا کیونکہ اس کے یہ خیالات اور جذبات ابراہیم کے خیالات اور جذبات کے مطابق تھے۔ ابراہیم نے کہا کہ اگر کائنات کا علم اس غرض سے حاصل کیا جائے کہ وہ خالق تعالےٰ کی صفاتِ کمال کا آئینہ ہے تو اس بارے میں تم کیا کہتی ہو؟ اس نے کہا یہ تو ایک بحرِ بے کراں ہے مختصراً عرض کرتی ہوں کہ اللہ تعالےٰ کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ = میری رحمت نے ہر ایک چیز کو گھیر رکھا ہے ۔" اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ وہ رات دن ہمیں آفات سے محفوظ رکھتا ہے ۔ (قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ = خدائے مہربان کے بغیر اور کون ہے جو رات دن تمہاری حفاظت کرتا ہے")

جب آفتاب عالمتاب کے طلوع کا وقت قریب ہوتا ہے اور آفاق میں روشنی پھیل جاتی ہے تو ہر ایک حیوان میں جو اس سے ایک گھڑی پہلے بشکل میّت کے تھا یکایک زندگی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور وہ اپنے خالق کی رحمت اور عنایت سے تازہ دم ہوکر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ہمہ تن تحصیل رزق میں مشغول ہوجاتا ہے ۔ اور جب وہ دن بھر دوڑ دھوپ کرنے سے تھک جاتا ہے ۔ اس کے قوٰی کمزور پڑ جاتے ہیں ۔ اور وہ طبعاً آرام کا متقاضی ہوتا ہے تو اس کی رحمت کا ظہور ایک دوسری صورت میں ہوتا ہے یعنی آفتاب کی روشنی مدہم پڑکر بالآخر غروب ہوجاتا ہے ۔ رات کا اندھیرا دنیا پر چھا جاتا ہے اور عالم بھر پر ایک سکون کی حالت طاری ہوجاتی ہے ۔ تمام حیوانات اپنا اپنا مسکن ڈھونڈتے ہیں ۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لیتے ہیں ۔ غریب لوگ جھونپڑیوں میں اور امیر لوگ محلات میں آرام کرتے ہیں اور سب

لوگ سوجاتے ہیں۔ ایک خدائے تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ اور وہ سب کی حفاظت کرتا ہے وَلَا یَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ = آسمان اور زمین کی حفاظت کا اس پر کچھ بھی بوجھ نہیں پڑتا۔ وہ بہت بڑی شان والا ہے" پھر جب ایک مقررہ وقت کے بعد پچھلے دن کی تکان دور ہوکر اعضاء ظاہر و باطن میں ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر ایک جاندار جس میں انسان بھی شامل ہے از سر نو اُس مسلسل سعی و اجتہاد کے قابل ہو جاتا ہے جو قدرت نے ازل میں اپنی حکمت کاملہ سے اس کے لئے لازم ٹھیرائی ہے تو پھر دوبارہ سورج طلوع ہوکر کل کی سی کیفیت ظہور میں آتی ہے اور اس طرح یہ نظام ایک معینہ قاعدے پر چلتا رہتا ہے۔ دنیا کو ایک تاریک گھر سمجھ لیں تو سورج اس کا چراغ ہے۔ جب اور جس وقت تک اسکی ضرورت رہتی ہے اس کو روشن رکھا جاتا ہے لیکن جب وہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو اس کو ڈھانک لیا جاتا ہے (یا بالفاظ صحیح تر اسکو دوسرے کمرے میں لے جاتے ہیں جہاں لوگ اسکی ضرورت محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ دنیا کو ایک گھر سے تشبیہ دیں تو اس کے مختلف ممالک مثل اس کے کمروں کے ہیں) ہاں جب رات کی پُر سکون کیفیت عالم پر چھا جاتی ہے تو اہل محبت و عرفان کے لئے یہ ایک عجیب موقعہ ہوتا ہے کہ تمام مشاغل اور عوائق سے یکسو ہوکر اپنے خالق تعالیٰ کے مشاہدۂ جمال قدرت میں بدل و جان مشغول ہوں۔ اس عالم استغراق میں ان کو سوائے ایک ذات اقدس کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی (اسی کو اہل معرفت توحید شہودی کہتے ہیں) ۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ = آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک ہی غالب زبردست خدا کی" اگرچہ ظاہری علماء اسکو قیامت کے دن کا واقعہ بتاتے ہیں لیکن یہ لوگ جن کا ذکر ہو رہا ہے اس دنیا میں بھی اُس کا جلوہ عیاناً دیکھ سکتے ہیں

ولو کبُرق بِخاطفٍ = وہ اس شہود اور تجلّی کو حاصل کرنے کے لئے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے مطابق نماز تہجد میں مشغول ہوتے ہیں۔ کیونکہ نماز معبود مطلق کے ساتھ مناجات کا ذریعہ ہے اور خصوصًا تہجد کی نماز عابد اور معبود کے درمیان رفع حُجب کا بہترین وسیلہ ہے۔ اے ہمارے خدا! ذوالجلال والاکرام! بے شک تو نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو ڈھانپ لیا ہے۔ جو تیرے سچے بندے ہیں ان کے دل تیرے لئے خشوع اور خضوع سے بھرے ہوئے ہیں اور زبان سے وہ تیری حمد و ثنا کے گیت گاتے ہیں۔ وہ اپنی اپنی بولی میں تجھی سے اپنی حاجات کا سوال کرتے ہیں اور تیری یاد ان کے لئے خنکی چشم کا باعث ہے۔ تو ہی ازلی ابدی ہے۔ تو ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ ہر ایک مخلوق تیرے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر ایک تیری رحمت میں مخمور اور تیری نعمتوں سے معمور ہے۔ تمام کائنات کا پیدا کرنا اور ایک حقیر مخلوق کو نیست سے ہست کرنا تیری قدرت میں یکساں ہے۔ تو ہی دیکھنے والا سننے والا ہے۔ تو ہمارے ظاہر اور باطن کو یکساں طور پر جانتا ہے۔ آسمان اور زمین میں کوئی چیز تیرے علم سے باہر نہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ قطعہ کس قدر حقیقت کا مظہر ہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　　وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　　ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

ابراہیم نے اس کی یہ تقریر بہت پسند کی اور پھر کہا کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے کہ کائنات عالم کا علم کمالات نفسیہ یا بالفاظ دیگر اخلاق عالیہ کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس نے کہا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (بے شک جو آنکھیں رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں ایک بڑا سبق ہے)۔ ہر ایک عقلمند جب اس دنیا پر

عبرت کی نظر ڈالتا ہے تو اس کو اس سے ایک بڑا اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے مثلاً جب وہ سورج چاند ستارے دیکھتا ہے اور ان کی نورانیت پر غور کرتا ہے تو اس سے وہ یہ سبق اخذ کرتا ہے کہ اپنے ظاہر اور باطن کو صاف اور پاکیزہ رکھتا ہے۔ غذا کم کھاتا ہے اور سنت وضو اور غسل کی پوری پوری پابندی کرتا ہے (ہر ایک نماز کے لئے وضو کرنا۔ کم ازکم ہفتہ میں ایک دن غسل کرنا۔ نیز اجتماعات کی تقریب سے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہننا پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے) اپنے سینہ کو کینہ اور حسد سے پاک رکھتا ہے۔ لوگوں سے محبت اور ہمدردی کا سلوک کرتا ہے اور دوست دشمن کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ عنترہ (جو سبعہ معلقہ کے شعراء میں سے ہے) کہتا ہے ؎

لا یحمل الحقد من تعلو بہ الرتب ولا ینال العلی من طبعہ الغضب

بلند مرتبہ اور بلند منش انسان اپنے دل میں کسی کے لئے کینہ نہیں رکھتا ہے۔ اور جس کی طبیعت میں غصہ ہو وہ مراتب عالیہ حاصل نہیں کر سکتا" ان صفات کی بدولت اس کے فیض سے سبھی یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔ جس طرح سورج کی روشنی سب کے لئے برابر سامانِ راحت ہے۔ تم نے کلام مجید میں یہ آیت پڑھی ہوگی جس میں عیسٰی علیہ السلام منکرین کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کرتے ہیں وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا = اس نے (باری تعالیٰ نے) مجھ کو برکت دی ہے۔ جہاں کہیں بھی ہوتا ہوں (لوگ میرے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے ہیں)۔ اور اس نے مجھکو حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں نماز اور زکوٰۃ کا پابند رہوں" ایسا شخص ہمیشہ ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ ابراہیم نے کہا۔ سورج چاند اور تاروں کا علم حاصل کرکے آدمی کو اور کونسا سبق ملتا ہے۔ اس نے کہا وہ دیکھتا ہے کہ سورج چاند ستارے مطیع اور غیر مطیع کو یکساں روشنی دیتے ہیں اور نہ تو ان کا

معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ کسی کے اظہار تشکر کی توقع رکھتے ہیں۔ اسی طرح انسان کامل وہی ہے جو اپنے میں یہ اوصاف پیدا کرے (یا اپنے میں یہ اوصاف رکھتا ہو)۔ درحقیقت اس کا مکمل نمونہ تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات مبارکہ ہیں۔ دوسرے درجہ پر بعض کاملانِ اُمت کو بھی انہی کے اتباع سے یہ درجہ حاصل ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ جملہ انبیاء تبلیغ کرتے ہوئے یہ الفاظ زبان پر لائے ہیں وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ = ہم تم سے اس کا کچھ بھی معاوضہ نہیں چاہتے۔ ہمارا اجر خالق عالم ہی دے گا"۔ سورۂ دہر میں بعض ابرارِ امت کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا = ہم تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی کے لئے یہ کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ تو ہم تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمیں تمہارے شکریہ کی ضرورت ہے"۔ جس نے کائنات علویہ کی اس رمز کو دریافت کر لیا اسکی تمام حرکات سکنات خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہوتی ہیں نیز اس قسم کا انسان اپنا کوئی ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے وقت عزیز کو فوائد علمیہ اور کمالات ادبیہ (یعنی اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ) کی تحصیل میں صرف کرتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ تمام اجرام علویہ دن رات مقررہ نظام پر چل رہے ہیں کبھی ان کو سکون نصیب نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے ہر ایک عمل کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور وہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتا۔ اس کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ سورج کے پابند نظام ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ایک مقررہ وقت پر صبح ہوتی ہے اور مقررہ وقت پر شام ہوتی ہے۔ اسی طرح چاند کے ایک معین طریقہ پر گھٹنے بڑھنے سے تاریخیں پیدا ہوتی ہیں۔ مہینے اور سال بنتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اپنے اعمال کو ایک خاص نظام کے ماتحت

بجالاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر ہر ایک کام اپنے مقررہ وقت پر انجام نہیں پائے گا تو اس کے نظامِ حیات میں یقیناً خلل رونما ہوگا اور اس کا وقت عزیز ضائع ہوگا آنحضرت صلعم نے اوقات مبارک کو مختلف اعمال و مشاغل کے لئے تقسیم کر رکھا تھا اور ہر ایک عمل اپنے مقررہ وقت پر انجام پاتا تھا۔ (شفا ئے قاضی عیاض اور دوسری کتب سیرت میں یہ مذکور ہے)۔ دنیاوی امور کے منظم کرنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ہر ایک عمل کے لئے جداگانہ وقت مخصوص ہو چنانچہ منظم حکومتیں اسی قاعدہ پر چل رہی ہیں اور ان کے ہاں جملہ امور مہمہ و غیر مہمہ کے لئے ٹائم ٹیبل اور پروگرام ہوتے ہیں۔

منجملہ ان اسباق کے جو اس نظام کو دیکھ کر اخذ کئے جا سکتے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ہر ایک بات اور ہر ایک عمل کی بنا حکمت پر ہو (کوئی عمل عبث اور بغیر کسی صحیح مقصد کو پیش نظر رکھ کر نہ کیا جائے) اور ہر ایک بات اور ہر ایک عمل میں عدل اور انصاف پر کاربند ہونا چاہئے۔ بالفاظ دیگر ہر ایک کام اس کے مناسب موقع پر کیا جائے اور وضع الشیئ فی غیر محلہ یعنی کسی بات کو بے محل اور بے جا طور پر کرنے کا مرتکب نہ ہو۔ نوشیرواں بادشاہ سے کسی نے دریافت کیا تمہاری سلطنت کی تکمیل اور استحکام کا باعث کیا ہے؟ اس نے کہا۔ میں نے زمین اور آسمان کے نظام کو بنظر غور مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اسکی بنا عدل پر قائم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سلطنت کا قیام بجز اس کے ناممکن ہے کہ ملک الملوک یعنی باری تعالیٰ ہی کے قانون اساسی پر عمل کیا جائے " خود اسی نے اپنے کلام پاک میں اسبات کی شہادت دی ہے کہ اسکی تدبیر ملک و ملکوت کی بنا عدل پر قائم ہے۔ اور اس کے ملائکہ مقربین اور علماء ربانیین بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں اس لئے وہ بھی یہی گواہی دے رہے ہیں۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا

بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ = اللہ تعالیٰ خود اور اس کے ملائکہ اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سوائے اسکے کوئی دوسرا خالق معبود نہیں۔ وہ عدل پر قائم ہے بے شک اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہی غالب ہے (ہر ایک بات پر قادر ہے) اور حکمت والا ہے (اس کا ہر ایک فعل مبنی بر حکمت ہے)" کچھ شک نہیں کہ جس کو حقیقت اشیاء کا علم حاصل ہو وہ قطعاً جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے ملک و ملکوت کی تدبیر عدل اور حکمت کے ساتھ فرماتا ہے یعنی اس کا ہر ایک عمل مبنی بر عدل اور مبنی بر حکمت ہوتا ہے چنانچہ اس کو اللہ تعالےٰ کے تمام تصرفات میں سراسر عدل اور حکمت نظر آتی ہے۔ اور اگرچہ ہر ایک چھوٹی بڑی بات میں عدل اور حکمت کا مشاہدہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی کو اس کا تفصیلی علم نہیں ہوسکتا تاہم اس کے ملائکہ مقربین اور علماء ربانیین ایک بڑی حد تک اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں اور یہ دونو صفات عالیہ (عدل اور حکمت) انکو اللہ تعالےٰ کے ہر ایک تصرف اور ہر ایک فعل میں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے۔ وہ اُس وقت اشیاء اور اُن کی حقیقت کو جانتا تھا جبکہ زمین و آسمان اور بر و بحر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ مصنف (جوہری طنطاوی ؒ) کہتا ہے ہم اس رسالہ کے بعد جس کتاب لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور جس کا نام میزان الجواہر تجویز کیا گیا ہے اس کا موضوع انہی باتوں پر روشنی ڈالنا ہے یعنی یہ کہ باری تعالیٰ کا ہر ایک تصرف اور اس کا ہر ایک فعل عدل اور حکمت پر مبنی ہے۔

اس کے بعد اُس خاتون نے کہا۔ کائنات کے نظام پر غور کرنے سے ایک یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ دن کو سونے سے احتراز کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ نے رات ہی کو سکون اور آرام کے لئے پیدا کیا اور دن کی تخلیق اعمال نافعہ کے انجام دینے کے لیے ہے فرماتا ہے

وَھُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ = اس نے رات کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اس میں آرام کرو۔" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا = ہم نے رات کو لباس کی طرح پردہ پوش بنایا اور دن کو تحصیل معاش کا وقت مقرر کیا۔" حاذق حکماء اس نظرئے کی تائید کرتے ہیں اور تجربہ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ دن کو سونا مضر صحت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جو شخص تہجد پڑھا کرتا ہے وہ ظہر سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے قیلولہ کرلیا کرے (قیلولہ دوپہر کی نیند کو کہتے ہیں)۔ ابراہیم مصری نے کہا۔ معزز خاتون! تم نے اپنی تقریر میں یہ بھی تو کہا تھا کہ انسان کو تمام صفات مقدسہ کا اتباع کرنا چاہئے اور چونکہ وہ حکیم ہے (اس کا ہر ایک فعل ایک مستحکم بنا پر قائم ہے) اس لئے انسان کو بھی اپنے افعال میں حکیم ہونا چاہئے۔ یہ کس طرح؟ اس نے کہا حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہیں کچھ کہنا چاہئے جہاں کچھ کہنا مستحسن معلوم ہوتا ہو اور جہاں نہ بولنا مصلحت پر مبنی ہو وہاں پر خاموش رہے۔ الغرض اس کے تمام حرکات سکنات کسی حکمت پر مبنی ہوں کسی مصلحت اور مفید مقصد کو پیش نظر رکھ کر کوئی کام انجام دے۔ اور اس کا کوئی فعل اور عمل عبث اور بے معنی نہ ہو۔ کیونکہ جہاں تک میں نے غور کیا ہے زمین و آسمان یا بالفاظ دیگر عالم بالا اور عالم اسفل میں ایک ذرہ بھی عبث اور باطل نہیں پیدا کیا گیا اس لئے جو کوئی بھی اس اصول کی مخالفت کرے گا وہ جاہل اور فاسق ہوگا۔ ابرار کی زبان پر ہمیشہ یہی الفاظ ہوتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ = اے ہمارے خدا! تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیو۔" اور بھی اس قسم کی آیتیں کلام مجید میں بکثرت وارد ہوئی ہیں مثلاً وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا بَاطِلًا ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ

کفروا = ہم نے آسمان اور زمین اور ان کی درمیانی مخلوق کو عبث اور بے فائدہ پیدا
نہیں کیا۔ یہ کافروں ہی کا خیال ہے (کہ یہ کائنات یوں ہی پیدا ہوئی ہے اور اسکی بنا حکمت
پر نہیں)" یہ بھی ایک معلوم بات ہے اور جملہ حکماء اور فضلاء اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان
میں جتنی صفات محمودہ ہیں ان کا درجۂ فضیلت اعتدال پر قائم رہنے کے ساتھ مشروط ہے
افراط اور تفریط دونو حالتیں مذموم سمجھی جاتی ہیں مثلاً فیاضی ایک قابل تعریف وصف ہے
لیکن اس میں حد سے بڑھ جانا اسراف ہے اور اگر جائز طور سے صحیح مصرف پر خرچ کرنے سے
پہلو تہی کی جائے تو یہ حالت تفریط ہے جس کو بخل کہتے ہیں۔ اسراف اور بخل دونو مذموم ہیں
اور فیاضی یا سخاوت جو قابل تعریف وصف ہے ان دونو کے درمیان ہے۔ اسی طرح تواضع
ایک محمود صفت ہے جس میں افراط یعنی حد سے بڑھ جانا آدمی کو ذلیل کر دیتا ہے (بہر حال اپنی
خودداری کا قائم رکھنا لازم ہے) اور اس میں کوتاہی کرنے سے تکبر پیدا ہوتا ہے (جس نے
شیطان کو ابدی ملعون کر کے چھوڑا)۔ علیٰ ہذا القیاس شجاعت ایک وصف محمود ہے لیکن
بشرطِ اعتدال۔ اس میں بھی افراط اور تفریط مذموم سمجھے جائیں گے۔ شجاعت اور اقدام
میں افراط کا نام ہے تہوّر۔ اور تفریط کو جُبن یا بزدلی کہتے ہیں۔ بہر کیف حضرت رسول کرم
صلعم کا یہ قول کہ خیر الامور اوسطہا تمام اخلاق فاضلہ اور دیگر امور میں قانون
اساسی ہے اور منجملہ احادیث جوامع الکلم۔ ابراہیم نے کہا تم نے کبھی اس دعاسئے
ماثور کے مضمون پر بھی غور کیا ہے کہ ربنا لک الحمد ملأ السموات وملأ الارض
وملأ ما بینھما وملأ ما شئت من شیئ بعد۔ اس نے کہا میں ایک دن شام کی
نماز پڑھ رہی تھی کہ مجھے اِن الفاظ پر غور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور میں اس نتیجہ پر
پہونچی کہ تمام عوالم انسان کی خدمت یا بالفاظ دیگر اسکی ضرورت پوراکرنے میں مشغول

ہیں۔ آسمان کو دیکھو تو اسی سے زمین پر برکتیں نازل ہوتی ہیں اُدھر ہی سے بارش آتی ہے
جس پر موالید ثلاثہ کی زندگی قائم رہنے کا انحصار ہے۔ اور سورج ہی کی روشنی اور
حرارت ان کی نشوونما اور قیام حیات کا باعث ہے۔ زمین ان کے لئے کھیتی اور
میوہ دار درخت اوگاتی اور ان کی تمام حاجات پورا کرنے کا سامان بہم پہونچاتی ہے
کثرت سے ایسے غیبی اسباب بھی ہیں جن کا ہمیں علم تک نہیں لیکن انہیں کی بدولت ہمیں
راحت اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ الخ میں انہی باتوں کی تصریح
ہے اور ان کو حمد و ثنا کا موجب ٹھہرایا ہے۔ کتنا جامع اور پُر معنی کلام ہے! الغرض انسان
کے اردگرد جتنے عوالم ہیں وہ سب اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ تب ہی ارشاد ہوتا
ہے کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا = اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو
تو ہرگز ان کا شمار نہ کرسکو۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ = بے شک انسان (عام طور پر)
ظالم اور ناسپاس ہوتا ہے" ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ابراہیم نے کہا کسی چیز کے پیدا کرنے میں جتنے بھی احتمالات ہوسکتے ہیں قدرت کاملہ
نے ان سب احتمالات کے مطابق وہ چیز پیدا کی ہوتی ہے مثلاً توالد تناسل میں چار
صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی اولاد سب بیٹے ہوں۔ دوسرے یہ کہ سب
بیٹیاں ہوں۔ تیسرے یہ کہ ملی جلی اولاد ہو بیٹے بھی ہوں بیٹیاں بھی ہوں۔ چوتھے
یہ کہ نہ اس کا بیٹا ہو نہ بیٹی۔ اب خارج میں واقعات پر نظر ڈالو تو یہ چاروں صورتیں نظر
آئیں گی۔ وَيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

وَإِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ کی آیت کریمہ میں اسی مثال کی توضیح ہے۔ اُس خاتون نے کہا۔ بے شک درست ہے۔ چنانچہ ایک اور مثال عرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے چھ اطراف پیدا کئے ہیں جن کو "جہاتِ ستہ" کہتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نباتات کے سر ہمیشہ زمین کی طرف جھکے رہتے ہیں (اس سے مراد ان کی جڑیں ہیں) تاکہ وہ زمین سے اپنی غذاء حاصل کریں۔ عام حیوانات کے سروں کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اپنے سروں کو چاروں طرف پھیر سکتے ہیں۔ صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کا سر اوپر کی جانب رہتا ہے۔ اس اختلاف میں ایک لطیف نکتہ ہے نباتات کا درجہ طبعًا سب سے نیچے ہے۔ حیوان اور انسان اس سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ حیوان کا رتبہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کو نباتات پر حکومت دی گئی ہے۔ انسان ان دونوں سے بالاتر ہے اور اس میں استعداد رکھی گئی ہے کہ ترقی پاکر عالم ملائکہ میں شامل ہوسکے۔ ایک اور مثال سُن لیجئے۔ کائنات کے متعلق ہم یہی چار احتمالات ذہن میں لاسکتے ہیں کہ یا تو وہ مخلوق اللہ تعالےٰ کی مطیع فرمان ہوگی یا نافرمان۔ یا اس میں اطاعت اور معصیت کی صلاحیت ہی نہیں ہوگی۔ یا کبھی اللہ تعالےٰ کی مطیع اور کبھی غیر مطیع رہے گی۔ اب خارج میں دیکھو تو ان چاروں اقسام میں سے ہر ایک قسم کی مخلوق تم کو نظر آئے گی۔ ملائکہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کے احکام کے پابند رہتے ہیں۔ شیطان کبھی اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ جمادمیں یہ استعداد ہی نہیں رکھی گئی۔ انسان کبھی مطیع رہتا ہے کبھی اس کے احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ اسی طرح کسی خط (لائن) کو تم تین طرح پر تصور کرسکتے ہو خط مستقیم۔ منحنی۔ اور منکسر۔ خارج میں تینوں قسم کے خطوط موجود ہیں۔ ابراہیم نے کہا بس اتنی مثالیں کافی ہیں۔ کوئی ایسی بات بتاؤ

جو حال میں دریافت ہوئی ہو۔ اس نے کہا میں نے بعض علمی رسائل میں پڑھا ہے کہ قطب شمالی کے برفانی ملکوں میں ایک قسم کی گائے دیکھی گئی ہے جس کی آنکھوں پر قدرت نے طبعی طور پر اس قسم کے چشمے پیدا کئے ہیں (اس کو نیچرل طور پر ایک ایسی عینک پہنائی ہے) جس کی وجہ سے وہ برف سے منعکس ہونے والے بینائی کو کھو دینے والے، شعاعوں سے محفوظ رہتی ہے۔ کلام پاک کی یہ آیت عموم کے طور پر اس اکتشافِ جدید کو شامل ہے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ = ہمارے خزائن قدرت میں کسی چیز کی بھی کمی نہیں۔ لیکن اس کا ظہور ایک مقرر مقدار کے مطابق ہوتا ہے" جہاں اسکی ضرورت ہوتی ہے وہیں اسکو ظہور میں لایا جاتا ہے (جیسے کہ مندرجہ بالا مثال سے ظاہر ہے)۔ بے شک اللہ تعالےٰ بڑا مہربان اور لطیف و خبیر ہے۔

جب میں اپنے اساتذہ سے تحصیل علم میں مشغول تھی میں نے اُن سے ایک عجیب بات سُنی تھی جو اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ کہتے ہیں کہ ملک چین میں ایک نہایت خوبصورت چھوٹا سا سانپ ہوتا ہے اور وہ زہر سے قطعًا خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ امراء کے گھروں میں خواتین اسکی پرورش کرتی ہیں اور آرائش کے لئے اس کو کنگن اور چوڑیوں کی بجائے ہاتھ پر لپیٹ لیتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ نہایت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اسکا سمیت سے خالی ہونا اور اسکی خوبصورتی اسکو محبت سے پرورش کرنے کے لئے غیبی سامان ہے۔ اشیاء رزق اور سامان تربیت کی نوعیت میں بھی قدرت نے اختلاف رکھا ہے جس کی توضیح اسی کے بالمقابل ایک دوسری قسم کے سانپ کا حال سننے سے ہو سکتی ہے۔ یہ سانپ بھی اول الذکر کی طرح غیر زہردار ہے لیکن جسامت میں بہت بڑا ہے۔ آٹھ دس گز تک اس کا طول ہوتا ہے اور کھجور کے درخت کے تنے کے برابر وہ موٹا ہوتا ہے۔ یہ سانپ عمومًا افریقہ اور

سوڈان میں پایا جاتا ہے اس کو انگریزی میں BOA کہتے ہیں۔ اس کو اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے قدرت نے غیر معمولی طاقت عطا کی ہے۔ اور یوں کہیں گے کہ وہ اپنی خوراک بزور بازو حاصل کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ پہاڑوں کی کھوؤں اور بڑے بڑے پرانے درختوں کے کھوکھلے تنوں میں رہتا ہے۔ اور جب بھوکا ہوتا ہے تو اپنی جائے پناہ سے نکل کر شکار کی انتظار میں بیٹھ جاتا ہے اور جوں ہی اسکی نظر کسی شکار پر پڑتی ہے جھپٹ کر اس کے جسم پر لپیٹ جاتا ہے اور اس کو مروڑ کر اپنی غذا بنا لیتا ہے چنانچہ ہرن اور نیل گائے تک کو نگل جاتا ہے۔ انسان پر بھی حملہ کرنے سے دریغ نہیں کرتا جس چیز کو نگل لے وہ اس کے معدے میں جاکر ہضم ہو جاتی ہے۔ ان دو نو قسم کے سانپوں کے حصول رزق کے طریقوں پر غور کرو۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ

آٹھویں فصل

شہد کی مکھی اور اس کے عجائبات

(استطراداً اس میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں)

نیک دل خاتون نے ابراہیم سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ عام طور پر اپنی گفتگو میں "عجائبات قدرت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں بہتر ہوگا اگر آپ مجھکو عجائبات کا مفہوم سمجھانے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ ابراہیم نے کہا۔ خدائے پاک تم کو تحصیل علم کا اور زیادہ شوق عنایت فرمائے۔ جب انسان کی عقل کسی بات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتی ہے یا اس کے اثر انداز ہونے کی کیفیت سمجھنے اور علت اور معلول میں باہم ارتباط پیدا کرنے سے آدمی کا ذہن عاجز آجاتا ہے تو اس کو ایک قسم کی حیرانی پیش آتی ہے

اسی کو تعجب کہتے ہیں اور جن باتوں سے تعجب پیدا ہوتا ہے وہ عجائبات کہلاتی ہیں
مثلاً جب انسان شہد کی مکھیوں کا چھتہ دیکھتا ہے بشرطیکہ پہلے اس کو نہ دیکھا ہو اور پھر
اس کے مسدّس خانوں کی ساخت پر غور کرتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ کیونکہ جو
مکھیاں اسکو بناتی ہیں وہ ایک کمزور بے سمجھ مخلوق ہے۔ اسکی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک
کمزور اور حقیر مکھی اوزار اور آلات کو استعمال کئے بغیر کس طرح یہ خانے بنا لیتی ہے جس کو
ایک ماہر انجینئر بھی بمشکل تیار کر سکے گا۔ اس مکھی میں اتنی سمجھ کہاں سے آئی کہ وہ ان خانوں کو
نہایت باریک جھلی سے ڈھانپ دے تاکہ چاروں طرف سے شہد کو موم گھیرے رہے
اسطرح نہ تو اسکو ہوا خشک کر سکتی ہے اور نہ ہی چوہا وغیرہ اس سے چوری کر سکتا ہے۔
اسکی مثال ایک سربستہ مٹکے کی ہوتی ہے جس میں ہر طرح سے شہد محفوظ رہتا ہے۔ ایسی
باتوں کو ہم عجائبات سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات عالم اسی قسم
کے عجائبات پر مشتمل ہے لیکن چونکہ بچپن میں آنکھ کھلتے ہی انسان یہ سب چیزیں دیکھنے
لگتا ہے۔ عقل اور سمجھ کا ظہور اس میں بالتدریج ہوتا ہے۔ اور جب اسکی سمجھ میں کچھ پختگی
آتی ہے تو اس وقت وہ اپنی خواہشات پورا کرنے اور دنیا کے دھندوں میں اس قدر
مصروف ہو جاتا ہے کہ اسکو حقایق اشیاء پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ نیز ان تمام
اشیاء سے وہ مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور ان تمام مظاہر قدرت کو جو اس کے سامنے جلوہ گر
ہوتے ہیں معمولی روزمرہ کی چیز سمجھ کر ان پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اس لئے وہ
ان کو عجائبات خیال نہیں کرتا۔ (انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز روزمرہ کے مشاہدے
میں آتی ہو چاہے وہ کتنی ہی پُر حکمت اور پُر معنی ہو اس کو وہ ناقابل التفات سمجھتا ہے)
البتہ جب دیکھی بھالی ہوئی اشیا کے علاوہ کوئی عجیب الخلقت حیوان (مثلاً کوئی گائے

کا بچہ جس کے دو سر ہوں یا چھ ٹانگیں ہوں) اس کے دیکھنے میں آتا ہے تو بے ساختہ سبحان اللہ موہنہ سے نکل جاتا ہے۔ باوجودیکہ روزمرہ ایسی چیزیں دیکھتا رہتا ہے...... .... جو اس سے بدرجہا عجیب تر ہوتی ہیں لیکن وہ ان کی پروا تک نہیں کرتا وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ = آسمانوں میں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی کتنی نشانیاں ہیں جن کے پاس سے وہ موہنہ موڑ کر گذر جاتے ہیں"

خاتون نے کہا۔ مسدس شکل کے خانے بنانے میں کونسی حکمت ہے۔ موم کس چیز سے بنتی ہے اور شہد کہاں سے حاصل کیا جاتا ہے؟ ابراہیم نے کہا۔ اکثر نباتات پر آٹے کی مانند ایک سفید رنگ کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اسی سے موم تیار ہوتی ہے۔ مسدس شکل کو دوسری اشکال پر ترجیح دینے میں یہ حکمت ہے کہ سب اشکال میں شکل مستدیر یعنی گول شکل میں سمائی کے لحاظ سے بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ نیز شہد کی مکھیوں کی اپنی شکل بھی گول گول لمبوتری سی ہے اس لئے اگر وہ اپنے خانے مربع شکل کے بناتے تو ان کے کونے فضول طور پر خالی رہتے۔ گول خانے بنانے میں یہ خرابی ہے کہ ان کے باہر کی جانب خانوں کے درمیان فضول جگہ باقی بچتی ہے۔ مسدس شکل میں یہ خوبی ہے کہ وہ شہد کی مکھیوں کے جسم کے موافق ہے (کیونکہ مسدس شکل بھی تقریباً شکل مستدیر ہی خیال کی جاتی ہے۔) اور خانے باہم اسطرح پیوستہ ہوتے ہیں کہ کوئی جگہ خالی باقی نہیں رہتی۔ الغرض ان حقیر مکھیوں کے چھتے کا نظام ایک مضبوط حسابی اصول اور میزان عدل پر قائم ہونے کے لحاظ سے چھوٹے پیمانہ پر زمین و آسمان کے نظام کا نمونہ اور مثال ہے۔ اس قسم کا میزان تمام دنیا کی کائنات میں عموماً اور چھوٹے بڑے حیوانات میں خصوصاً جاری و ساری ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى = خدائے بزرگ اور برتر کی صفات کو تمام عیوب اور نقائص سے پاک اور مبرا سمجھو جس نے (تمام کائنات عالم کو) پیدا کیا - ان کے لئے ہر طرح کا سامان درست کیا - اور یہ خدا وہی تو ہے جس نے (ہر قسم کے اسباب اور وسائل) مقدر فرما کر پھر ان کی طرف رہنمائی کی" یعنی جس جس حیوان کو جس طرز پر زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا اسی کے موافق اسباب اور ذرائع اس کے لئے مہیا کئے - اور اسکو ہدایت فرمائی کہ کس طرح وہ اُن اسباب اور وسائل کو استعمال میں لائے - زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر تک سے یہ نکتہ پوشیدہ نہیں رہا - چنانچہ اس کے یہ اشعار اس پر دلالت کرتے ہیں ؎ سقے اللہ ارضاً یعلم الضب انها بعید عن الآفات طیبۃ البقل - بنے بیتہ فیہا علی راس کدیۃ + وکل امرء فی حرفۃ العیش ذو عقل یعنی گوہ بھی جانتی ہے کہ کہاں اس کو اپنا گھر بنانا چاہئے جہاں وہ ہر قسم کے آفات سے محفوظ رہے - بات یہ ہے کہ اپنے طرز پر زندگی بسر کرنے کی سمجھ ہر ایک کو عطا کی گئی ہے" مصنف علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ہم اس مقام کو اپنی مجوزہ تصنیف میزان الجواہر میں زیادہ وضاحت سے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالےٰ ابراہیم نے کہا اور شہد کی اصلیت اس آیت شریف میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا - يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ تمہارے رب نے شہد کی مکھیوں کو الہام کیا کہ تم پہاڑوں اور درختوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے چھپروں میں اپنے گھر بناؤ - پھر جا کر ہر قسم کے میوے کھاؤ (انکا رس چوسو)

اور اپنے رب کے (بتائے ہوئے) راستوں پر آزادانہ آمدورفت کرو۔ انہی مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگ کا شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے تندرستی ہے اور شفاء ہے۔ بے شک جو لوگ غور اور فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے"

اس آیت میں آنحضرت صلعم کو مخاطب فرمایا ہے بلکہ ہر ایک شخص جو عقل سلیم رکھتا ہے اس کا مخاطب ہے۔ جو شہد کی مکھی کی صنعت اور اس کے چھتے کا نظام دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ۔ اسکی عظمت اور اسکی رحمت اور حکمت پر استدلال کرتا ہے۔ جس نے ایک حقیر مخلوق کو ایسا زبردست نظام قائم کرنے کی تلقین فرمائی۔ کس طرح تمام مکھیاں ایک ہی ملکہ کے تابع حکم ہوتی ہیں اور کس طرح انھوں نے آپس میں تقسیم عمل کیا ہے۔ چنانچہ ملکہ انڈے دینے کے لئے مخصوص ہے۔ تین ہفتوں میں وہ چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ بعض مکھیوں کی حیثیت عمّال کی ہے (یہ وہ مکھیاں ہیں جن میں نر مادہ کی تمیز نہیں)۔ پورے چھتے میں بیس ہزار سے تیس ہزار تک عمّال ہوتے ہیں۔ انہی میں سے بعض دربان کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ اپنے چھتے کی مکھیوں کے سوا دوسروں کو آنے نہیں دیتے۔ بعض کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ انڈوں کی غور پرداخت کریں یا چھوٹے بچّوں کی تربیت کریں یا چھتے کی تعمیر اور مرمت کا کام انجام دیں۔ بعض ان میں سے موم کے لئے مادہ جمع کرتی ہیں اور بعض ان میں پھولوں کا رس چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں شہد کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کو وہ چھتے میں پہونچ کر اُگل دیتی ہیں یہی شہد ان کے بچّوں کی غذا ہے (جس پر انسان دست درازی کر کے اس کو اپنا لیتا ہے)، شہد کی مکھیوں کی ہر ایک جماعت جس کام کے لئے مقرر ہے اس کو نہایت تن دہی کے ساتھ بجا لاتی ہے۔ ان سب کو ملکہ ہی کی

احکام ملتے ہیں اور وہ اُن کی پابندی میں جان وتن سے دریغ نہیں کرتے۔ اس ملکہ کو عربی زبان میں یعسوب کہتے ہیں اور عام لوگ اس کو اُمّ النحل کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کا جسم سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اسکی طبیعت حد درجہ کی صفائی پسند اور نفاست پسند ہے۔ اسکی رعایا میں سے اگر کوئی نجاست پر بیٹھ جائے تو فوراً اس کو قتل کردیا جاتا ہے اس کے حاملہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ جب اسکے حمل کا زمانہ آتا ہے تو وہ چھتے سے نکل کر ہوا میں پرواز کرتی ہے اور کسی دوسرے چھتے کی نر مکھی کو اپنا شوہر بناتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ خود اسکے چھتے میں سینکڑوں نر موجود ہوتے ہیں لیکن ان کی ملکہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنا شوہر بنا لینا وہ اپنی شان ملوکیت کے خلاف سمجھتی ہے۔ جو نر مکھیاں چھتے میں ہوتی ہیں ان کو ملکہ کے حاملہ ہونے کے بعد بے کاری کی وجہ سے قتل کردیا جاتا ہے تاکہ وہ بے ضرورت جگہ کی تنگی کا باعث نہ ہوں اور شہد کی بربادی کا موجب نہ ثابت ہوں۔ شہد کی مکھیوں کا یہ عمل قدماء مصریین کے بادشاہوں کے عمل سے مشابہ ہے چنانچہ ان کا قانون یہ تھا کہ قوم کے بے کار اور بے عمل افراد کو زندہ نہ رکھا جائے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ باری تعالیٰ نے الہام کے طور پر ملکہ کے دل میں یہ خیال راسخ کردیا ہے کہ اپنی رعیت میں سے کسی کو زوجیت کے لئے انتخاب کرنا اس کے شان ملوکیّت کے خلاف ہے۔ اس کی مثال شرع اسلامی میں یہ ہے کہ کسی غلام کا اپنی مالکہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اندریں صورت بیوی اپنی مالکیت شان برقرار رکھنے کے لئے حکمراں بننا چاہے گی۔ اور غلام یہ خیال کرکے کہ بفحوائے الرجال قوامون علی النساء شوہر کو تفوق حاصل ہے اپنی حکومت جتائیگا۔ اس سے نظام منزل میں یقیناً خلل پیدا ہوگا۔ اس لئے اس کا انسداد ضروری تھا۔ غور کا مقام ہے کہ ملکۂ شہد

کو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے کوئی خاص حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ اپنی فطرت سے اس کو پسند نہیں کرتی اور اس سے احتراز کرتی ہے لیکن انسان ظلوم وجہول ہونے کی وجہ سے خواب غفلت میں پڑا ہوا ہے لہذا اس کو تنبیہ دینے اور خبردار کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس قسم کے واقعات کو دیکھ کر ہمارے استاد شیخ حسین مرصفی فرمایا کرتے تھے کہ حیوان جہاں سے شروع کرتا ہے انسان کے لئے وہ انتہائی ترقی کی منزل ہے قسم بخدا! یہ بھی جائے عبرت ہے کہ شہد کی نر مکھیوں کو جو کسی قسم کے فرائض انجام نہیں دیتے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ سبق اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خالق عزّوجل نے کسی چیز کو عبث اور بغیر کسی حکمت کے پیدا نہیں کیا۔ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ ہم نے زمین اور آسمان کی کائنات اور ان کی درمیانی اشیاء کو ایسے ویسے پیدا نہیں کیا۔ ان کا پیدا کرنا حق اور حکمت پر مبنی ہے" تعجب ہے کہ انسان اس قسم کی حقیر مخلوق میں اس قسم کے عجائبات مشاہدہ کرتا ہے پھر بھی ان سے عبرت نہیں لیتا۔ اپنے اعضاء اور حواس اور دیگر عطایائے شریفہ کو جو قدرت نے اس کو بخشی ہیں مہمل اور بیکار چھوڑ دیتا ہے بلکہ الٹا ان کو برے کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک چونکہ اس حقیر مخلوق یعنی شہد کی مکھی سے ایسے ایسے عجیب و غریب کارنامے ظہور میں آتے ہیں جو کمال عقل اور فہم کا نتیجہ ہو سکتا ہے اس لئے اس فطری تلقین کو الہام اور وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ۔ شہد کی مکھیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وحشی جو پہاڑ کی کھوؤں اور درختوں کے کھوکھلے تنوں میں رہتی ہیں۔ دوسری قسم اہلی یعنی پالتو شہد کی مکھیاں ہیں جن کے لئے لوگ چھتے بناتے اور ان چھتوں میں ان کی پرورش کرتے ہیں۔ آیت کریمہ میں جو پہلے لکھی جا چکی ہے انہی دو اقسام کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے شہد کی مکھیوں سے ایک اور بڑا کام لیتا ہے جس کو وہ غالبًا نا دانستہ طور پر انجام دیتی ہیں۔ اگرچہ نباتات کی ہزاروں بلکہ لاکھوں مختلف قسمیں ہیں لیکن سب انواع و اقسام میں نر اور مادہ کا فرق موجود ہے۔ ان میں بھی حیوانات کی طرح نر اور مادہ کے اختلاط سے توالد و تناسل ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ جانتے ہیں کہ کھجور کے درخت بعض نر اور بعض مادہ ہوتے ہیں اور جب تک مادہ درخت میں نر درخت کا پیوند نہ لگایا جائے وہ پھل نہیں دیتا۔ باقی نباتات میں اگرچہ نر اور مادہ کا فرق اسطرح نمایاں نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک پودا اور ہر ایک درخت تلقیح کا محتاج ہے یعنی یہ کہ اس کے مذکر کا مادۂ تولید اس کے مؤنث کے مادۂ تولید سے جب تک نہ ملے تب تک اس کا پھل لانا اور اس کی نسل کا آگے بڑھنا ناممکن ہے اب اس تلقیح کے طریقے مختلف ہیں لیکن ایک بڑا حصہ اس تلقیح کا شہد کی مکھیوں کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے۔ شہد ہی کی مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ لانے کے لئے اکثر پودوں اور درختوں میں خوبصورت اور خوشبودار پھول لگتے ہیں جن کے خوشنما رنگ اور تیز خوشبو کی کشش اور رہنمائی سے یہ مکھیاں وہاں پہونچ جاتی ہیں۔ ان پھولوں کا میٹھا میٹھا رس ان کے شہد کا مواد ہے جس کے طلب میں وہ دور دراز سفر کرتی ہیں اب یہاں پر اپنے تمام مطالب کو یکجا دیکھ کر وہ بے اختیار ان پھولوں کی طرف کھینچ کر چلی آتی ہیں اور جب اس کا رس چوس کر اڑنے لگتی ہیں تو اس پھول کا دقیق غبار (مادۂ تولید) ان کے ننھے ننھے پاؤں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور جب یہ مکھیاں اسی قسم کے دوسرے پھول پر جا کر بیٹھتی ہیں تو وہ غبار ان کے پاؤں سے جھڑ کر دوسرے پھول کے غبار سے (جو پہلے غبار سے ذکورت اور انوثت میں مختلف ہوتا ہے) مل جاتا ہے۔ اور اسطرح تلقیح کا عمل (بغیر اس کے کہ ایک پودا یا درخت دوسرے کے پاس جائے)

انجام پاتا ہے۔ یہ سارا عمل ایسے طریق پر انجام پاتا ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔
۔۔ ۔۔ کہ شہد کی مکھیوں کو خبر تک نہیں ہوتی ۔ وہ تو اپنے اور اپنے بچوں کی غذا کے لئے
ماری ماری پھرتی ہیں اور ادھر اس کے ضمن میں قدرت کا ایک اور بڑا کام انجام پایا
ہوتا ہے ۔ یہ سب خالق عالم مدبر کائنات کا حُسن نظام ہے کہ حیوانات اور دیگر اشیاء
کو حتی کہ خود انسانوں کو ایک دوسرے کا مسخر کر رکھا ہے ۔ ہر ایک اپنے خیال میں اپنی ہی
اغراض پوری کرنے کے لئے جدو جہد کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف پہلوؤں سے
وہ دوسروں کے اغراض اور مطالب کو انجام دے رہا ہوتا ہے ۔ باری تعالیٰ کے ان عجیب و
غریب نظامات کو دیکھ کر ہمیں سبق لینا چاہئے ۔ ہمیں اپنے رب کے لئے جس نے یہ تمام عجیب
کائنات پیدا کی اپنے میں خلوص پیدا کرنا چاہئے ۔ ہمارے شایانِ شان نہیں کہ ہم
حیوان لایعقل کی طرح علم اور احساس کے بغیر دوسروں کے مسخر ہوں ۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے
ہی علم اور ارادہ سے دوسروں کو فائدہ پہونچائیں اور اضطرار سے نہیں بلکہ اختیار سے
اپنی زندگی ان کے فائدہ کے لئے وقف کردیں ۔ ورنہ ہم میں اور حیوان یا جماد میں فرق
کیا ہوا ۔ چونکہ شہد کی مکھیوں سے مفصلہ بالا اعمال جلیلہ ظہور میں آتے ہیں ۔ ۔ ۔
اس لئے اس کا ذکر کلام مجید میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ثُمَّ كُلِي
مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا = ہر قسم کے میووں سے کھاؤ اور اپنے رب
کے راستوں پر بغیر کسی کلفت کے چلو ۔ یعنی جہاں بھی جانا چاہو کوئی تم کو روکنے والا نہیں ہوگا
اور جس پھول کا بھی رس چوسنا چاہو تمہیں اس میں کوئی دقت اور تکلیف پیش نہیں
آئے گی ۔ اور جس طرح پھول کی مختلف قسمیں ہیں اسی طرح شہد کے بھی جداگانہ اقسام
ہیں ۔ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ ۔ آیت کے آخری حصہ میں اس کو

شفا ر بنا یا ہے کیونکہ بہت سے امراض کے لئے براہ راست اور بعض دوسرے امراض کے لئے بالواسطہ شفار کا باعث ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ کہہ کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسی باتوں پر غور کرتے ہیں وہ باری تعالیٰ کی عظمت اور حکمت اور دیگر صفات عالیہ کے نشان اس میں پاتے ہیں کہ ایک حقیر مخلوق کو اتنے عجائبات کا مظہر بنایا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

خاتون نے کہا آپ کے کلام میں اس بات کا ذکر ہے کہ نباتات میں بھی ذکورت اور انوثت یعنی نر مادہ کی تمیز پائی جاتی ہے۔ یہ مقام کسی قدر دقیق ہے اس لئے اس کی توضیح کرنا مناسب ہوگا۔ ابراہیم نے کہا بے شک سب نباتات میں تذکیر و تانیث موجود ہے اور جب تک دو نو قسم کے مادۂ تولید کا ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط اور امتزاج عمل میں نہ آئے قطعاً پھل نہیں لگتا۔ لیکن نباتات کی قسمیں مختلف ہیں۔ بعض پودوں میں تذکیر و تانیث دونوں قسم کے اعضا ر ایک ہی پودے میں ہوتے ہیں۔ اکثر نباتات اسی قسم کے ہیں۔ اس قسم کے پودوں میں اعضاء تذکیر و تانیث کے آپس میں ملنے اور ہر دو مادہ تولید کے باہمی امتزاج میں کوئی شکل پیش نہیں آتی۔ برخلاف اس کے بعض پودوں میں صرف تذکیر کے اعضا ہوتے ہیں۔ اور بعض میں صرف تانیث کے اعضا ہوتے ہیں اس قسم کے پودوں کے لئے کوئی ایسا درمیانی ذریعہ ضروری ہے جو مذکر پودے کے مادہ تولید کو اپنی جگہ سے اٹھا کر مونث پودہ کے مادۂ تولید کے پاس لے جائے تاکہ دونو میں مواصلت ہو کر افزائش نسل کا سبب قرار پائے۔ رہ یہ ذریعہ مختلف ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں حشرات یہ فرض انجام دیتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی۔ تیتلی وغیرہ۔ بعض صورتوں میں ہوا ایک قسم کے مادۂ تولید کو اڑا کر دوسرے قسم کے مادۂ تولید کے پاس لے جاتی ہے اور ان کے

وصل کا سامان کرتی ہے) جن نباتات کی تلقیح (اس لفظ کی تشریح ہو چکی ہے) حشرات کے ذریعہ ہوتی ہے ان کے اعضاء تذکیر و تانیث کو قدرت نے خوبصورت اور خوشبودار پھولوں میں چھپا کر محفوظ کیا ہے (تاکہ ان کا رنگ و بو حشرات کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہو) اسکو علماء نباتیین کی اصطلاح میں تُوَیج کہتے ہیں (تاج کی تصغیر ہے) اس کے باہر کی طرف اسکی مزید حفاظت کے لئے ایک سبز رنگ کا خول ہوتا ہے جس کو علماء نبات کاس (پیالہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس طرح خدائے عزیز و حکیم نے نباتات کی بقاء نوع کے لئے یہ نظام مقرر کر رکھا ہے۔ پھولوں میں علاوہ اس کے کہ وہ تلقیح کا ذریعہ ہیں اور کئی فوائد عظیمہ ہیں۔ چنانچہ ان کی خوبصورتی اور خوشبو آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرتی ہے۔ بعض میں طبی فوائد ہیں مثلاً گل بابونہ اور گل بنفشہ وغیرہ۔ بعض پھول سے عطر کشید کیا جاتا ہے مثلاً گلاب اور نارنگی کے پھول وغیرہ۔ بعض پھول رنگنے کے کام آتے ہیں جیسے ببول اور قرطم کے پھول۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جب اعضاء تذکیر و تانیث الگ الگ پودوں میں ہوں تو ان کی تلقیح مختلف ذرائع سے ہوتی ہے مثلاً حشرات۔ ہوا اور پانی۔ انسان یا حیوان۔ پانی بھی بعض اوقات تلقیح کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ کنول کا پھول پانی ہی کے ذریعہ تلقیح پاتا ہے۔ انسان کا عمل تلقیح کھجور کے درختوں میں ظاہراً دیکھا جا سکتا ہے۔ مکئی جوار اور ارنڈ کی تلقیح تو کرشمہ قدرت ہے۔ چنانچہ مکئی جوار کے ہر ایک ٹانٹے کے اوپر کے سرے پر اعضاء تذکیر ہوتے ہیں جن کا غبار دقیق (طلع) اعضاء تانیث پر گرتا رہتا ہے جو اسی ٹانٹے کے نچلے حصہ پر ہوتے ہیں۔ اس کا نام اہل مصر کے نزدیک "کوز" ہے۔

اعضاء تذکیر و تانیث کا اتصال سُرخ یا سفید رنگ دھاگے کی طرح باریک

ریشوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے جس کو اہل مصر "شُراَبہ" کہتے ہیں۔ ڈانٹے کا اوپر کا حصہ جس میں اعضاء تذکیر ہوتے ہیں اہل مصر اسکو کذاب (جھوٹا) کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انھوں نے دیکھا کہ اس حصّہ میں پھول تو ہوتے ہیں لیکن کوئی خوشہ نہیں لگتا اس لئے انھوں نے اس کو جھوٹے کے نام سے موسوم کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دراصل پھل لگنے یعنی خوشہ کے تکوّن کا باعث انہی پھولوں کا غبار ہے اور یہ پھول ان خوشوں کے لئے بجائے باپ کے ہیں۔ اس کو ہم تجربہ سے اس طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ اگر اوپر والے پھولوں کو خوشہ لگنے سے پہلے کاٹ دیا جائے تو خوشہ پیدا نہیں ہوگا۔ نچلے حصہ کا بارآور ہونا اس طرح اوپر کے حصّہ پر منحصر ہے جس طرح زمین کی کائنات یعنی حیوانات اور نباتات وغیرہ کو آسمان سے فیض پہونچتا ہے۔ حکمتِ خداوندی کا یہ ایک عام قانون ہے جو تمام موجودات میں جاری وساری ہے۔ اعلیٰ کو اسفل پر شرف حاصل ہے اور اعلیٰ ہی سے اسفل فوائد حاصل کرتا ہے۔ ارنڈ کے درخت میں اگرچہ اعضاء تانیث اوپر ہوتے ہیں اور اعضاء تذکیر نیچے تاہم تلقیح کے وقت اعضاء تانیث جھک کر اعضاء تذکیر کے نیچے ہو جاتے ہیں (گویا قدرت ہم کو مشاہدہ کے طور پر یہ بتانا چاہتی ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ) حشرات کے ذریعہ تلقیح کا حال پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اس ضمن میں یہ کہا گیا تھا کہ پھولوں میں رنگ و بو ہونے کی یہ حکمت ہے کہ حشرات خوشی خوشی ان کی طرف چلے آئیں۔ انسان کے طبقہ اناث میں بھی حسن وجمال کا ہونا اسی حکمت پر مبنی ہے تاکہ توالد اور تناسل کا نظام ایسے طریق پر انجام پائے کہ انسان کو بجائے تکلیف محسوس ہونا تو کجا الٹا یہ عمل اس کی لذت اور لطف اندوزی کا باعث ہو۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ جن پودوں کی تلقیح ہوا وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے ان کے پھول بالکل سادہ ہوتے ہیں کیونکہ بغیر کسی غرض

اور بغیر ضرورت کے کسی چیز کا پیدا کرنا تقاضائے حکمت نہیں۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ
یہ ممکن نہیں کہ ہم نے اپنی مخلوق کو یونہی بے خبری میں پیدا کر دیا ہو" (نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز
کو علم و حکمت کے ساتھ پیدا کیا)۔

خاتون نے کہا۔ آپ نے انسان کے طبقۂ اناث میں حسن و جمال کا ذکر کر کے میرے
دل میں ایک شبہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ بقاء نوع یا بالفاظ دیگر توالد تناسل کی محبت
ذکور اور اناث دونوں میں برابر ہے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو حسن و جمال
کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا۔ برعکس اس کے مرغیوں میں مرغ کو یہ مزیت عطا کی گئی
ابراہیم نے کہا عورتوں میں خواہش نفسانی کا جذبہ مردوں کے مقابلہ میں زائد ہے اور مرد
اکثر دنیاوی دھندوں اور دیگر مشاغل میں ضرورت سے زیادہ مصروف رہتا ہے۔ اس
لئے ممکن ہے کہ اگر صنفِ نازک میں خاص کشش نہ ہوتی تو وہ ادھر بہت کم توجہ کرتا۔ مرغیوں
میں معاملہ برعکس ہے۔ اس لئے مرغ کو حسن و جمال کا مظہر پیدا کیا تاکہ مرغی میں اس کی
جانب کشش پیدا ہو۔ ابراہیم ابھی کچھ اور کہنے کو تھا کہ نیک دل خاتون طبعاً ان باتوں کے
درمیان میں آنے سے شرما گئی اور ابراہیم بھی اس بات کو محسوس کر کے چپ ہو گیا۔ تھوڑی دیر
خاموش رہ کر کہا معزز خاتون! یہ ایک علمی بحث ہے۔ اور اس کے ہر ایک پہلو پر غور کرنا
اور اسکی تحقیق کرنا تحقیقِ علمی کا تقاضا ہے ہم اس وقت عجائباتِ قدرت کے موضوع پر
گفتگو کر رہے ہیں جو ایک نہایت اہم موضوع ہے۔ رسول خدا صلعم فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ
کی مخلوقات پر غور کیا کرو۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو فکر کا موضوع نہ بناؤ"
ایک ماثور روایت ہے کہ ایک گھڑی غور اور فکر میں بسر کرنا سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے"
امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ اگر آدمی غور و فکر سے موہنہ موڑے اور خواہشات

نفسانی اور لذاتِ شہوانی کے درپئے ہو کر اپنی خیالات اور تفکرات میں منہمک رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ ہلاکت اور شقاوت کے عمیق گڑھے میں گر جائے گا۔ اور پھر اپنے گنوائے ہوئے وقتِ عزیز پر متاسف ہو گا لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت اللہ تعالیٰ نے جس کی چشم بصیرت کھولی ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے تمام اوقات فرصت کو عجائباتِ قدرت پر غور کرنے میں صرف کرے۔ کلام مجید میں بار بار اسی بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے ارشاد ہے کہ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ـ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ = ہم نے ہر ایک چیز کو جوڑہ جوڑہ پیدا کیا تاکہ تم ان باتوں کو دیکھ کر عبرت لو۔ پھر تم کو بھاگ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جانا چاہیئے" آخری فقرہ میں ایک نکتہ ہے جس کو راسخین فی العلم ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ محسوس لذّات کے بعد ان کے اوپر اور ان سے بالاتر اور بھی نعمتیں ہیں۔ جو جاہل ہیں ان کا منتہائے نظر تو بس یہی محسوس اور رفانی خوشیاں ہیں لیکن اہل علم و معرفت کا نصب العین اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔ یہ لوگ جمال حقیقی کے طالب ہوتے ہیں اور روحانی معارف کے حصول میں وہ خوشی اور لطف پاتے ہیں جس کا ایک کم مایہ جاہل تصور ہی نہیں کر سکتا ؎ ذوق ایں مئی نہ شناسی بخدا تا نہ چشی۔ اس آیۃ کریمہ میں تم نے دیکھ لیا کہ کائنات عالم پر غور کرنے کی جانب توجہ دلا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہیں تک اپنی نظر کو محدود نہ رکھو بلکہ مخلوق سے خالق کی طرف جاؤ اور صنعت کا جمال دیکھ کر خالقِ جمال کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ بی بی عائشہ کی حدیث تم نے پہلے پڑھی ہے جس کا ملخّص یہ ہے کہ مجھ کو اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہونے دو" ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ ایک خوشبو۔ دوسرے عورت، اور میری آنکھوں کی خنکی نماز میں ہے" اس مقام کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ نکتہ کسی اور کتاب میں میری نظر

سے نہیں گذرا۔ دوسری جگہ کلام مجید میں ارشاد ہوا ہے۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ = کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمانوں میں اور زمین میں اُسی کا کامل تصرف ہے۔ اور جو کائنات اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہے اس کو بھی تو نظر غور سے دیکھنا چاہئے تھا" نظر کا لفظ جو اس آیت میں استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد صرف آنکھ سے دیکھنا نہیں۔ کیونکہ آنکھ سے دیکھ لینا تو کتّے بلّی اور حیوانِ لایعقل کو بھی میسّر ہے۔ تو پھر ان میں اور اشرف المخلوقات میں فرق کیا ہوا؟ بلکہ استعداد کے ہوتے ہوئے فقط نظر پر اکتفاء کرنا اور عالم ملک و ملکوت کے حقائق اور دقائق پر غور نہ کرنا تو آدمی کو حیوان سے بھی گھٹیا بنا دیتا ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ = ان لوگوں کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں۔ آنکھیں ہیں اُن سے دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں جن کے ذریعہ وہ کچھ سُنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں" غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ کسی نے عبداللہ بن مبارک سے پوچھا۔ انسان کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا علماء۔ پھر سوال کیا بادشاہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا تارکانِ دنیا۔ اُس نے کہا کمینہ کس کو کہتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا جس نے دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہو" ابن مبارک نے غیر عالم کو انسانیت سے اس لئے محروم کیا کہ ان کی امتیازی خصوصیّت (جو اس کو دوسرے حیوانات سے تمیّز کرتی ہے) علم اور معرفت ہے۔ اس کا اشرف المخلوقات ہونا اسی کی بدولت ہے۔ اسکی شرافت اگر طاقت کی بناء پر ہوتی تو اونٹ اس سے طاقتور تھا۔ جسامت کا لحاظ ہو تو ہاتھی اس سے بہت بڑا ہے۔ اگر بہادری کو معیار قرار دیا جائے تو شیر اور بھیڑیا بہادری میں اس سے بڑھ کر ہیں۔ کھانے پینے میں گائے بیل کو اس پر فوقیت حاصل ہے اور

شہوت رانی میں تو ایک معمولی چڑیا سے بھی وہ بازی نہیں لے جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسکی شرافت علم سے ہے۔ حضرت علیؓ کیا خوب فرماتے ہیں ؎ ما الفضل الا لاھل العلم انھم، علی الھدیٰ لمن استھدیٰ ادلاّء = سب خوبیاں اہل علم ہی کے لئے ہیں۔ بے شک وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور جو ہدایت کا طالب ہو وہ اس کے لئے مشعل ہدایت ہیں۔ ففز بعلم تعش حیاً بہ ابداً۔ فالناس موتیٰ واھل العلم احیاءٗ = علم حاصل کر جس سے تم کو حیات جاودانی حاصل ہو گی۔ لوگ تو سب مردہ ہیں لیکن اہل علم زندہ ہیں۔

نویں فصل

(کائنات پر غور کرنا اعلیٰ ترین لذت ہے)

(اسی کے ضمن میں خوبصورتی کا فلسفہ اور چند ایک ادبی لطیفے ہوں گے)

اس کے بعد ابراہیم اسطرح گویا ہوا۔ آیت بالا میں نظر سے مراد غور اور تفکر ہے ہر ایک چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی جائے اور ہر ایک بات کی لمیت یعنی اسکی حکمت اور اس کا فلسفہ دریافت کیا جائے۔ اسی سے دنیا ترقی کرتی ہے اور اسی سے آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلعم اپنی دعا میں کہا کرتے تھے اللھم ارنا الاشیاء کما ھی = اے ہمارے خدا ہمیں چیزوں کی حقیقت سے آگاہی بخش تاکہ ہم ان کو اسی نظر سے دیکھیں جیسی کہ وہ ہیں" انسان جتنا بھی کائنات پر غور کرتا ہے اسکی ہدایت بڑھتی اور اسکی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس نظر سے محروم ہے وہ آخرت کی شقاوت سے قطع نظر کرکے اس دنیا میں بھی حقیقی لذت اور اصلی لطف اور مسرت سے

محروم ہے۔ اسکی مثال ایک ایسی چیونٹی کی ہے جس نے شاہی محل میں اپنی بِل یعنی سوراخ بنا رکھا ہے۔ محل میں بہتر سے بہتر اعلیٰ قسم کا سامان (فرنیچر) موجود ہے اور ہر ایک طرح کی نفیس اشیاء وہاں پائی جاتی ہیں۔ حوروش غلمان اور پری پیکر لونڈیاں اس میں خدمت کے لئے کمر بستہ کھڑی رہتی ہیں لیکن جب وہ چیونٹی اپنے بِل سے نکل کر اپنی کسی سہیلی سے ملاقی ہوتی اور ان میں گفتگو ہوتی ہے تو تم خود خیال کرو کہ وہ کس موضوع پر بحث کریں گی۔ ان کی بحث اپنے سوراخ اور ان حقیر اشیاء تک جو اس سوراخ میں ہیں یا جو ان کی غذا سے تعلق رکھتی ہیں محدود ہوگی۔ بادشاہ کے عالیشان محل اور اسکے سامان آرائش اور اس کے سکّان کی بابت چونکہ ان کو کچھ علم نہیں اس لئے وہ ان اشیاء پر بحث کر سکتی ہی نہیں۔ بعینہٖ جیسے کہ چیونٹی شاہی محل اور اس کے متعلقات سے محض بے خبر ہے اسی طرح وہ شخص جس کا منتہائے نظر کھانا پینا اور سو جانا ہے یا زیادہ سے زیادہ خواہشات نفسانی کا پورا کرنا ہے زمین و آسمان اور عالم ملک و ملکوت کے حقائق اور دقائق سے جاہل ہے۔ ہاں ایک فرق ضرور ہے۔ وہ یہ کہ چیونٹی میں ان باتوں کے سمجھنے کی استعداد نہیں۔ برخلاف اس کے انسان کو یہ استعداد دی گئی ہے کہ وہ تمام کائنات کے حقائق کا اپنی بساط کے موافق علم حاصل کر سکتا ہے۔ خاتون نے کہا۔ آپ کہتے ہیں کہ جو شخص اس قسم کی نظر سے محروم ہے وہ زندگی کی حقیقی مسرّت حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مالدار لوگ اپنی عیاشی میں مگن ہیں۔ صنّاع اپنی اپنی صنعتوں پر نازاں اور خوش ہیں۔ سوداگروں کو تجارت میں لطف حاصل ہو رہا ہے کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ ابراہیم نے کہا لذّات کے مراتب مختلف ہیں۔ لڑکوں کو گیند کھیلنے میں مزہ آتا ہے۔ اور جب وہ کھیل میں مشغول ہوں تو وہ سکندر اور دارا کی سلطنت پر لات مارنے کو تیار ہوتے ہیں۔ انکے

نزدیک طلبِ ملک و مال اور تحصیل علم و فن ایک بے حقیقت اور بے معنی چیز ہے۔ باایں ہمہ ایک عقلمند اور سمجھ دار آدمی جانتا ہے کہ یہ ان کی کوتہ فہمی اور جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ کجا لہو ولعب اور کجا سلطنت اور حکمرانی اور علوم و فنون کے کمالات کی تحصیل۔ اسی طرح یہ لوگ جن کا تم نے مثال کے طور پر ذکر کیا اہل معرفت کے نزدیک لڑکوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ایک سمجھ دار عاقل بالغ جانتا ہے کہ لڑکوں کی یہ ذہنیت ان کی محدود معلومات اور غیر ترقی یافتہ جذبات کا نتیجہ ہے کہ وہ کھیل کود کو دوسرے مطالب عالیہ مثلاً مال و دولت۔ جائداد۔ مراتب و مناصب اور حکومت کے حصول پر راجح سمجھتے ہیں اسی طرح علماء ربانیین کے مقابلہ میں ان اغنیاء۔ تجار۔ حکام۔ ارباب مناصب۔ اور ملوک کا اپنے اپنے مشاغل میں مگن رہنا اور اسی کو مقصد زندگی یا منتہائے آمال خیال کرنا طفلانہ ذہنیت ہے اور جہالت۔ یہ گرفتارانِ ہوا و ہوس حقائقِ ملک اور ملکوت کے علم و معرفت کی لذت کو کیا سمجھیں ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است　　　زمیں و آسمان او ہمان است

اگر گبریلا طبعی میلان کی بنا پر اپنے ہی صنفِ نازک کے کسی فرد پر فریفتہ ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ دنیا میں حسن و جمال کی کمی ہے۔ یہ اسکی اپنی تنگ خیالی اور بدمزاقی ہے اور اگر اس کے سامنے نوعِ انسانی کی کسی محبوبۂ دلربا نازک ادا کا ذکر کیا جائے تو وہ اس کو سن کر اظہار حقارت کرتا ہے اور اپنے زعم فاسد میں اپنی ہی گبریلی کو حوران جنت سے کچھ اوپر سمجھتا ہے۔ اگر اس کے سامنے سے جہالت کا یہ پردہ ہٹا دیا جائے اور اسکی ذہنیت اسی کے مطابق بدل دی جائے تو ممکن نہیں کہ وہ اپنی غلطی محسوس کر کے اس پر متاسف نہ ہو پھر تو وہ اس کو بھی اپنی سعادت سمجھے گا کہ کسی قالین کے ایک کونے کے نیچے دبک کر پڑا رہے

تاکہ نوع انسانی کے پری جمال مہ وشوں کے دیدار سے وقتاً فوقتاً اپنی آنکھوں کو منور کرتا رہے
ابراہیم کا اپنی تقریر میں اس قسم کی مثال دینے سے یہ مقصد تھا کہ اُس معزز خاتون
کو اپنے سے مانوس کرے۔ چنانچہ وہ اپنے اس مطلب میں کامیاب ہوا اور اس نے اپنے سلسلہ تقریر
کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور حیوان یہاں تک کہ پھولوں میں بھی خوبصورتی
کا پیدا کرنا عبث نہیں کسی حکمت پر مبنی ہے۔ بالتشبیہ حکیم مطلق نے نوع انسانی کے ساتھ وہی
برتاؤ فرمایا ہے جو ایک عقلمند باپ اپنے نادان بچے سے کرتا ہے۔ وہ اپنے بچے کو خوش کرنے کے
لئے اس کے مذاق کے مطابق انواع واقسام کے میوے مٹھائیاں اور منقش رنگدار کپڑے
اس کو دیتا ہے اور کھیل کود سے اس کو نہیں روکتا۔ تاکہ وہ اس طرح خوش رہ کر تعلیم حاصل
کرے۔ باپ کے پیش نظر یہ نہیں ہوتا کہ اس کا عزیز بیٹا ان چیزوں میں ریجھ جائے بلکہ
وہ یہ چاہتا ہے کہ جب ایک بڑی حد تک اسکی خواہشات پوری کی جائیں گی تو وہ تحصیل
علم کی تکلیف برداشت کرنے پر ایک بڑی حد تک بخوشی آمادہ ہوگا۔ اصل مقصد جو اسکے
پیش نظر ہوتا ہے وہ تحصیل علم وکمال ہے۔ اسی طرح خالق تعالےٰ نے حسن وجمال اس لئے
پیدا کیا کہ نوع انسانی کے ہر دو صنف کو ایک دوسرے کی طرف میلان ہو جس کا نتیجہ باہمی
الفت اور محبت ہوگا اور جس سے کہ مقصود توالد وتناسل اور بقاء نوع ہے (جیسے کہ پہلے
یہ بحث ہو چکی ہے۔ کلام مجید کی یہ آیت وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً = اس کی
نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ایک دوسرے پر
مہربان رہنے کا تعلق قائم کیا" اسی حقیقت کا اشارہ ہے)۔ باپ اپنے بچے کو میوہ خروشا
دے کر اس کو تعلیم حاصل کرنے پر مائل کرتا ہے۔ اسی طرح خالق تعالےٰ نے حسن وجمال کو باہمی
اُلفت اور محبت کا ذریعہ بنایا تاکہ زوجین کے اتصال سے نسل انسانی بڑھے اور نوع انسانی

قیامت تک باقی رہے جس سے نظام دنیا کا قائم رکھنا مقصود ہے۔ حیوانات میں تو اس باہمی کشش کو یہاں تک محدود رکھا گیا ہے کہ سال میں چند روز ایسے ہوتے ہیں جبکہ نرحیوانات اپنی مادہ کی طرف مائل ہوتے اور جفتی کرتے ہیں اور جب مادہ کا حمل ٹھہر جاتا ہے تو پھر سال بھر کے لئے نر اور مادہ ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہوجاتے ہیں۔ اس خاتون نے کہا لیکن انسان میں یہ اُلفت اور یہ میلان ہر وقت موجود رہتا ہے اس میں کونسی حکمت ہے؟ اگر اسکی غرض بقائے نسل ہے تو اس کو دیگر حیوانات کی طرح ایام استقرار حمل تک محدود ہونا چاہئے تھا۔ ابراہیم نے کہا دونوں میں فرق ہے۔ حیوانات آدمیوں کی طرح معاشرتی زندگی بسر نہیں کرتے۔ اس لئے نر اور مادہ کا تعلق توالد و تناسل کے اغراض تک محدود رہتا ہے۔ برخلاف اس کے معاشرتی زندگی کے لئے یہ ضروری ہے کہ زوجین ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر تدبیر منزل کے فرائض انجام دیں۔ اس لئے ان کی باہمی الفت کو دوام کی صورت بخشی گئی چنانچہ حمل کے ٹھہر جانے اور دیگر عوارض سے یہ رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔

علمی موضوع پر دیر تک بحث کرنا عموماً تکان اور اوکتا جانے کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے ابراہیم نے بھی اُکتا کر موضوع کو بدل دینا چاہا اور کہنے لگا کہ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ اب فکاہات اور لطائف و ظرائف سے ذرا جی بہلالیں۔ خاتون نے کہا ازیں چہ بہتر خصوصاً تمہارے مونہہ سے سننے سے اس کا لطف دوبالا ہوگا۔ ابراہیم نے کہا۔ جاحظ بصری نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے کہ ایک اعرابی (بادیہ نشین عرب) ایک دن گھر پہنچا تو اسکی بیوی لڑکی جن چکی تھی۔ عرب لوگ بیٹیوں کو بڑی نفرت سے دیکھتے تھے چنانچہ اسکو یہ واقعہ معلوم ہوا تو گھر بار چھوڑ کر اپنے پڑوسی کے گھر رہنے لگا۔ ایک مہینہ کے بعد وہ اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ اسکی بیوی اپنی بچی کو ہاتھوں پر لئے ہوئے اوچھال رہی ہے اور عربی

زبان میں چند اشعار کہتی جاتی ہے جس کا ملخص یہ تھا کہ کیا وجہ ہے ابوحمزہ (اُس اعرابی کا نام ہے) ہمارے پاس نہیں آتا بحالیکہ وہ نزدیک ہی ایک پڑوسی کے گھر میں رہتا ہے۔ اس کو یہ غصہ ہے کہ ہم لڑکیاں کیوں جنتی ہیں لیکن یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ قدرت بخشتی ہے ہم لے لیتی ہیں" یہ اشعار سن کر اس کا دل نرم ہوگیا اور اپنے گھر آکر ہنسی خوشی کے ساتھ رہنے سہنے لگا۔ خاتون اس کو سن کر مسکرائی۔ مذاق کے طور پر ابراہیم نے اس سے سوال کیا۔ کیا باعث ہے کہ گدھے کے کان لمبے ہوتے ہیں اور گھوڑے کے چھوٹے۔ باوجودیکہ جسم میں گھوڑا بڑا ہے۔ اس نے کہا گھوڑا قوی الحس ہے اور گدھے کی قوت احساس اسکی عقل اور فہم کی طرح بھدی ہے اس لئے گدھے کو بڑے کان دئے گئے تاکہ ہر طرف سے ہوا کو جو آواز پہونچانے کا ذریعہ ہے جمع کرکے اس کے سوراخ گوش میں پہونچا دے (جس طرح ایک بے سمجھ آدمی کو عموماً زور سے پکار کر مخاطب کیا جاتا ہے)۔ برخلاف اس کے گھوڑا خفیف آہٹ کو بھی سن لیتا ہے اس لئے اسکو بڑے کان دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس میں یہی حکمت ہے ——— اس کے بعد انھوں نے کئی ایک لطیف اشعار ایک دوسرے کو پڑھ کر سنائے۔ لطیفہ گوئی اور نکتہ سنجی ہوئی اور جب اُن کی طبیعت پھر خوب ہشاش بشاش ہوگئی تو انھوں نے دوبارہ حیوانات اور نباتات کے عجائبات پر بحث کرنی شروع کی

دسویں فصل

(ریشم کے کیڑے کا بیان۔ ریشم کی قلت اور مردوں کے لئے اس کے استعمال کے حرام ہونیکا فلسفہ)

(اس باب میں اور بھی کئی ایک اہم فوائد ہیں)

شہد کی مکھیوں کے عجائبات سے میرا ذہن ریشم کے کیڑے کی طرف منتقل ہوا۔ یقیناً ریشم

سے نہایت نرم و نازک اور خوبصورت قیمتی کپڑے تیار ہوتے ہیں جو پری پیکر ماہ وش خواتین کے لئے زینت جسم ہوتے ہیں۔ یہ کپڑے اپنی نوعیت میں ویسے ہی بے نظیر ہوتے ہیں جیسے کہ شہد بلحاظ حلاوت کے ضرب المثل ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک نہایت لذیذ اور میٹھی چیز جو شفا بھی ہے ایک حقیر مکھی کے پیٹ سے نکلتی ہے (بلکہ صریح لفظوں میں کہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اسکی قئے ہے) اور نہایت قیمتی آرائشی لباس ایک حقیر کیڑے کا لعاب ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے چین کی ایک شہزادی نے ریشم کا کیڑا دریافت کیا تھا۔ اس نے اس کیڑے کو دیکھا کہ ایک باریک اور نرم مضبوط تار اس کے موہنہ سے نکلا۔ وہ کیڑا اس ریشم کے بنائے ہوئے گھر میں مزے کی نیند سو رہا اور چار دن رات تک سویا رہا۔ شہزادی نے تجربہ کے طور پر اس ریشم سے اپنے لئے کپڑے بنوائے۔ بادشاہ ان کپڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس دن سے ریشم سازی ایک صنعت ہوگئی جس کو اہل چین نے مدتوں تک راز کے طور پر چھپائے رکھا۔ دوسرے ہنروں اور صنعتوں میں بھی اُن کا یہی دستور تھا۔ بالآخر دو یونانی مشنری وہاں پہونچے اور اپنے ملک کے فائدے کی خاطر ریشم کے کیڑوں کے انڈے اپنی لاٹھیوں کو کھوکھلا کرکے ان کے اندر چھپا کر اپنے ملک میں لے آئے۔ یہ واقعہ ۵۵۵ عیسوی کا ہے۔ اس کے بعد ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم سازی کی صنعت تمام یورپ اور دیگر ممالک میں پھیل گئی۔ دائرۃ المعارف کے مصنف نے اس کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ ملک مصر میں اہل قوص کئی صدیاں پیشتر اس فن سے واقف تھے اور ریشم سازی کی صنعت ان میں مُروّج تھی۔

خاتون نے کہا۔ کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟ اس نے کہا بڑی خوشی سے۔ اس نے کہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کا لباس مختلف مواد سے تیار کیا جاتا ہے بعض قسم کے کپڑے

نباتات کے نتائج مثلاً روئی اور کتان وغیرہ سے بنتے ہیں۔ بعض کیڑوں کا مادہ کوئی حیوانی پیداوار ہوتی ہے مثلاً اون اور ریشم وغیرہ۔ لیکن حیوانی مواد سے بنا ہوا لباس عموماً نباتی لباس کی نسبت بہت مضبوط اور پائدار اور خوبصورت ہوتا ہے۔ یہ بھی واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتا کہ ریشم کیوں کم پیدا ہوتا ہے۔ ابراہیم نے کہا اللہ تعالےٰ تم کو علم کی روشنی سے منور فرمائے۔ یہ تمام کائنات ایک مدبر حکیم نے پیدا کی ہے اور اس لئے ہر ایک چیز کو قانون حکمت کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے حیوان کو نباتات پر شرف بخشا جس کا ظاہری ثبوت یہ ہے کہ نباتات اسکی خوراک ہے۔ اسی لئے اسکی ترکیب نباتات کے مقابلہ میں مضبوط تر اور محکم تر ہے اور جو اشیاء حیوان سے پیدا ہوتی ہیں وہ نباتی اشیاء سے زیادہ جمیل اور خوبصورت ہونگی۔ ایک مثال اسکی شمع اور پٹرول کی روشنی ہے جن کی نورانیت اور صفائی میں بڑا فرق ہے۔ اسکی وجہ یہی تو ہے کہ موم بتی حیوانی اجزاء سے تیار کی گئی ہے اور پٹرول نباتات کی طرح زمین کی پیداوار ہے (جس نے ابھی ارتقاء کے مراحل طے نہیں کئے)۔ تمہارے سوال کے آخری حصّہ کا جواب یہ ہے کہ خالق عالم جلّ وعلا نے اپنی مخلوقات کو ضرورت اور مصلحت کے مطابق پیدا کیا ہے۔ جو چیز انسان کی ضروریات میں سے ہے اسکو افراط کے ساتھ پیدا کیا مثلاً ہوا پانی۔ لیکن جس کی جتنی ضرورت کم ہے اس کا وجود بھی اسی نسبت سے کم ہو مثلاً ادویات وغیرہ۔ اسی سے تمہارے سوال کا جواب نکل آتا ہے۔ عام لباس کے لئے جسکی عام و خاص کو ضرورت ہے روئی اور کتان بافراط پیدا کی۔ برخلاف اس کے ریشمی لباس چونکہ آرائش اور بعض ایسے اغراض کے لئے استعمال ہوتا ہے جن کی بہت کم ضرورت پیش آتی ہے اس لئے ریشم کی پیداوار کم ہے اور قلت کی وجہ سے وہ مہنگا بھی ہے جس کو صرف مالدار لوگ اپنے لئے مہیا کر سکتے ہیں۔ اس کے قلت سے پیدا کرنے میں ایک اور بھی حکمت ہے

اگر اسکی پیداوار روئی کی طرح عام ہوتی تو مرد و زن میں اس کا استعمال عام ہو جاتا۔ لیکن مردوں کے لئے ریشم کا لباس مناسب نہیں۔ اسکے پہننے میں ایک طرح کا زنانہ پن ہے اور اسکو پہن کر آدمی آرام پسند ہو جاتا ہے اور جفاکشی کو جی نہیں چاہتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ زنانہ پن کا مرض بڑھتے بڑھتے تعطیل صنعت و حرفت کا باعث ہو کر بربادئی عالم کا موجب بن جائے۔ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ = ہمارے پاس ہر ایک چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں لیکن ہم تو (ضرورت اور مصالح کے مطابق) ایک خاص اندازہ پر اسکو ظہور میں لاتے ہیں" فارسی میں ایک مثل ہے پدر را عسل بسیار است ولیکن پسر گرمی دار است۔ ہماری شریعت میں مردوں کے لئے ریشم کا لباس ممنوع ہونا اسی فلسفہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے عالم خلق اور عالم امر ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور تخلیق اور تصرّف دونو اسی ایک منبع سے صادر ہوتے ہیں۔ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ = بے شک پیدا کرنا بھی اسی کا فعل ہے اور حکم دینا بھی اسی کا کام ہے۔ جو خدائے پاک تمام عالموں کی پرورش فرماتا ہے وہ بہت بڑی برکت والا ہے۔"

گیارہویں فصل

جس چیز کی ضرورت زیادہ ہے اس کا وجود زیادہ ہے اور احتیاج کم ہونے کی نسبت سے کسی چیز کی پیدائش کم ہوتی ہے

خاتون نے کہا۔ جناب! آپ نے معارف علمیہ کے ذریعہ میرے دل کو روشن کر دیا جس کے لئے میں آپ کی بہت ہی ممنون ہوں۔ آپ کی عنایات کریمانہ سے مجھے اُمید ہے کہ اسی طرح نظام آلہی کی اور بھی چند ایک حکمتیں بیان فرما کر لطف اندوز ہونے کا موقعہ بخشیں گے

روئی کی کثرت اور ریشم کی قلت کا فلسفہ بیان کرکے آپ نے میری تشنگیٔ علوم کو تیز تر کر دیا ہے
ابراہیم نے کہا معزز خاتون! علوم طبعیہ اور دیگر علوم عقلیہ کے پڑھنے سے پہلے ایک دن مجھے
کھیتوں میں جانے کا اتفاق ہوا اور میں قدرت کے عجائبات اور حکمتِ کائنات پر غور کرنے
لگا جس کے اثنا میں مجھ کو قدرت کاملہ کی متعدد باریکیوں کا علم ہوا۔ خالق کائنات نے جو
نظام پیدا کیا ہے وہ نہایت عجیب ہے۔ اس نے ہوا اس افراط کے ساتھ پیدا کی ہے کہ
چاروں طرف سے اس نے ہمیں گھیر رکھا ہے اور اس سے استفادہ کرنے یعنی اپنے کام میں لانے
کے لئے ہمیں ذرا بھی تکلیف نہیں کرنی پڑتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سب اشیاء سے ہمیں ہوا کی
بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ہماری بلکہ تمام حیوانات اور نباتات کی زندگی کا تمام تر انحصار
تنفّس پر ہے انسان اور حیوان کا تنفّس تو ہر کوئی جانتا ہے مگر نباتات کا تنفس غالباً
تم کو اچنبھا معلوم ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نباتات بھی حیوانات کی طرح پتوں کے ذریعہ
مضر گیس کو خارج کرنے اور مفیدِ حیات گیس کو جذب کر لینے میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں فرق
صرف اتنا ہے کہ انسان اور حیوان کاربانک ایسڈ گیس خارج کرتے اور آکسیجن اس کی
بجائے اپنے اندر داخل کرتے ہیں۔ نباتات اس کے برعکس آکسیجن خارج کرتے اور کاربانک
ایسڈ گیس کو جذب کرتے ہیں۔ کاربانک ایسڈ گیس ہی سے وہ پرورش پاتے ہیں اور
اس میں بھی ایک بہت بڑی حکمت ہے۔ وہی گیس جس کا وجود انسان اور حیوان کے اندر
اس کے اتلافِ حیات کا باعث ہے نباتات کی نشوونما کا ایک نہایت ضروری جزو
قرار پایا ہے۔ جس سے ہوا میں توازن کا قائم رکھنا مقصود ہے۔ بصورت دیگر ہوا میں
کاربانک ایسڈ گیس کا تناسب مقررہ حدود سے بڑھ کر نظام حیات کو درہم برہم کرنے
کا باعث ہوتا۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ مترجم)۔ پانی اگرچہ ہماری ضروریات زندگی میں بہت

اہم چیز ہے تاہم ہوا کے مقابلے میں اس کی اہمیت کم ہے۔ ہوا میں سانس لئے بغیر انسان
ایک لمحہ زندہ نہیں رہ سکتا لیکن پانی نہ ملے تو کئی دنوں تک اسکی زندگی قایم رہ سکتی ہے
اس بنا پر ہوا کی نسبت پانی کا وجود کم ہے۔ (ایسے ریگستان بھی ہیں جہاں سیکڑوں
میل تک پانی کا نام و نشان نہیں ملتا) اور کم ہونے کے علاوہ بعض اوقات یا اکثر
اوقات اس کا حصول آلات و اسباب اور بھاری جد و جہد پر منحصر ہوتا ہے۔ برخلاف اس
کے ہوا ہر وقت اور ہر جگہ کسی قسم کی تکلیف محسوس کئے بغیر مل سکتی ہے۔ تیسرا او چوتھا درجہ
بلحاظ قلت و کثرت اور اہمیت کے اناج اور میوہ جات کا ہے۔ چونکہ ان دونو کی ضرورت
پانی سے کم ہے ان کا وجود بھی اسی نسبت سے کم ہے اور ان کے حصول میں مشقت زیادہ
(ادویات کی ضرورت دائمی ضرورت نہیں اس لئے ان کا وجود اناج اور پھلوں سے
بھی کمتر ہے)۔ یہ تمام مشاہدات جن کی تفصیل ابھی میں نے عرض کی اس کی محسوس اور
مشاہد تفسیر ہے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ
(پہلے گذر چکی)۔ اگر معدنیات پر نظر ڈالی جائے تو لوہا سب سے زیادہ ضروری چیز ہے
انسانی ضروریات کی کوئی چیز اس کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی (غور کر کے دیکھ لو)
ہر ایک صنعت و حرفت اس کی محتاج ہے اور زمانۂ حال میں تو (جو مشینوں کا دور دورہ
ہے) ہر جگہ لوہے کا لوہا مانا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا تمام ترقیاتِ عصریہ کا نظام
لوہے پر قائم ہے۔ ترکیب جسم پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ قطع نظر بیرونی اشیاء
کے خود انسان کے جسم کا قیام لوہے سے ہے۔ کیونکہ جسم کا بڑا اہم جزو خون ہے اور خون
کا جزو اہم اس کے سرخ ذرات ہیں۔ لیکن یہ بھی جانتے ہو کہ یہ سرخی کہاں سے آئی؟
اور اگر یہ سرخی مفقود ہو جائے تو کس حد تک صحت بگڑ جائے گی؟ کسی ڈاکٹر سے اگر یہ

سوال کیا جائے تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ ذرات خون کی سُرخی اس میں لوہے کا ایک خفیف جزو شامل ہونے کی وجہ سے ہے اور اگر یہ جزو خون میں کم ہو جائے تو خون سفید پڑ کر مرض اینمیا کا باعث ہوتا ہے۔ جس کا اگر بروقت تدارک نہ کیا گیا تو مریض کی جان لے کر چھوڑتا ہے لوہے کے مفید عام ہونے کا ذکر کلام مجید کی اس آیت میں ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ = ہم ہی نے لوہا اوتارا (اس کو زمین میں پیدا کیا) جس کی بدولت لڑائی میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے اور اسکے وجود میں لوگوں کے لئے بڑے بڑے فائدے ہیں " جس سورت میں یہ آیت ہے اسکو سورۂ حدید کہتے ہیں جیسے کہ وہ سورت جس میں شہد کی مکھی کا ذکر ہے اسکو سورۂ نحل کہتے ہیں۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ لوہا نہایت ہی کارآمد دھات ہے اور شہد کی مکھی بہت سے عجائبات کا مظہر ہے۔ اس اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ان سورتوں کا نام انہی چیزوں کے نام پر رکھا گیا۔

الغرض لوہے کی چونکہ بہت زیادہ ضرورت ہے اس لئے قدرت نے اسی نسبت سے اس کو افراط کے ساتھ پیدا کیا اور وہ ایک سہل الحصول دھات ہے۔ دوسرے درجہ پر تانبا ہے جو برتنوں وغیرہ کے لئے بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اس کا وجود بھی معادن میں اسی نسبت سے ہے۔ لوہے کی طرح عام بھی نہیں اور سونے چاندی کی طرح کمیاب بھی نہیں۔ سونے چاندی کے کمیاب ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ ان کی ضرورت دونو مذکورہ بالا دھاتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ ان کا استعمال فقط سکّہ کے طور پر ہوتا ہے۔ بصورت دیگر عورتیں صرف خوبصورتی کی خاطر (ضرورت کو اس میں دخل نہیں) ان کے زیور بنا کر پہنتی ہیں اور امیر لوگ ان سے بنے ہوئے برتنوں اور سامانِ آرائش کو فخر کا موجب سمجھتے ہیں۔ سکّہ اور نقدی ہونے کے علاوہ کوئی اہم ضرورت ان کے ذریعہ انجام نہیں پاتی۔ ان کی قلت میں ایک اور حکمت بھی ہے

اگر سونے چاندی کی کثرت ہوتی تو ان کی قیمت گھٹ جانے کی وجہ سے نقدی اور سکّہ کے طور پر ان کو کوئی قبول نہ کرتا۔ اور اسطرح لین دین کے نظام میں خلل واقع ہوتا۔ لوگ ان کے حُسن منظر پر فریفتہ ہو کر ان پر ریجھ جاتے جس کا نتیجہ عیش پسندی اور بالآخر بطالت اور بیکاری ہوتا۔ عقیق اور الماس سونے چاندی سے بھی کمیاب تر ہیں اور بیش قیمت۔ ان کو استعمال کرنے والے اقل قلیل ہیں (ملوک اور متموّل اُمراء)۔ گویا کہ خدائے پاک ان واقعات اور نظامات کے ذریعہ ہیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ ظواہر اشیاء پر فریفتہ مت ہونا۔ حقائق کے پیچھے جانا۔ عقیق اور الماس اور سونا چاندی ظاہری حُسنِ منظر کی وجہ سے مقبول ہیں اور لوگ ان کو بیش قیمت چیز سمجھتے ہیں لیکن فوائد کے لحاظ سے لوہا اور تانبا ان سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ ظاہر کا حسنِ منظر متممات اور تکملات سے ہے۔ ضروریات اور لوازم زندگی سے نہیں۔ نتائج و وسائل اور اصل و فرع کا فرق بہر حال پیش نظر رکھیں۔ یہ نظامات اپنی خوبی میں جمالِ اعلیٰ اور حسنِ حقیقی کے آثار و مظاہر ہیں۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ = زمین و آسمان میں ہر جگہ اسی کا نور ہے"۔ اسکے بعد فاضل مصنف نے چند عربی اشعار لکھے ہیں جن میں شاعر نے اپنی محبوبہ کو مخاطب کرکے اپنے جذبات محبت کا اظہار کیا ہے۔ مترجم)۔

خاتون نے کہا۔ بے شک خالق کائنات کا نظام بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ مجھے اس تقریر کے سننے سے ایک بات یاد آئی جو میں نے کسی کتاب میں پڑھی تھی کہ عموماً بڑے فائدے حقیر مخلوق کی بدولت ظہور میں آتے ہیں۔ نرم اور نازک ریشم جو پری پوش دلرباؤں۔ شہزادیوں اور امیرزادیوں کے لئے زینت اور ازدیاد حسن و جمال کا باعث ہے ایک کیڑے کے مونہہ سے نکلی ہوئی آلائش ہے۔ نہایت شیریں اور میٹھی چیز جو امراء اور ملوک کے دستر خوانوں پر رکھی جاتی ہے وہ شہد کی مکھی (مکھی کا لفظ ملاحظہ ہو) کے پیٹ سے نکلی ہے۔ اور بہترین بیش قیمت

موتی جس سے بادشاہوں کے تاج مرصّع کئے جاتے ہیں ایک حقیر بحری جاندار یعنی سیپ کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ (نطفہ کتنی حقیر چیز ہے لیکن اسی سے بڑے بڑے فلاسفروں فاتحانِ ممالک سلاطین۔ اور اوّل درجہ کے مدبرین اور سیاست دانوں کی تخلیق ہوتی ہی) اس میں تم خالق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تجلّی مشاہدہ کرسکتے ہو۔ موتی کے پیدائش کی تشریح یہ ہے کہ سمندر میں ایک جاندار ہوتا ہے جو عربی میں محار اور اُردو میں سیپ کہلاتا ہے۔ اس کا جسم جیلی (JELLY) کی طرح نرم گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے جس کو ہڈی نما غلاف ڈھانکے رہتا ہے۔ یہ ہڈی نما خول دو پیالہ نما حصوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اس کا موہنہ یا پیٹ کا منفذ ہمیشہ بند رہتا ہے تاکہ سمندر کا کھاری پانی اس کے اندر داخل ہوکر اس کو نقصان نہ پہونچائے۔ اگرچہ میٹھے پانی میں بھی یہ سیپ دار جاندار پایا جاتا ہے لیکن دریائے شور میں بکثرت ہوتا ہے اور اکثر اسکے تہ میں رہتا ہے۔ وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ پانی کا تلاطم کم ہوکر اس میں سکون پیدا ہو تو وہ پانی کی سطح پر آکر اپنا موہنہ کھول دے اور باران رحمت کا انتظار کرے تاکہ اسکی بوندیں اس کے پیٹ میں داخل ہوکر موتی بننے کی استعداد پیدا کریں شبنم کے قطرات بھی اسکے لئے کافی ہوسکتے ہیں جس کے بعد وہ اپنا موہنہ بند کرلیتا ہے اور وہ قطرے ارتقاء پذیر ہوکر کچھ عرصہ کے بعد چھوٹے یا بڑے موتی بن جاتے ہیں فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ = بہت برکت والا ہے وہ خدا جو سب پیدا کرنے والوں سے بہتر پیدا کرنے والا ہے " (موتیوں کے بننے کا یہ نظریہ اگرچہ مدّت سے مشہور چلا آتا ہے لیکن آج کل کی تحقیقات نے اس کو غلط ثابت کیا ہے۔ اہل عصر سائنس داں یہ کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح غیر جنس کا کوئی ذرہ از قسم کنکر وغیرہ سیپ کے پیٹ میں چلا جاتا ہی جس کی وجہ سے سیپ کے اندرونی پرت سے ایک قسم کی شفاف اور براق رطوبت رسنی شروع

ہوتی۔اس کو اپنے اندر چھپا لیتی۔اور رفتہ رفتہ متحجر ہو جاتی ہے یہی موتی ہے۔مترجم)۔
غور کیجئے موتی جیسی نورانی اور بیش بہا چیز کی ابتدا کس طرح ایک حقیر چیز سے ہوئی اور اس کا ظہور ایک ایسے حیوان میں ہوا جس میں حس لمس کے علاوہ کوئی دوسرا حس نہیں۔وہ دائرہ وجود یا حلقہ کائنات میں نباتات کے بہت قریب ہے اور حیوانات کی پہلی کڑی میں اس کا شمار ہوتا ہے کیونکہ پانی میں رہنے والے حیوانات کو طبعًا ان حیوانات پر تقدم حاصل ہے جو خشکی پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

دائرہ وجود میں کائنات کے بالکل ابتدائی مرحلہ سے شروع کرکے بالتدریج نباتات اور حیوانات میں ارتقاء نظر آتا ہے۔چنانچہ نباتات کی ارتقا یافتہ اقسام میں حیوانات کے بعض خصائص پائے جاتے ہیں۔اور حیوانات کی ابتدائی منزل میں بعض نباتاتی خواص موجود ہوتے ہیں (مثلًا کھجور کا درخت اور مرجان)۔اسی طرح ترقی کرتے کرتے بعض حیوانات ارتقاء کے اس درجہ پر پہونچ جاتے ہیں جہاں حیوان اور انسان کے ڈانڈے مل جاتے ہیں۔ڈاردن کو یہہ حقیقت معلوم ہوئی تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔اور اہل مغرب اور ان کے مقلدین اہل مشرق یہہ خیال کرنے لگے کہ اس نے ایک ایسا جدید نظریہ دریافت کیا جس کے ادراک سے متقدمین قاصر تھے۔ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے اسلاف مدتوں پہلے یہہ حقیقت دریافت کرچکے تھے (البتہ اسکی توجیہ اور تفسیر میں ہر ایک کا مسلک علیحدہ ہے ع نظراتے اپنی اپنی پسند اپنی اپنی)۔ہم نے اپنی کتاب نظام العالم والامم میں اسکی مزید تشریح کی ہے۔ہاں ہم یہہ کہہ رہے تھے کہ بہترین زینت سمندر کے ایک حقیر حیوان سے حاصل ہوتی ہے۔سب سے خوبصورت لباس کا باعث ایک حقیر کیڑا ہے۔اور سب سے پاکیزہ میٹھی چیز ایک حقیر مکھی کے پیٹ سے نکلا ہوا مادہ ہے۔اسی طرح زمانہ حال کی تمدنی ترقیات کی بناء حقیر ترین اشیاء پر ہے۔

دوربین اور خوردبین جو بڑے بڑے اکتشافات کا باعث ہوئے ہیں ان کی ترکیب شیشے کے چند ایک ٹکڑوں سے ہوئی ہے جس کے مواد میں ایک بڑا جزو ریت ہے۔ تمام مشینری کا دارومدار کوئلے اور لوہے پر ہے۔ اور انہی تین بظاہر حقیر القدر اشیاء کی بدولت دنیا ترقی یافتہ کہلاتی ہے۔

اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ = وہی خدا ہے جس نے ہر ایک چیز کو جو اس نے پیدا کی بہترین صورت پر پیدا کیا۔ اور انسان جیسی جلیل القدر مخلوق کی پیدائش آب و گل سے فرمائی "سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ علوم عصریہ سے جاہل (بلکہ ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں) وہ کس طرح اُن حقائق کا علم حاصل کر سکتے ہیں جس کی بدولت واضح اور نمایاں طور پر نظر آجائے کہ ہر ایک چیز کی تخلیق بہترین صورت پر ہوئی ہے (ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے لیس فی الامکان ابدع مما کان یعنی جس شکل پر اس موجودہ نظام عالم کو خدائے پاک نے پیدا فرمایا ہے اس سے بہتر صورت پر پیدا کرنا ممکن نہیں تھا مترجم) "

بارہویں فصل

(سرباس اور آرس (حیوانات کا نام ہے) کا ذکر)

(اور یہ کہ مچھلیوں کی ساخت دیکھ کر انسان نے کشتی بنائی)

خاتون نے کہا جناب! علامہ قزوینی کی عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ ملک بلوچستان میں سرباس نام ایک جانور ہے جس کے ناک کے بانسے میں بارہ سوراخ ہیں اور جب وہ سانس لیتا ہے اور اسکے اُن سوراخوں سے ہوا پیچ دخم کھا کر نکلتی ہے تو اس سے ایک عجیب موسیقی پیدا ہوتی ہے جس کو سن کر دوسرے حیوانات اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور وہ ان میں سے حسب پسند جس کو چاہتا ہے شکار کر لیتا ہے۔ اور جب اس کا مطلب پورا ہو چکتا ہے تو انہیں سوراخوں

سے ایک ہولناک آواز نکال کران کو منتشر کردیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بانسری اسی جانور کے ناک کو دیکھ کر ایجاد کی گئی ہے۔ نیز لکھا ہے کہ ایشیا کوچک میں ایک جانور ہے جس کا نام ارس ہے اس کے سر پر ایک لمبا سا سینگ ہوتا ہے جس کے اوپر اس کے شاخوں کے طور پر بیالیس مجوّف نالیاں ہوتی ہیں۔ان نالیوں میں جب ہوا داخل ہوکر باہر آتی ہے تو عجیب قسم کے طرب انگیز نغمے اس سے ظہور میں آتے ہیں جس کے سُننے کے لئے دوسرے حیوانات کا اس کے اردگرد میلا لگا رہتا ہے۔یہہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا یہہ عجیب وغریب سینگ کسی بادشاہ کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجا گیا۔جب اس پر ہوا چلتی تھی تو اس سے ایسی مسرّت افزا آوازیں نکلتیں کہ جن کو سُن کر سامعین جھومنے لگتے۔لیکن جب اُس سینگ کو اُلٹا دیا جاتا تو ہوا کے چلنے پر اس سے ایسی رقّت انگیز آوازیں پیدا ہوتیں کہ انسان روپڑتا۔سوال یہہ ہے کہ کیا زمانۂ حال میں جو اکتشافات جانوروں کے انواع واقسام کے متعلق کئے گئے ہیں اُن میں اس قسم کے حیوانات کا کوئی ذکر آیا ہے؟ ابراہیم نے کہا۔معزز خاتون! مصنّفات جدیدہ میں میری نظر سے اس قسم کے جانوروں کا کوئی ذکر نہیں گذرا۔ممکن ہے اس قسم کا کوئی جانور زمانۂ قدیم میں موجود ہو لیکن اب اسکی نسل باقی نہ ہو۔سر بار اس جانور کے ناک کو دیکھ کر بانسری ایجاد کرنا بعید از قیاس نہیں۔کیونکہ بہت سی چیزیں آدمیوں نے قدرتی اشیاء کو دیکھ کر ان کے نمونہ پر بنائی ہیں چنانچہ یہ کشتیاں جو دریا کو چیرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں ان کو مچھلی ہی کے نمونہ پر بنایا گیا۔

خاتون نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔وہ یہہ کیسے؟ ابراہیم نے کہا۔اللہ تعالےٰ تمہارا سینہ علم کے نور سے مُنوّر فرمائے۔خدائے پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے مچھلیوں کی تخلیق ایسے طرز پر کی ہے کہ وہ نہایت آسانی کے ساتھ پانی میں زندگی بسر کرسکیں۔جیسے پرندے

کہ ان کو پر اور بازو عنایت کرکے اُڑنے کی استعداد عطا فرمائی۔ کیونکہ ان کے حق میں یہی مقدر ہوا تھا کہ وہ ہوا میں اپنی زندگی بسر کریں گے۔ الغرض مچھلیوں کو اسبات کی ضرورت تھی کہ وہ پانی میں آزادانہ تیر سکیں۔ پانی میں بآسانی نیچے اوپر آجا سکیں۔ اور بوقتِ حاجت غذا کی طلب میں یا دشمن سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے دائیں بائیں مڑ سکیں۔ اس لئے خدائے پاک نے اپنی قدرت سے کشتی کے چپوؤں کی طرح ان کے دونو جانب اور نیز ان کی پیٹھ پر چپو نما اعضاء پیدا کئے۔ نیز ان کو ایک تھیلی دی کہ جب اس میں ہوا بھر دی جاتی ہے تو مچھلی اوپر آجاتی ہے۔ برخلاف اس کے جب اس کو دبا کر وہ اپنا حجم کم کر دیتی ہے تو وہ نیچے چلی جاتی ہے اس کی دُم اسکو دائیں بائیں مڑنے میں مدد دیتی ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ کشتی کے تمام لوازم اسی کے مطابق ہیں؟ کشتی کے چپو۔ اس کے بادبان۔ اور اس کا سکان۔ کیا مچھلی کے اعضاء کی نقل اور تقلید نہیں؟ اور ان سے وہی اغراض حاصل نہیں ہوتے جن اغراض کے لئے مچھلی کو مختلف اعضاء دئے گئے؟ یہ بھی قابل غور ہے کہ قدرت نے مچھلی کا جسم ایسے طرز پر بنایا ہے جس کی وجہ سے وہ لہروں کی ٹکر اور دباؤ سے محفوظ رہتی ہے اور لہریں اسکے جسم پر سے پھسل کر ادھر اُدھر پھیل جاتی ہیں اور اسکے تیرنے میں عائق نہیں ہوتی ہیں۔ خدائے پاک کی رحمت عامہ نے ہر ایک چیز کو گھیر رکھا ہے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ ہر ایک جاندار اور غیر جاندار اسکی مہربانیوں کا مرہون احسان ہے" اس کا علم اپنی تمام مخلوقات پر محیط ہے اور ان کی کوئی ضرورت اسکی نظر عنایت سے پوشیدہ نہیں۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ "ہم اپنی مخلوق کے حالات اور ان کے حوائج سے بے خبر نہیں ہیں" حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اسکی قدرت۔ اسکی رحمت۔ اور اسکی حکمت نمایاں ہے لیکن لوگ اپنی خواہشات نفسانی کی طلب میں اس قدر منہمک ہیں۔ کہ ان معارف اور علوم کی طرف متوجہ ہونے کی

انہیں بہت کم فرصت ملتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے "اگر آدمیوں کے دل پر شیطان نہ منڈلاتے رہتے تو کچھ شک نہیں کہ ملک اور ملکوت کے اسرار ان پر کھل جاتے" اللہ تعالےٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اونٹ کی دم کا چھوٹا ہونا اور بیل کا طویل ہونا ان کی مصلحت اور بہبودی کے لئے تو ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارا ذہن ناقص ہر ایک چیز کا فلسفہ دریافت نہ کر سکے۔ علوم طبعیات اور دوسری سائنس کی کتابوں میں اسرار کائنات پر خاصی روشنی ڈالی گئی ہے جسکو شوق ہو ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

تیرہویں فصل

(تخلیقِ حشرات کی حکمت)

خاتون نے کہا۔ جناب! یہ تو میرا مستحکم عقیدہ ہے کہ خلقِ عالم کی بنا سراسر حکمت پر ہے لیکن ابھی تک میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ حشرات مثلاً بھڑوں، مکھیوں اور مچھروں کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟ ابراہیم نے کہا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے بعض حکمتوں کو ہم دریافت کر سکتے ہیں بعض ہمارے ادراک سے بالاتر ہوتی ہیں۔ ان حشرات کا پیدا کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں زمین پر اکثر جابجا عفونتیں یعنی غلاظتیں اور بدبودار گلی سڑی چیزیں ہوتی ہیں جن کو اگر بحال خود چھوڑ دیا جائے تو وہ ہوا کو خراب کر دیں اور اس سے مہلک امراض پیدا ہوں۔ یہ عفونتیں مکھیوں اور دیگر حشرات کی غذا ہیں جن کو وہ کھا کر جزو بدن بنا لیتے ہیں اور اسطرح ہوا میں ان کا تعفن سرایت نہیں کرنے پاتا۔ اس کا ظاہری ثبوت یہ ہے کہ یہ حشرات عفونت کی جگہ پر

دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ قصاب کے چھیچھڑوں پر تم کو مکھیاں بھنبھناتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ یہ ایک بہت بڑی حکمت ہے کہ عفونات تک کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ اور حشرات کا وجود ظاہر کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی مکروہ اور گھنونا خیال کیا جائے حقیقت میں نعمت ہے۔ تم دیکھتی ہو کہ سانپ اور بچھو عادۃً غلیظ اور گندی جگہ میں ہوتے ہیں (گویا ہم کو ان کے ذریعہ سے خبردار کیا جاتا ہے کہ اپنے گھر اور مکان کو صاف ستھرا رکھو)۔ علیٰ ہذا القیاس گبریلے وہیں پیدا ہوں گے جہاں گوبر ہوگا۔ مچھر جو ملیریا جیسے موذی مرض کی بنیاد ہے گندی غلیظ نالیوں اور متعفن پانی کے جوہڑ اور تالاب ان کی جائے تولید ہے۔ بہر حال باوجود ان خوفناک نتائج کے جو خود ہماری غفلت سے ان حشرات کے باعث ظہور میں آتے ہیں پھر بھی ان کا وجود رب تعالیٰ کا لطف اور رحمت ہے قطع نظر اس سے کہ اکثر ان میں سے عفونات کو اپنی خوراک بنا کر ہوا کو پاک و صاف رکھنے کا موجب ہوتے ہیں ان کا نفس بھی رحمت اور نعمت ہے۔ کیونکہ ان کے موذی ہونے کا خیال کر کے اور ان کے مہلک نتائج کو تصور میں لا کر انسان بالطبع اس بات پر آمادہ ہوتا ہے کہ اس تمام تکلیف اور ہلاکت کا سبب دور کر دے۔ یہ چیزیں زبان حال سے اس کو پکار پکار کر کہتی ہیں کہ اگر تم ہمارے ازالہ کا انتظام نہیں کرو گے تو ہم تمہاری ہلاکت کا باعث ہوں گی۔ چونکہ انسان ہوا فاسد کے نقصانات کو براہ راست محسوس نہیں کرتا اور اس طرح وہ ہوا بے خبری میں اسکے جسم کے اندر کئی امراض پیدا کر کے اسکی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اسلئے خالق حکیم و خبیر نے یہ زہر دار۔ طرح طرح سے انسان کو ستانے والے حشرات پیدا کئے۔ جن کے ضرر اور تکلیف کو انسان فوراً محسوس کر سکتا ہے اور ان سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس طرح ایک سمجھدار آدمی کے لئے ان کا وجود تازیانۂ ہدایت بن کر ہوا کو پاک و صاف رکھنے

کا سبق اسکو سکھا دیتا ہے ۔ دیکھا کس طرح یہ نظام اسکے فضل اور اسکی رحمت کا کرشمہ ثابت ہوا ۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جس کے موہنہ پر یا آنکھوں میں غلاظت ہو اس پر مکھیاں بیٹھ کر اسکو چاٹ لیتی ہیں اور وہ جگہ صاف ہوجاتی ہے (نیز خود انسان کو مکھیوں کا بھن بھن کرنا اُدھر متوجہ کر دیتا ہے اور وہ اِس غلاظت کو دور کر دینے میں مشغول ہوجاتا ہے) ۔ انسان میں نجاست اور غلاظت سے جو طبعی نفرت رکھی گئی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ وہ اس نجاست اور غلاظت کے ازالہ پر متوجہ ہو ۔ یہ مکھیّاں گویا قدرت کی طرف سے سپاہی مقرر ہیں جو لوگوں کو بزبان حال یہ حکم دیتے پھرتے ہیں کہ اپنے موہنہ اور دیگر اعضاء کو گندگی اور غلاظت سے پاک وصاف رکھو ۔ غلاظت اور نجاست سے طبعی طور پر نفرت کرنا قدرت کا ایک تنبیہی تازیانہ ہے جو انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے ۔ ان حکمتوں کو دیکھ کر تم معلوم کر سکتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ۔ اس نے ہر ایک چھوٹے بڑے حیوان کو اسطرح پیدا کیا اور اس کے لئے ایسا نظام مقرر کیا جو سراسر اس کے فائدہ کے لئے ہے ۔ گو بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے ۔

انہی باتوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے خالق تعالےٰ نے کلام مجید میں ان حقیر مخلوقات کا مثال کے طور پر ذکر فرمایا ہے جس کو سن کر جاہل مشرکین چونک پڑے اور کہنے لگے خدائے قدوس کے کلام پاک میں بھلا ان حقیر اشیاء کا ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے کلام مجید میں ان کے اس اعتراض کا ان الفاظ میں جواب دیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۔ بے شک اللہ تعالےٰ اکسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا ۔ خواہ وہ مثال مچھر کی ہو یا کسی ایسی چیز کی جو اس سے بھی زیادہ

حقیر ہے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ان مثالوں کا بیان کرنا ان کے رب کی طرف سے بالکل درست ہے۔ لیکن منکر لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھلا اس مثال کے بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟" ایک اور آیت میں اس بات کی تشریح فرمائی ہے کہ ان مثالوں کو سمجھنے والے عالم ہیں وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۔إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ "ہم یہ مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں لیکن ان کو سمجھتے وہی ہیں جو عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم بالا اور عالم اسفل کو بالکل درست طور پر پیدا کیا (ان کا ہر ایک نظام بالکل بجا ہے اور حکمت پر مبنی ہے) بے شک اس میں مومنوں کے لئے (اسکی قدرت اور اسکی رحمت اور اسکی عظمت اور جلال کی) نشانیاں ہیں" اس آیت میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ ان نظامات کی حکمتوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو نفوس عالیہ کے مالک ہیں اسرار ملک اور ملکوت پر غور کرتے اور ان کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ انہی کو عالموں کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس میں بھی ایک حکمت ہے کہ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے حیوانات کو ان سے بڑے اور طاقتور حیوانات کی خوراک بنایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً ملک ان سے بھر جاتا اور بنی نوع انسان کے لئے ان کا وجود زحمت اور تکلیف کا باعث ہوتا۔ ایک عجیب بات جو اطبا نے تجربہ سے معلوم کی ہے یہ ہے کہ جس چیز کا زہر کسی دوسرے حیوان کے لئے اسکی ہلاکت کا باعث ہو اس کا گوشت اس زہر کے لئے تریاق ہے۔ اس کی معقول توجیہ یہ ہے کہ زہریلے جانداروں کے گوشت میں دافع زہر اجزاء موجود ہوتے ہیں ورنہ اپنے زہر کا خود اس پر بھی وہی اثر ہوتا جو دوسرے حیوانات پر ہوتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ جس کو بچھو نے

کاٹا ہو فوراً اس بچھو کو مسل کر کاٹی ہوئی جگہ پر مل دیا جائے تو زہر کا اثر باطل ہو جائیگا واللہ تعالیٰ اعلم

جاڑے کے موسم میں ان حشرات کا انجام مختلف ہوتا ہے بعض تو سردی کی برداشت سے عاجز آکر مر جاتے ہیں مثلاً عام کیڑے۔ پسّو اور مچھّر وغیرہ بعض ان میں سے کسی پوشیدہ جگہ میں چھپ کر یہ موسم بسر کرتے ہیں۔ اس اثناء میں ایک نیند جیسی حالت ان پر طاری ہوتی ہے اور وہ کچھ کھاتے پیتے نہیں مثلاً سانپ بھڑ وغیرہ۔ ایسے حشرات بھی ہیں جو جاڑے کے لئے موسم گرما ہی میں ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں اور سردیوں میں راحت اور آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں مثلاً چیونٹیاں اور شہد کی مکھیّاں وغیرہ ان سب نظامات پر غور کرو اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ تمام عالم کی بنا حکمت اور رحمت پر ہے۔ ہاں ان باتوں کا سمجھنا عالموں کا کام ہے۔ بہت سے امور عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اور خواص کے بھی مراتب ہیں۔ ہر ایک کو وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو دوسرے کو حاصل ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ چنانچہ ان حقیر حشرات کو دیکھ کر ہر ایک آدمی کے خیال اور سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ نباتات یعنی درختوں اور پودوں کی تلقیح انہی کے ذریعہ ہوتی ہے اور فضاء کی عفونت دور کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔ اور اسطرح ان کا وجود ہماری بقاء اور حیات کے لئے نہایت ضروری اور بہت مفید ہے۔ یہ بھی ہر ایک کے سمجھنے کی بات نہیں کہ حیوانات کا ایک دوسرے کو کھانا کسی حکمت پر مبنی ہے۔ پہاڑوں کی وادیوں۔ ریتلے میدانوں اور جنگلوں میں کتنے حیوان مرتے ہیں جن کے جثّے اگر اسی طرح پڑے رہتے اور گل سڑ کر متعفن ہوتے تو ان کے سبب سے ہوا میں جو تعفّن پھیلتا اس سے کئی ایک مہلک وبائی امراض پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ لیکن خالق تعالیٰ کے نظام کی داد دیجئے کہ وہی متعفن لاشیں جن سے وبا پھیلنے کا خوف بلکہ یقین تھا جنگلی درندوں۔ گیدڑوں

اور گِدھوں کی مرغوب خوراک ہے۔ ادھر کوئی جانور مرا اور ادھر مردار خور جانور آ حاضر ہوئے۔ تمام الابلا کو صفا چٹ کر گئے۔ اور جب تک ہوا میں تعفن سرایت کرتا ہے سب کچھ ہڑپ۔ علامہ دمیری حیوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ بھیڑیا گیدڑ کا شکار کرتا اور اس کو کھا لیتا ہے۔ گیدڑ خارپشت کو اپنی خوراک بناتا ہے۔ اور خارپشت کی غذا سانپ ہے۔ سانپ چڑیا کو پکڑ کر کھا لیتا ہے اور چڑیا ٹڈی کو۔ ٹڈی شکار کرنے پر آئے تو بھڑوں کے بچے بآسانی شکار کر لیتی ہے۔ بھڑیں شہد کی مکھیوں سے خوراک حاصل کرتی ہیں اور شہد کی مکھیوں کی غذا عام مکھیاں ہیں جو گھروں میں بھنبھناتی پھرتی ہیں۔ اور عام مکھیاں مچھروں کو کھا لیا کرتی ہیں" اس نظام میں یہ حکمت ہے کہ علاوہ اس کے کہ اس سے فضاء کا پاک و صاف رکھنا مطلوب ہے ان سب حیوانات کو خوراک پہونچانا بھی مقصود ہے۔ اور اس طرح ان کے اجسام یوں ہی مرکر اور گل سڑ کر ضائع نہیں جاتے۔ (یہ تو پہلے لکھا جا چکا ہے اور اس سے ان حیوانات کا کم کرنا اور کائنات کا توازن قائم رکھنا بھی مطلوب ہے ورنہ جس رفتار سے یہ حشرات بڑھتے ہیں اگر ان کی تعداد کم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہوتا تو دنیا کا ان کی کثرت سے ناک میں دم آجاتا)۔

چودہویں فصل

(حیوانات کے ایکدوسرے کو شکار کرنے اور کھا جانے کی حکمت)

(اگر ایسا نہ ہوتا تو نظام عالم میں خلل آجاتا)

خاتون نے کہا۔ بے شک جو کچھ آپ نے ذکر کیا بجا اور درست ہے اللہ تعالے کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ لیکن اس بات کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالی نے درندوں کو بعض دیگر حیوانات پر کیوں مسلط فرمایا کہ وہ ان کو چیر پھاڑ کر ان کا گوشت کھائیں۔

اس قسم کے واقعات کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور اسکی حکمت سمجھنے میں عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ابراہیم نے کہا۔ یہ تمہاری کتنی اچھی خصلت ہے کہ جس موضوع کو چھیڑتی ہو اس کو مکمل کر کے چھوڑتی ہو۔ تاکہ اس کا کوئی پہلو تشنہ بحث نہ رہے۔ معزز اور عقلمند خاتون! تمام حیوانات میں (جس میں انسان بھی شامل ہے) خالق تعالےٰ نے قوت احساس ودیعت فرمائی ہے اور یہ احساس جسم کے ہر ایک حصہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ احساس حیوان کے حق میں بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اگر اس میں احساس نہ ہوتا تو وہ جلانے والی آگ اور مہلک اشیاء تک سے پرہیز کرنے کے قابل نہ ہوتا۔ کوئی اس کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ لیتا۔ اس کا بازو توڑ دیتا۔ اسکی آنکھ پھوڑ دیتا۔ یا اسکو قوت سامع سے محروم کر دیتا اسکو خبر تک نہ ہوتی اور اندریں صورت ناممکن تھا کہ وہ اس سے بچنے کی تدبیر کرتا یا اسکے علاج میں مشغول ہوتا اور یہی عدم احساس اسکی موت اور ہلاکت کا باعث ہوتا۔ چونکہ قوت احساس کا ہونا حفاظت جسم وجان کے لئے بے حد ضروری تھا اس لئے جسم کے ہر ایک حصہ میں اس کو پیدا کیا۔ برخلاف اسکے دوسرے حواس مثلاً قوت باصرہ۔ سامعہ اور ذائقہ یا شامہ کو خاص خاص مناسب جگہوں میں رکھا (ان میں تعمیم کی ضرورت نہیں تھی) حفاظت جسم کے لئے احساس کے نہایت ضروری ہونے کے باوجود یہ بھی ضروری تھا کہ ہر ایک حیوان کے بقاء کے لئے ایک وقت مقرر ہو جس کے بعد وہ فنا ہو جایا کرے۔ موت کا وجود نظام حیات کو قائم رکھنے کے لئے لازم ہے۔ کیونکہ اگر موت نہ ہوتی اور جتنے حیوانات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہیں وہ سب زندہ رہتے تو تھوڑے عرصہ میں سب کی زندگی دوبھر ہو جاتی۔ کھانے کے لئے خوراک اور رہنے سہنے کے لئے جگہ نہ ملتی۔ مثال کے طور پر ایک نوع انسانی پر غور کرو۔ فرض کرو کہ پیدائش آدم علیہ السلام سے اس وقت تک جتنے آدمی پیدا ہوئے ہیں وہ سب اسوقت

موجود ہوتے تو سطح زمین پر ان کو پاؤں ٹکانے تک کی جگہ بھی نہ ملتی خوراک اور دیگر ضروریات
کا مہیا ہونا تو بجائے خود رہا۔ ان کا تو ذکر ہی نہ کریں۔ جب ایک ہی نوع کے بقا سے
یہ حالت پیدا ہوتی ہے تو لاکھوں انواع واقسام حیوانات کے زندہ رہنے کی صورت
میں کیا کچھ خرابی پیش نہ آتی۔ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ خلاصہ یہ کہ ایک مقررہ وقت کے
بعد جسکی تعیین خدائے علیم وخبیر کے علم وحکمت کا نتیجہ ہے ہر ایک جاندار کے لئے مرنا اور فنا ہونا
لازم ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ
وَالْاِکْرَامِ = زمین پر رہنے والے سب فنا ہوں گے۔ ایک باعظمت اور رحیم وکریم خدا کی
ذات باقی رہے گی، جو اجل ہر ایک حیوان کے لئے مقدر ہے اس کا علم بجز باری تعالیٰ کے اور
کسی کو نہیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کب اسکی اجل آئے گی اور کب وہ مریگا۔ اس میں یہ حکمت ہے
کہ وقت موت کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے اسکی امیدیں اور امنگیں تازہ رہیں اور نظام دنیا میں
خلل واقع نہ ہو۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

فنا پذیر ہونے کی صورتیں مختلف ہیں۔ کوئی طبعی موت سے مرتا ہے کسی کو درندہ پھاڑ
کھاتا ہے۔ کوئی دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور جب مرنا ہے تو کیا طبعی موت
مرنا اور کیا کسی دوسرے سبب سے ہلاک ہونا ع چہ بر تختہ مردن چہ بر روئے خاک۔

عرب کے ایک شاعر نے اس مضمون کو کسقدر خوبی کے ساتھ موزون کیا ہے ؎
ومن لم یمت بالسیف مات بغیرہٖ + تعددت الاسباب والموت واحدٗ = جو تلوار سے
کٹ کر نہیں مرے گا تو وہ کسی دوسرے طریقہ سے جان دیگا مرنا تو بہر حال ضروری ہے)
اسباب موت مختلف ہیں لیکن نتیجہ سب کا ایک ہے یعنی موت " باقی رہا یہ کہ بہ نسبت اسکے
کہ کوئی طبعی موت مرے درندے کا اسکو پھاڑ کھانا تم کو دردناک تر معلوم ہوتا ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں (اور سب فلاسفر یہی کہتے ہیں) کہ موت سے جو تکلیف پیش آتی ہے اس سے
توکسی حالت میں چھٹکارا نہیں۔ وہ تو ہو کر رہے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ طبعی موت میں انسان
یا حیوان کی تکلیف تدریجی ہوتی ہے۔ آدمی گھُل گھُل کر جان دیتا ہے۔ برخلاف اس کے
جو زبردستی کا نتیجہ اچانک موت ہے اسکی تکلیف یکدم نازل ہوتی اور بہت کم دیر تک رہتی ہے
بلکہ شاید تکلیف کا احساس ہونے تک فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ آدمی کا لڑائی میں ہاتھ یا کوئی
دوسرا عضو کاٹا جاتا ہے لیکن اس کو خبر تک نہیں ہوتی (فاضل مصنف کا یہ خیال ایک
بڑی حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ یورپین شکاری جو شیر کا شکار کھیلتے ہیں اور اس قسم کے
متعدد واقعات ان کو پیش آتے ہیں کہ شیر ان پر جھپٹ پڑا اور ان کا کوئی عضو مروڑ کھایا۔
یا چبا لیا۔ انہی لوگوں کا بیان ہے جو انگریزی اخبارات مثلاً بمبئی کے السٹریٹڈ ویکلی وغیرہ
میں وقتاً فوقتاً شائع ہوا ہے کہ ان کو تکلیف کا مطلق احساس نہیں ہوا۔ مترجم)۔ علاوہ
ازیں کسی غرض صالح کے پورا کرنے کی خاطر اگر تھوڑی سی تکلیف بھی برداشت کرائی جائے
توکوئی حکیم اور فیلسوف اسکو ظلم اور فعل ناجائز نہیں کہتا۔ (بارش میں کئی ایک غریبوں کے
مکان گر جاتے ہیں۔ کئی مسافر اسکی وجہ سے تکلیف اُٹھاتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں
کہ بارش ہی نہ ہو)۔ جن لوگوں نے فضول اور عبث اشغال سے مونہہ پھیر کر اپنے آپ کو تحصیل
علم و معرفت میں مشغول کر رکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں تکالیف اور مصائب کا ہونا سراسر
حکمت اور رحمت پر مبنی ہے۔ اکثر اس سے انسان کے اخلاق میں بہتری کے لئے تبدیلی
پیدا ہوتی ہے۔ ایک مریض اپنے دشمن کے سامنے بھی جی کھول کر اپنی مرض کا حال بیان کرتا
ہے۔ کیونکہ مرض نے اس کا سینہ کینہ اور عداوت سے پاک کر دیا ہے۔ بجا لیکہ یہ ایک بہت
بڑی بات ہے۔ کتب شرع میں اس امر کی تاکید کی گئی ہے اور علماء اخلاق نے اس پر تعدد

کتابیں لکھی ہیں کہ حقد اور حسد بہت برے اخلاق ہیں۔ اپنے دل میں کینہ کو جگہ نہ دو۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں کتابوں میں لکھی رہ جاتی ہیں اور لوگ اپنے سینوں میں کینہ اور حسد کی آگ بھڑکائے رہتے ہیں۔ نرمی اور ہمدردی کی بجائے قساوت اور سنگدلی کو فخر خیال کرتے ہیں۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مرض اور تکلیف کی حالت میں خود بخود دشمنیاں چلی جاتی ہیں۔ سینے صاف ہو جاتے ہیں۔ سنگدلی اور قساوت کی جگہ رحم اور ہمدردی آجاتی ہے۔ جاہلیت کے ایک شاعر نے انہی حالات کو دیکھ کر یہ شعر کہا تھا ؎ عند الشدائد تذھب الاحقاد، "سختی اور تکلیف کے پیش آنے پر کینہ رخصت ہو جاتا ہے"

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا قول نقل فرمایا ہے۔ اپنے باپ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں یَآ اَبَتِ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ = ابا جان میں ڈرتا ہوں کہ تم کو خدائے مہربان کہیں عذاب میں مبتلا نہ کردے" عذاب کے ساتھ مہربان کا لفظ کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے لیکن نکتہ رس علماء جانتے ہیں کہ اللہ تعالٰے کا عذاب بھی مبنی بر حکمت ہونے کی وجہ سے درحقیقت رحمت ہوتا ہے۔ بہاؤالدین آملی اپنی کتاب کشکول میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جہنم درحقیقت ایک تازیانہ ہے جس سے خالق تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت کی طرف ہانکتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنی مخلوق کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھ سے فائدہ لیں۔ اس لئے پیدا نہیں کیا کہ میں ان سے فائدہ حاصل کروں" ایک عارف کا قول ہے" میں یہ نہیں پسند کروں گا کہ قیامت کے دن میرا حساب کتاب میرے ماں باپ کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ماں باپ سے بہت زیادہ مہربان ہے" ایک حدیث قدسی میں آیا ہے جو صحیحین میں موجود ہے کہ رحمتی سبقت غضبی

میری رحمت میرے غضب پر مقدم ہے" لوگوں نے دنیا کی متاع قلیل پر ریجھ کر اپنے آپ کو حقائق کا علم حاصل کرنے سے بے بہرہ بنا رکھا ہے۔ آنکھیں کھلی ہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کان سلامت ہیں لیکن سننے سے محروم ہیں تحصیل دنیا کے لئے ہر ایک سرگرداں ہے۔ اگر اسکو کچھ سوجھتا بھی ہے تو وہ اپنی سمجھ کو تمام تر حصول خواہشاتِ نفسانی پر صرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

پندرہویں فصل

(ایک حیوان کا ذکر جس کا نام ہیدار ہے اور دیگر حیوانات کا ذکر)

(اسی ضمن میں خوردبینی جانداروں کا بھی ذکر آئے گا)

ایک دن پھر مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ اس وقت خاتون مذکور کے ہاتھ میں رسالہ حمیدیہ تھا جس کو وہ پڑھ کر تعجب کا اظہار کر رہی تھی۔ ابراہیم نے کہا کس بات پر تعجب کا اظہار ہو رہا ہے اس نے کہا۔ اس کتاب میں ایک حیوان مسمے ہیدار کا حال لکھا ہے۔ وہ بہت چھوٹا جانور ہے اور اسکی یہ خاصیت ہے کہ اگر اس کے سر اسکے درمیانی حصہ۔ اور اسکی دم کو کاٹ کر الگ الگ کر دیا جائے، اور اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیں تو چند دن کے بعد ہر ایک حصہ مکمل حیوان بن جاتا ہے۔ مثلاً سر کے ساتھ درمیانی حصہ اور دم از سرِ نو پیدا ہو کر جڑ جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ ابراہیم نے کہا۔ بلاشبہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیقِ کائنات میں کسی خاص قاعدے اور قانون کا پابند نہیں۔ حیوانات لاکھوں کی تعداد میں ہیں لیکن ہر ایک کا طرز زندگی۔ اعضاء اور قوائے کی نوعیت۔ اور ان کے افعال و خواص جداگانہ ہیں۔ بعض جاندار (مثلاً بعض قسم کے پرندے) ایسے ہیں جن کی آواز نہایت دلکش اور طرب افزا ہوتی ہے۔ مجھ کو سوڈان کے

ایک حاکم نے بتایا تھا کہ وہاں پر ایک وادی ہے جس کو وادی ریحان کہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کے پھولوں اور میووں کی کثرت ہے اور اس لئے وہاں پر حیوانات اور پرندوں کی بھی افراط ہے یہیں پر ایک پرندہ ملتا ہے جس کے نغمے عُود و چنگ سے کم نہیں میں نے اپنے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ اس پرندے کا ایک جوڑا تلاش کر کے لائے۔ اسکو اس پرندے کا ایک جوڑہ ملا جس میں سے وہ ایک کو تو پکڑ نہ سکا۔ البتہ ایک کو لے آیا۔ وہ جب میرے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بالکل چپ تھا میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے رفیق حیات کی جدائی سے پریشان ہے چنانچہ میں نے اپنے آدمی دوڑائے کہ اس دوسرے کو بھی جس طرح ہوسکے ڈھونڈھ لائیں لیکن وہ بے نیل مرام واپس آئے اور اطلاع دی کہ وہ اپنے رفیق کی جدائی کے غم میں گھُل کر مر چکا ہے۔ ادھر دیکھا تو دوسرے کو بھی مرا ہوا پایا۔ جب یہہ زندہ تھے تو دونوں کر ایسے دلکش نغمے گاتے کہ آدمی سُن کر جھُومنے لگتا۔ ان کی آواز رباب اور سارنگی کی آواز سے زیادہ دلکش اور وجد آور تھی۔ کیوں نہ ہو۔ رباب اور سارنگی تو انسان کی صنعت کا نتیجہ ہیں لیکن یہہ جوڑا خود قدرت کا شاہکار تھا۔ اول الذکر میں انسان تکلّف سے تاثیر پیدا کرتا ہے لیکن پرندوں کا چہچہانا اور نغمہ سرائی کرنا فطری ہے۔ جس عورت کا اپنا اکلوتا بیٹا مرا ہو اس کا بین اور جس کو اُجرت پر مقرر کیا گیا ہو اس کا بین کبھی ایک جیسا نہیں ہوسکتا اس کے برخلاف بعض جانوروں کی آواز بہت ہی مکروہ ہوتی ہے۔ مثلاً گدھا جس کا ذکر کلام مجید میں بھی ہے اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔ بے شک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔" من جملہ حیوانات کے جو شکل وصورت کے لحاظ سے خوبصورت اور جاذب نظر ہوتے ہیں پرندوں میں مور اور بعض قسم کے مرغ اور چوپایوں میں زرافہ ہے لیکن سب سے بڑھ کر حُسن وجمال کا مظہر نوع انسانی ہے جس کے پری مثال محبوبوں کے خط وخال جبابرۂ ملوک اور فیلسوف حکماء تک کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ شاعروں کی تمام تر قوتِ

بیانیہ الٰہی کے دقائق حسن و جمال کے منظوم کرنے پر صرف ہوئی ہے اور ہوتی ہے یہ تو تصویر کا ایک پہلو ہوا۔ اس کا دوسرا پہلو بعض دیگر حیوانات ہیں جن کو دیکھ کر آدمی تھرا جاتا ہے مثلاً اژدھا اور وحشی درندے وغیرہ بعض حیوانات کا جثہ بہت بڑا ہے۔ جیسے ہاتھی جسکی بلندی بارہ فٹ تک ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایسے جاندار بھی ہیں جو خوردبین استعمال کئے بغیر نظر تک نہیں آتے۔ پانی کی ایک بوند میں یہ خوردبینی جاندار ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ با ایں ہمہ ایک قطرۂ پانی کی وسعت ان کے حق میں دریائے ناپیداکنار ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان جانداروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان کی فصفوری کہلاتی ہے کیونکہ ان کے جسم میں فاسفورس کی طرح چمک ہوتی ہے اور جب وہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں جمع ہوکر سمندر کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پانی کو نورانی چادر سے ڈھانک دیا گیا ہے۔ یہ فصفوری جاندار دن رات ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں اور کبھی ایک جگہ پر نہیں ٹھہرتے۔ ان کے بہت چھوٹے جسم کا شاید تم اس سے اندازہ لگا سکوگی کہ اگر سولہ کروڑ جاندار جمع ہوں تو ان سب کا مجموعی وزن بمشکل ایک دانۂ گندم کے برابر ہوگا۔ اور پانی کی ایک بوند میں ان کی تعداد اس سے بھی زائد ہے جتنے کہ تمام روئے زمین پر آدمی رہتے ہیں! (یعنی دو ارب کے قریب)۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایک جاندار ان میں سے بہت تھوڑے وقت میں ہزاروں بچے جنتا ہے۔ اس ننھے سے جسم کے باوجود وہ اپنی زندگی بسر کرنے کے طریقوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور اس میں کسی چیز کی طرف مائل ہونے یا اس سے نفرت کرنے کا بھی جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے خطرات کو بھی محسوس کرسکتا اور ان سے بچنے کی تدبیر عمل میں لاسکتا ہے۔ اور باوجودیکہ ایک ہی قطرۂ آب میں وہ کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں لیکن ان میں اتنا شعور ضرور ہے کہ وہ

ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں۔ بجائیکہ وہ نہایت تیزی سے اِدھر اُدھر اُچھلتے کودتے ہیں اس خوردبینی جسم میں خوراک کو اپنے اندر پہونچانے کے آلات۔ اعضاء ہضم۔ توالدتناسل کا نظام۔ الغرض تمام اسباب حیات وبقاء موجود ہوتے ہیں فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ان خصفوری جانداروں کا حال پڑھنے سے اُن مسافروں کے قول کی تصدیق ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ جب ہم رات کے وقت بحر احمر کے پانی سے وضو کرتے ہیں تو ہماری ہوڑی شعلۂ آگ کی طرح چمکنے لگتی ہے انہی جانداروں کی موجودگی اس کا سبب ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو ان کا خالق۔ ان کے ظاہر اور باطن کے حالات کو جاننے والا۔ اور ان کے لئے اور اپنی سب مخلوقات کے لئے جملہ ضروریات کا مہیا کرنے والا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور جب ہمارا علم اِن ننھے جانداروں کے جملہ حالات جاننے سے قاصر ہے تو دیگر انواع و اقسام کی زمینی مخلوقات۔ فضا کے منظاہر جو ہیں مثلاً بادل بجلی اور بارش وغیرہ۔ اور اجرام علویہ سورج چاند ستاروں پر ہمارا محدود علم کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ سچ ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا = تمہیں تو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے "کہتے ہیں کہ علامہ زمخشری مصنفِ تفسیر کشاف نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اسکی قبر پر یہ ابیات لکھے جائیں ؎

یا من یرے مدّ البعوض جناحھا + فی ظلمۃ اللیل البھیم الالیل = اے وہ خدا جو گھپ اندھیری رات کی تاریکیوں میں مچھر کے پروں کا پھیلانا دیکھتا ہے۔ ویری مناط عروقھا فی نحرھا۔ والمخ فی تلک العظام النحّل = اور اسکے سینے میں جو رگوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور ننھی ننھی ہڈیوں کا گودا تک دیکھتا ہے۔ اُمنن علیّ بتوبۃ تمحوبھا۔ ما کان منی فی الزمان الاوّل = اپنے فضل وکرم سے مجھ کو توبہ کی توفیق عنایت کیجیو جس کے ذریعہ تو میری ان تمام گناہوں کو مٹا دے جو زمانہ سابق میں مجھ سے صادر ہوئے ہیں "

جس طرح جسامت کے لحاظ سے حیوانات مختلف ہیں اسی طرح ان کی عمریں بھی مختلف ہیں جرّی القلب جانور بزدل جانور سے زیادہ عمر پاتا ہے اور بّر و بحر کے حیوانات بمقابلہ پرندوں کے طویل العمر ہوتے ہیں۔ البتہ گدھ۔ طوطے۔ اور کوے کی عمر انسان کے برابر ہوتی ہے کہتے ہیں کہ گدھ کی بعض قسمیں دو سو سال تک زندہ رہتی ہیں۔ کچھوے کی عمر دو سو بیس سال بتائی جاتی ہے۔ اور ہاتھی کی عمر عموماً ایک سو سال کم و بیش ہوتی ہے۔ جرّی القلب جانور کی عمر زیادہ ہونے میں بھی حکمت ہے خالق تعالےٰ واقعات اور مشاہدہ سے ہمیں بتانا چاہتا ہے کہ حیات اور موت میرے ہاتھ میں ہے بزدل ہر چند پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اجل آنے پر وہ ہرگز نجات نہیں پا سکتا۔ اس کے بالمقابل جرّی القلب جانور ہر وقت اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا رہتا ہے لیکن جب تک اس کی زندگی لکھی ہے وہ زندہ ہی رہتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس حقیقت کو عربی نظم میں بیان کیا ہے جس کا ترجمہ فارسی میں نہایت خوبی کے ساتھ کسی نے اسطرح کیا ہے ؎ دو روز حذر کردنت از مرگ روانیست۔ روزیکہ قضا باشد و روزیکہ قضا نیست۔ روزیکہ قضا باشد کوشش نہ کند سود روزیکہ قضا نیست دروے مرگ روا نیست۔ اسی طرح مختلف جانوروں کے توالد و تناسل کی کیفیت مختلف ہے۔ دودھ پلانے والے جانوروں کا بچہ ماں کے پیٹ میں مکمل حیوان بن کر باہر آتا ہے بعض دوسرے حیوانات انڈے دیتے ہیں اور اس انڈے کے اندر جنین کی تخلیق ہوتی ہے جس کی غذا کا پورا انتظام اسی انڈے کے اندر ہوتا ہے۔ مثلاً پرندے اور رینگنے والے جانور۔ علےٰ ہذا القیاس حمل قبول کرنے اور بچے کو غذا پہونچانے کے بھی طریقے مختلف ہیں اکثر حیوانات (جن میں سے انسان بھی ہے) کی تمتع بغیر اسکے نہیں ہوتی کہ مذکر کا مادۂ تولید محفوظ طور پر مؤنث کے رحم میں پہونچ جائے۔ اگر اسکو ہوا لگ جائے۔ تو وہ قطعاً بیکار ہو جاتا ہے۔ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جن کا مادۂ تولید ہوا لگنے سے خراب نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مادہ کے انڈے پر

کھلی ہوا میں مادۂ تولید پھینکا۔ کر بقائے نسل کا سلسلہ قائم رکھتے ہیں بعض جانوروں کی جفتی کا وقت مقرر ہوتا ہے بعض کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اسی طرح دیگر حالات اور کوائف متعلق تلقیح میں بھی اختلاف ہے۔ اب بچے کو پرورش کرنے کا حال سن لیجئے کسی کے لئے تو اس کی ماں کے پستانوں میں پہلے ہی سے خالق حکیم تعالےٰ وتقدس دودھ بھر دیتا ہے۔ اور بعض کو اس کے ماں باپ چونگا دیتے ہیں مثلاً کبوترا ور چڑیا کے بچے بعض کی ماں اپنے بچوں کی صرف رہنمائی کرتی ہے اور وہ خود دانہ دنکا چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ جیسے مرغی کے بچے۔ اگر بچہ خود طلب غذا پر قادر نہیں تو اسکے ماں باپ دونو اس کی تربیت میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک رفیق حیات پر ڈبل بوجھ ڈالنا مناسب نہیں کہ بچے کو بھی کھلائے پلائے اور اپنے رزق کا بھی اہتمام کرے برخلاف اس کے جو بچے خود اپنی خوراک تلاش کر لیتے ہیں ان کی تربیت فقط ماں ہی کے ذمہ ہوتی ہے۔ انسان اور کبوترا ور چڑیا اوّل الذکر کی مثال ہے۔ اور مرغی مؤخر الذکر کی۔

جب عقلمند آدمی ان عوالم پر غور کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ سب ایک زبردست ارادے کے زیر قیادت ایک نظام عام کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ علویات اور سفلیات ایک دوسرے کے محتاج۔ ایک دوسرے سے وابستہ اور باہم متعاون ہیں۔ اگرچہ ہر ایک شخص یہہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی فلاح وبہبود کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہوں لیکن نادانستہ طور سے وہ دوسروں کی معاونت کر رہا ہے اور ایک ہمہ گیر نظام کی تکمیل میں مصروف ہے (تمام عالم کو ایک مشین فرض کرلیں تو ہم سب ایک ہی کل کے پرزے ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لو) ذیل کا استدلال مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ایک معتزلی نے مجلس مناظرہ میں ایک سنّی سے کہا۔ یہہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالےٰ مجھ سے اپنی ہدایت روک لے اور پھر مجھ کو جہنم کی سزا دے تو اس نے اچھا کیا یا برا؟ اس سنی نے جواب میں کہا کہ اے میاں! اگر اس نے تم سے اس چیز کو روکا جو درحقیقت تمہاری

بھی پھر تو اس نے برا کیا۔ اور اگر اس نے کوئی ایسی چیز تم کو نہیں دی جو اس کی بھی تو پھر تم اس پہ کیا اعتراض کر سکتے ہو۔ اسکی اپنی چیز ہے۔ اس میں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔ تم کو دے یا نہ دے اس سے تمہیں کیا۔ کلام مجید میں ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ = جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا (اس سے بھلا پوچھنے والا کون؟) لیکن وہ ضرور پوچھے جائیں گے۔ (کیونکہ وہ ذمہ دار مخلوق ہیں)۔"

سولہویں فصل

(قیامت کے دن اور جزا و سزا کے ثبوت پر عام فہم عقلی دلائل)

اس تمام گفتگو کے بعد ابراہیم نے کہا۔ گذشتہ مباحث میں ہم نے قدرت کاملہ باری تعالیٰ کے اثبات میں کثرت سے دلائل پیش کئے ہیں اور وہ سب عقلی ثبوت ہیں۔ ہر ایک شخص جو فہم سلیم سے بے بہرہ نہیں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن کیا تم کو کوئی ایسی دلیل بھی معلوم ہے جس سے قیامت کے آنے اور جزا سزا کے ہونے پر عقلی طور سے استدلال کیا جا سکے۔ بشرطیکہ وہ دلیل علم کلام کی کتب میں اس سے پہلے نہ لکھی گئی ہو۔ علم کلام کی تصنیفات میں عموماً اس موقعہ پر یہہ لکھ دیتے ہیں کہ آخرت کا ثبوت سمعی ہے۔ جس سے ان کی مراد یہہ ہوتی ہے کہ جزا اور سزا کا وجوب اور قیامت کے دن کا وقوع ہم کسی عقلی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتے۔ خاتون مذکور نے کہا۔ مجھے تو کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں۔ ابراہیم نے کہا لیکن مجھ کو ایک عقلی دلیل سوجھی ہے جس کی خوبی ارباب عقل و دانش سے پوشیدہ نہیں۔ یہہ سنکر خاتون کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اور اس دلیل کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئی۔ ابراہیم نے کہا۔ جس کو خدائے تعالیٰ نے چشم بصیرت عطا کی ہے وہ اگر اس عالم کے نظام اور اس کے

قوانین کو جن پر یہہ نظام چل رہا ہے اور انسان حیوان کی فطرت کو بنظر غور مشاہدہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ ان تمام قوانین کی بنا سچّائی اور عدل پر ہے جس میں باطل کی مطلق آمیزش نہیں۔ آفتاب اور دیگر ستارے اور سیارے غیر محدود فضا میں اپنے اپنے مدار پر ایک مقررہ نظام کے مطابق حرکت کر رہے ہیں اور ان کی یہہ حرکات ایسے منظم طور پر وقوع میں آتی ہیں کہ مدّتوں سے یہہ نظام قائم ہے لیکن مجال ہے کہ ذرہ بھر اس میں خلل آئے۔ اسی طرح سفلیات میں بھی قاعدے اور نظام کی پابندی دیکھی جاتی ہے۔ ہر ایک حیوان اور ہر ایک درخت اور پودے کے لئے نشوو نما پاتے اور اس دنیائے فانیہ میں اپنے اپنے طرز پر زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ مُعیّن کیا گیا ہے وہ اس سے سر مو انحراف نہیں کرتا (اور اگر بالفرض انحراف کرے تو فوراً اس کی سزا پاتا ہے)۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عقول انسانی عدل اور انصاف اور پابندیٔ قوانین و احکام کو اچّھا سمجھنے پر مجبور ہیں۔ ہر ایک شخص فطرتاً عدل اور انصاف کو اچھا سمجھتا ہے اور ظلم اور کجروی کو برا خیال کرتا ہے۔ یہہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تمام منظم حکومتوں کی قانون ساز اور اجراء قوانین کی ذمہ دار جماعتیں قوانین اور احکام میں بہہ حال عدل اور راستی کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ اور مقدمات کی چھان بین میں ان کی عدالتیں ظواہر کے علاوہ بواطن امور کی تحقیق کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی ہیں جس سے ان کا مقصد یہہ ہوتا ہے کہ قانون اور عدل کی حُرمت قائم رہے۔ تم نے دیکھا اور سُنا ہوگا کہ اصلی مجرم کا پتہ لگانے کے لئے دُوَل یورپ کو بعض اوقات بے دریغ روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے اور دور دراز ملکوں میں اصلیت کا سراغ لگانے کے لئے آدمی بھیجنے پڑتے ہیں اور یہہ سب اس لئے کہ بنی نوع انسان کی فطرت میں نیکی کی جزا اور بُرائی کی سزا کو عدل و انصاف کے اصول پر انجام دینے کی خوبی بالبداہت ضرورت مرکوز ہے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ ہر ایک گھرانے کا بڑا آدمی گھر والوں کی حرکات سکنات کی نگرانی

رکھتا ہے۔ اور ہر ایک رکن خاندان کے ساتھ اسکے طریق عمل کے مطابق برتاؤ کرتا ہے۔ بلکہ ہر ایک آدمی خواہ کتنا ہی معمولی عقل وفہم رکھتا ہو اگر کسی کو دیکھے کہ دوسرے پر بے وجہ دست درازی کر رہا ہے تو وہ بے ساختہ مظلوم کی حمایت پر آمادہ ہو جاتا ہے "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا = یہہ اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا"۔ انسان کو جانے دو۔ حیوان میں بھی عدل وانصاف کو پیش نظر رکھنے اور اسکی پابندی کرنے کی فطرت برابر موجود ہے۔ علم الحیوانات کے ماہرین جانتے ہیں اور ان کی کتابوں میں اس قسم کے کئی ایک واقعات لکھے ہیں کہ بندروں اور کوّوں نے مجرموں کو اثبات جرم کے بعد سزائیں دی ہیں۔ ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یقینی طور سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ تمام بنی نوع انسان حتے کہ حیوان بھی عدل کی پابندی کو فطرتاً ضروری سمجھتے ہیں اور یہی وہ قانون ہے جس پر آسمانوں اور زمینوں کا نظام قائم ہے۔ علوم متداولہ یعنی علم ہئیت۔ علم نبات۔ علم حیوان علم سیاست واحکام۔ علم منطق۔ علوم ادبیہ مثلاً صرف ونحو۔ معانی وبیان اور بدیع پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان سب علوم کی بنا قوانین پر ہے۔ الغرض مجرموں کو سزا دینا اور جزا سزا کے قوانین مقرر کرکے ان کا اجراء کرنا اسی نظام عمومی کا ایک شعبہ ہے۔ لیکن اس دنیا کے حکام اور عدالتیں ہرچند عدل وانصاف کو عمل میں لانے کے متعلق جہد بلیغ کرتی ہیں پھر بھی ان کے احکام ظاہری ثبوت یا عدم ثبوت تک محدود رہتے ہیں۔ باطن کا ان کو علم نہیں ہو سکتا شہادت بالفرض جھوٹی بھی ہو لیکن اگر اس کا جھوٹا ہونا حاکم کے نزدیک ثابت نہیں ہوا تو وہ یقیناً اس شہادت ہی کی بنا پر فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح بسا اوقات مجرم کو بری قرار دیا جاتا ہے اور بیگناہ کو سزا مل جاتی ہے۔ اس لئے ہمارا ضمیر بھی کہتا ہے (اور ہر ایک سلیم الفطرت بھی کہے گا) کہ کوئی ایسی عدالت ہونی چاہئے جس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جایا کرے

کوئی غیر مجرم سزایاب نہ ہو اور کوئی حقیقی مجرم سزا سے بچ نہ سکے۔ نیکوکار اپنی نیکی کا بدلہ پائیں۔ انعام واکرام سے سرفراز ہوں۔ اور بدکردار کیفر کردار کو پہونچ جایا کریں۔ علوم طبعیہ میں یہ نظریہ مسلّم ہو چکا ہے کہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی اور کوئی چیز نتیجہ بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ کوئی حرکت۔ کوئی برقی تموج۔ کوئی حرارت یا روشنی معدوم ہو کر ضائع نہیں ہو جاتی۔ (ریڈیو کی ایجاد جو زمانہ حال کی سب سے بڑی ایجاد ہے اسی نظریہ کی بنا پر ہوئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور اسی نظریہ کی بنا پر سائنس داں اس بات کو ممکن خیال کرتے ہیں کہ غالباً مستقبل قریب میں زمانۂ ماضی کی گفتگوئیں بھی ایتھر سے اخذ کی جاسکیں گی۔ مترجم)۔ تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ انسان کے اعمال اور افعال ضائع چلے جائیں۔ نیکی کرنے والے کو ثواب سے محروم رکھا جائے اور برائیاں کرنے والے کو کچھ بھی عذاب نہ ملے کیونکہ اس دنیا میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ایک مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ برائی کرنے والے عیش کرتے اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں برخلاف اس کے بہت سے نیک نہاد اور نیک اعمال لوگ کئی قسم کی تکالیف میں مبتلا رہ کر اس عالم فانی سے رخصت ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کسی طرح بھی معقول معلوم نہیں ہوتا کہ آخرت اور آخرت کی جزا سزا نہ ہو۔ (بندے تو دنیا میں عدل وانصاف قائم کرتے پھریں اور ان کے مالک خدا کے ہاں جزا سزا کا کوئی انتظام ہی نہ ہو۔ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔ تو پاک ہے۔ ہمارے لئے سخت نامناسب ہے کہ ہم اس بارے میں کچھ کہیں۔ تو پاک ہے۔ جو کچھ ہم نے سنا وہ سخت سفید جھوٹ ہے"۔

یہ آیت حدیث افک کی متعلقہ آیات میں سے ہے اور ان آیات میں خدائے پاک نے اسی قسم کی دلیل استعمال کی ہے۔ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوا هٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ یعنی جب تم نے رسول خدا صلعم کی بی بی پر تہمت

لگاتے ہوئے لوگوں کو سنا تو کیوں نہ اپنے گریبان میں موہنہ ڈال کر اس بات پر غور کیا کہ چونکہ ہم عام مسلمان اپنی بیویوں کے بارے میں اس قسم کی بدگمانی نہیں کرسکتے تو پیغمبر خدا صلعم کی شان تو اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے" فاضل مصنف بھی بعینہ اسی قسم کا استدلال کر رہا ہے کہ جب ہم لوگ ایک عاجز اور تقصیروار مخلوق ہونے کے باوجود عدل کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے عمل میں لانے کے لئے کئی جتن کرتے ہیں تو کیا خدائے قدوس جس کی شان یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ = بے شک اللہ تعالےٰ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا" وہ اپنے بندوں کو مطلق العنان چھوڑ دیگا کہ جو چاہیں کریں ؟ چند روز زندہ رہ کر مریں۔ نہ کسی کو اسکی بدکرداری کی سزا ملے اور نہ کسی کو نیکی کا صلہ عطا کیا جائے مترجم) ہم اس دنیا میں بچشم خود دیکھتے ہیں کہ کانٹوں کی جگہ خوش ذائقہ لذیذ پھل نہیں لگتا اور لذیذ میووں کی بجائے کانٹے نہیں اگتے ؎ گندم از گندم بروید جو زجو۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو اقوال تک اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتے۔ اچھے اقوال اور اچھا بول دوسرے کے دل میں محبت کا بیج بوتا ہے۔ برے الفاظ سن کر جی کھٹا ہو جاتا ہے اور اس کا اثر مدتوں زائل نہیں ہوتا۔ انسان کے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں اور جو خطرات اس کے قلب پر گذرتے ہیں ان کے نتائج اخلاق اور اعمال کی صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ الغرض سبب و مسبّب اور اعمال و نتائج کا اصول ہمہ گیر ہے۔ جا بجا تمہیں اس کا جلوہ نظر آئے گا۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہم یقین کرتے ہیں کہ ایک ایسا دن وقوع میں آنے والا ہے جس میں سب لوگوں کو رب العالمین کے حضور میں پیش ہو کر اپنے اعمال نیک و بد کی جزا اور سزا بھگتنی پڑے گی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک چیز ایک مقررہ نظام اور قانون پر چل رہی ہے ایک انسان ہے جو آزادانہ طور پر جو کچھ اس کے جی میں آتا ہے کر گذرتا ہے۔ اور اس کے

اعمال کے نتائج اکثر اوقات قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ظہور میں نہیں آتے۔ اس لئے اسکے اعمال کا کسی ایسے میزان میں تولا جانا ضروری قرار پاتا ہے جس کے وزن میں رتی بھر کا فرق بھی ممکن نہ ہو کسی گھرانے کے بڑے آدمی کو تو یہہ فکر دامن گیر ہو کہ ہر ایک رکن خاندان کے ساتھ اس کے اپنے ہی طرز عمل کے مطابق برتاؤ کرے۔ لیکن رب الارباب اور رب العالمین کے ہاں کوئی اس قسم کا انتظام نہ ہو! اسی مضمون کو کلام مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ = کیا وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کئے ان سے ہم وہی سلوک کریں گے جو زمین میں خرابی مچانے والوں کے ساتھ کرنا مناسب ہے۔ یا یہہ ہو سکتا ہے کہ ہم پرہیزگاروں اور فاسق فاجر لوگوں کو ایک لکڑی سے ہانکیں" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ = کیا ہم اپنے فرماں بردار بندوں سے وہی سلوک کریں گے جو مجرموں سے کرتے ہیں؟ تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑے ہیں۔ (ذرا سوچو تو سہی) کیسا حکم لگاتے ہو؟" تیسری جگہ فرماتا ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ کیا وہ لوگ جنھوں نے اعمال بد میں اپنی عمریں بسر کیں یہہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان سے ویسا ہی برتاؤ کریں گے جو نیک عمل مؤمنوں کے ساتھ ہم کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کی موت ایک جیسی ہوگی؟ بہت برا فیصلہ کر رہے ہیں (جو یہہ کہتے ہیں کہ یہہ سب خدائے پاک کے نزدیک ایک برابر ہیں)" ایک چوتھی آیت بھی سن لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ = اللہ تعالے وہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ (حکمت اور صواب پر مبنی کر کے) اپنی کتاب نازل

فرمائی۔ساتھ ہی (ہر ایک چیز کو ایک نظام کے ساتھ چلانے کے لئے) میزان مقرر فرمایا اور تمہیں کیا خبر ہے کہ شاید قیامت عنقریب آنے والی ہو" نزول کتاب اور تقرر میزان کا ذکر کرکے یہہ فرمانا کہ "شاید قیامت قریب ہے" یہہ خاص معنے رکھتا ہے کہ قیامت کا آنا "میزان" اور انزال کتاب ہی کا تتمہ اور تکمیل ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ اسی آیت کا دوسرا جزو یہہ ہے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ = جن کے دلوں میں ایمان نہیں وہ (قیامت کے آنے کو تمسخر سمجھ کر) اسکے آنے کی تعجیل کرتے ہیں۔ اور مومن لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔(کیونکہ) وہ جانتے ہیں کہ وہ سچ مچ آنے والی ہے۔ بے شک وہ لوگ جو قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں"۔ کیونکہ ان کو موازین عالم اور اس کے نظام کی حقیقت کا علم نہیں۔ نہ تو وہ اپنی عقل سے (اللہ تعالےٰ کے نظامات کو دیکھکر) ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالےٰ کی نازل کردہ کتابوں پر یقین رکھتے ہیں

میرے نزدیک قیام قیامت کے حق ہونے کی ایک اور بھی عقلی دلیل ہے جس کو علماء اور اذکیا نے پسند کیا ہے۔ وہ یہہ ہے کہ تمام بنی آدم خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کے ہوں اپنی یادگار قائم رکھنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے ان کی یاد باقی رہے کوئی کتبوں پر اپنا نام اور کارنامے لکھتا ہے۔ کوئی کتابیں تصنیف کرتا ہے۔ کسی کو شاندار عمارات اپنی یادگار چھوڑ جانے کا شغف ہوتا ہے۔ خلاصہ یہہ کہ ہر ایک کسی نہ کسی صورت میں خلود اور بقا کا خواہاں ہے۔ اسی طرح کوئی بھی ان میں سے خوشی سے موت نہیں چاہتا اور تطویل حیات کے لئے ہزار جتن کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ یہہ بھی ایک امر مشاہد ہے کہ جملہ سکان زمین خواہ وہ کسی قوم کے ہوں اپنے اموات کی زیارت کو مستحسن سمجھتے ہیں اور ان کے لئے خیراتیں

کرتے ہیں۔ یہہ تینوں باتیں انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔ کوئی قوم صفحہ زمین پر ایسی نہیں
جس کی فطرت کا یہہ تقاضا نہ ہو۔ فطرت ہمیشہ سچی ہوتی ہے اور اس کا جھٹلانا بدیہات کے
انکار کرنے کے مرادف ہے۔ اس لئے ہم اس سے یہہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ موت
کے معنے عدم کے نہیں۔ موت کے بعد ہم باقی رہتے ہیں اور ہماری ارواح غیرفانی ہیں یہہ جو
ہم نے کہا کہ "فطرت ہمیشہ سچی ہوتی ہے" اسکو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو تمام علوم عقلیہ پر کامل عبور
رکھتا ہو۔ اہل علم جانتے ہیں۔ کہ تناول غذا کی خواہش صنف نازک کی طرف میلان۔ جذبۂ
مدافعت وانتقام جس کو علماء اخلاق قوت غضبیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ نیز دیگر صفات باطنی
شلاً حیاء۔ شجاعت وغیرہ سب فطری جذبات ہیں جن کی تخلیق خاص اغراض کے لئے ہوئی ہے
اور فوائد جلیلہ کا حصول ان کی تخلیق سے مقصود ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فطرت کبھی
جھوٹی نہیں ہوتی۔ اس لئے خلود اور بقاء کی تمنا کرنا بھی اسبات کی دلیل ہے کہ موت کے بعد
عالم آخرت میں بقاء اور خلود ہمارے لئے مقدر کیا گیا۔ تمام اقوام عالم میں زیارت قبور اور
خیرات وغیرہ کا مروّج ہونا یہہ ثابت کرتا ہے کہ ہماری روح کو فنا نہیں اور جزا وسزا حق ہے۔ ایک
اور دلیل عرض ہے تحصیل کمال کے متعلق ہماری حرص اور ہمارا شوق غیرمحدود ہے۔ ایک حدیث
میں آیا ہے۔ دو شخص ہیں جن کی آتش شوق کبھی بجھنے میں نہیں آتی۔ طالب علم اور طالب مال
ہر ایک شخص خواہ کتنا ہی عالی مرتبہ اسکو حاصل ہو چاہتا ہے کہ اس سے بالاتر مرتبہ حاصل کرے
اس فطری جذبہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مراتب عالیہ سے جو ہم اس عالم فانی میں
مشاہدہ کرتے ہیں اعلیٰ تر مراتب اور مقامات کسی دوسرے عالم میں یقیناً موجود ہیں یہی وجہ ہے
کہ دنیاوی مراتب اور دنیاوی کمالات کے حصول سے ہم مطمئن نہیں ہوتے اور ہمارے دلوں
کو تسکین حاصل نہیں ہوتی (اب جبکہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی معرفت ہمیں خبر دی

گئی ہے کہ ایک ایسا عالم موجود ہے جس میں ہماری تمام مرادیں پوری ہوں گی۔ لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۔ نیک عمل مؤمنوں کے لئے آخرت میں وہ تمام باتیں میسر ہوں گی جن کی وہ خواہش اور تمنا کریں گے اور ہمارے ہاں تو کسی چیز کی کمی نہیں'' (ان کو وہ نعمتیں عطا کی جائیں گی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ جیسے کہ ایک گنوار جنگل کا رہنے والا ان نعمتوں کا کبھی تصور تک نہیں کر سکتا جو طبقۂ علیا کے اُمرا و اغنیاء کو متمدن ممالک میں میسر ہوتی ہیں) ہاں تو کہنا یہ تھا کہ جب مُخبرِ صادق نے ایک ایسے عالم کے وجود کی واضح الفاظ میں خبر دی ہے تو کیوں ہم اسکی تصدیق پر آمادہ نہ ہوں؟ ۔مترجم)۔ اس کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ اس قسم کا استدلال میں نے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا۔ یہ میرے اپنے ذہن وقاد کا نتیجہ ہے۔ اسی دلیل مذکورہ بالا کی تکمیل یا مزید توضیح کے لئے پھر یہ بھی لکھا ہے کہ تمام اقوام عالم میں خواہ وہ کتنے ہی وحشی اور غیر متمدن کیوں نہ ہوں یہاں تک کہ بحرالکاہل کے دورافتادہ جزائر کے باشندے بھی خالقِ معبودِ جلّ و علا کی ہستی کو مانتے اور کسی نہ کسی طریق پر اسکی عبادت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جزا و سزا کا عقیدہ اور مذہب کی پابندی انسان میں فطری ہے۔ خاتون مذکورہ نے اس تقریر کو بہت پسند کیا اور یہ مجلس ختم ہوئی۔

سترہویں فصل

(یہ فصل فریقین کی دلچسپ گفتگو اور اچھوتے مضامین پر مشتمل ہے)

دوسری مجلس منعقد ہونے پر پھر گفتگو شروع ہوئی جس کا موضوع علمی مباحث تھے۔ علماء اور حکماء کو انہی باتوں میں مزہ آتا ہے اور یہی ان کا سرمایۂ حیات ہے۔ ابراہیم نے

خاتون جمال سے (جمال بی بی اس خاتون کا نام ہے) درخواست کی کہ وہ کسی قدیم بنا کے عجائبات بیان کرے یا کسی ایسی خوبصورت عمارت کا حال بتلائے جس کی نظیر دنیا بھر میں مفقود ہو۔ خاتون جمال نے کسرئے نوشیرواں کے عالیشان محل۔ نعمان بن منذر والی حیرہ کے قصر بے مثال۔ فراعنہ کی بے نظیر یادگار اہرام مصر۔ فرانس کے مشہورِ عالم برج ایفل ٹاور۔ مالک اٹلی کے عجیب و غریب مینارِ مخفی اور دیگر عجائبات کا نام لیا لیکن ابراہیم کے قیافہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان سب کو بنظر حقارت دیکھتا ہے اور ان کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کوئی حکیم فیلسوف ان کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے۔ خاتون جمال نے اسکی یہ بے اعتنائی دیکھکر منارۂ بابل۔ تختِ بلقیس۔ صرحِ ہامان اور باغ ارم کا ذکر کیا تو ابراہیم سے نہ رہا گیا اور کہنے لگا جو حیرت انگیز بنا میرے پیش نظر ہے اسکی کیفیت مجھ سے سُنو لیکن پیشتر اس سے کہ میں تم کو بتاؤں کہ اس عجیب و غریب بنا سے میری کیا مراد ہے پہلے میں اس کو ایک تمثیل کی صورت میں پیش کروں گا۔ وہ ایک خوبصورت اور دلکش محل ہے جو دو ستونوں پر قایم ہے یہ ستون حُسن ترکیب اور خوبصورتی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ یہ ستون نہ تو مٹی کے ہیں اور نہ پتھر کے اور نہ کسی ایسے مادے سے بنے ہیں جن سے عام طور پر ستون اور مینار بنائے جاتے ہیں۔ یہ مادہ نہ تو آسمان سے نازل ہوا ہے اور نہ زمین کی پیداوار ہے۔ یہ ستون لکڑی کو چھیل یا تراش کر نہیں بنائے گئے اور نہ سونا چاندی ان کی ساخت میں استعمال ہوا ہے۔ اس قصر کے اطراف میں نہریں جاری ہیں۔ ایک نہر آب شیریں کی ہے لیکن دوسری کا پانی کھاری اور نمکین ہے۔ باوجودیکہ ان ستونوں پر ساری عمارت کا بوجھ ہے پھر بھی ان کا مادہ جس سے کہ وہ بنے ہیں جیلی (JELLY) کی مانند نرم ہے (البتہ ان کے درمیانی حصہ میں فولادی مادہ کے پایپ ضرور لگے ہوئے ہیں)۔ اس قصر کی خوبصورتی

بڑھانے کے لئے اس میں مخملی گھاس کے چمن بھی ہیں جن کو دیکھ کر شاعروں کے دل لوٹ جاتے ہیں اور جن کی تعریف میں وہ اپنی قوت بیانیہ صرف کر ڈالتے ہیں۔ یہ شاندار قصر شاہی ایک سہ منزلہ محل ہے۔ اس کے تمام کمرے برقی روشنی سے منور رہتے ہیں۔ بالائی منزل میں بادشاہ سلامت مع اپنے وزراء اور مشیران مملکت کے رہتے ہیں۔ اس میں ٹیلیفون ایکسچینج ہے جس کی شاخیں قلمرو کے ہر ایک گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جوں ہی کوئی چھوٹا یا بڑا حادثہ وقوع میں آتا ہے بادشاہ کو فوراً اسکی اطلاع ہو جاتی ہے اور اسکا ہر ایک آرڈر بھی انہی تاروں کے ذریعہ ایک سکنڈ کی کسر میں محل مقصود تک پہونچ جاتا ہے جسکی تعمیل میں ذرہ بھی دیر نہیں لگتی ہے۔ یہ منزل جو شاہی مسکن ہے ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اس کا صرف ایک دروازہ ہے اور اس پر ایک ایسا متشدد دربان مقرر ہے جو کسی کو بھی شاہی اجازت کے بغیر اندر نہیں آنے دیتا۔ اس کے ساتھ اور بھی اسکے اعوان و انصار ہیں جو اسکے حکم سے ذرہ بھی سرتابی نہیں کرتے۔ اس منزل کا استحکام بھی مسکن سلطانی کے مناسب حال ہے۔ اس سے نیچے کی منزل جس کو دوسری منزل کہو یا طبقۂ وسطےٰ سے تعبیر کرو بالائی منزل سے فراخ تر ہے۔ ان دونوں منزلوں کا آپس میں اتصال بھی ایک عجیب و غریب ستون کے ذریعہ کیا گیا ہے یا یوں کہو کہ بالائی منزل ایک واحد ستون پر قائم ہے۔ بہر کیف اس دوسری منزل میں راشن کا ایک وافر ذخیرہ ہے اور تمام اہل قصر کو یہیں سے اس کی شان اور اس کے درجہ کے مطابق غذا پہونچائی جاتی ہے (بیٹھے بٹھائے مل جاتی ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ موہنہ میں ڈالدی جاتی ہے اور دانت تک نہیں ہلانے پڑتے) اس قصر شاہی کے سکان کی کثرت اور اس حیرت انگیز نظام کو دیکھ کر آدمی حیران ہوتا ہے اور بیساختہ موہنہ سے نکل جاتا ہے کہ لیس فی الامکان ابدع مما کان (اس کا ترجمہ گذر چکا)۔ خلاصہ یہ کہ تمام سکان قصر کو اپنی اپنی جگہ پر کھانا پہونچ جاتا ہے اور ہر ایک ایک معین مقدار اس کی

سے لیتا ہے۔ اسی منزل کے ایک راستے میں گذر کر میں ایک ایسے مقام پر پہونچا جہاں شاہی باورچی خانہ ہے اور جہاں پر ان سب سکّان قصر کے لئے کھانا تیار ہوتا ہے۔ اسکو قصر کی تیسری منزل سمجھیں۔ ایک عجیب باورچی خانہ ہے خود بخود دیگچت ورپز ہوتی رہتی ہے اور خالص طعام اور فضلہ کی علیحدگی بھی خود بخود ہو جاتی ہے۔ خالص طعام تو اہل استحقاق کو پہونچا دیا جاتا ہے اور فضلہ نالیوں کے ذریعہ باہر کی طرف پھینکدیا جاتا ہے۔ غلیظ فضلہ الگ۔ اور رقیق سیال فضلہ الگ۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کارخانہ کے عمّال دن رات کسی وقت اپنے کام سے غافل نہیں ہوتے۔ وہ اپنے فرائض میں کسی قسم کا تساہل نہیں کرتے اور نہ ہی بجاآوری فرائض میں ان کو ذرہ بھر تکان محسوس ہوتی ہے۔ یہ تیسری منزل جو سب سے نیچے واقع ہو ان دو چلتے پھرتے ستونوں پر قائم ہے جس کا ذکر مضمون کے آغاز میں کیا گیا۔ ابتداء میں یہ ذکر کرنا بھول گیا تھا کہ یہ دونو ستون جن پر اس قصر کی بناء قائم ہے ہر وقت متحرک رہتے ہیں اور اس عالیشان قصر کو حکم شاہی کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے ہیں۔

جب ابراہیم اپنی تقریر میں یہاں تک پہونچا تو خاتون جمال کہنے لگی کچھ شک نہیں کہ اگر وہ قصر شاہی انہی اوصاف کا ہے جو آپ نے بیان کئے تو یقیناً اس کا وجود اعجوبۂ روزگار ہو پھر کچھ دیر تک وہ سوچتی رہی اور جب تمام کائنات عالم کے اوصاف اور خصائص پر غور کر چکی تو کہنے لگی کہ یقیناً یہ محل نہ تو شیشے کا بنا ہوا ہے اور نہ وہ سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ بااین ہمہ یہ عمارت سب سے عجیب ہے اور جو کچھ آپ نے اسکی تعریف میں کہا وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ آپ کی مراد اس سے ہیکل انسانی ہے جس کو اس کے رب قدیر نے احسن تقویم میں پیدا کیا۔ آپ نے جن نہروں کا ذکر کیا وہ اس کے موہنہ کا لعاب اور اس کے آنسو اور کان کی رطوبت ہے۔ اوّل الذکر سیال شیریں ہے اور ہر دو موخرالذکر کھاری

ہیں۔اس کا مخاطی مادہ جو اس کی ناک سے نکلتا ہے مکروہ اور گھنونی چیز ہے۔مخملی گھاس کے چمن اس کے بال ہیں جو محبوبوں کی زلفیں بن کر ان کے اندویا حسن وجمال کا باعث ہوتے ہیں۔اور شعراء ان کی تعریف کے پل باندھنے سے نہیں تھکتے۔برقی روشنی جو تینوں منزلوں میں پھیلی ہوئی ہے مادۂ حیات اور روح حیوانی ہے اور اسکے اعصاب برقی تاریں ہیں جو جسم کے ذرے ذرے سے خبر لاتے اور ذرے ذرے تک شاہی حکم (جو احکام دماغ سے صادر ہوتے ہیں) پہونچانے کا ذریعہ ہیں اور جن کا مرکز اور محل اجتماع دماغ یعنی جسم کی بالائی منزل میں ہے بعض ان میں اعصاب حس ہیں اور بعض اعصاب حرکت۔حس کے اعصاب ہر قسم کے احساسات کو دماغ تک پہونچاتے ہیں اور دوسری قسم کے اعصاب دماغ سے صادر شدہ احکام اپنی اپنی جگہ پہونچا کر عضلات کے ذریعہ ان مقامات مطلوبہ کو حرکت میں لاتے ہیں۔داس کی ایک نہایت عمدہ اور عام فہم مثال یہ ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ کی انگلی دانستہ یا نادانستہ طور پر آگ کی چنگاری سے چھو جائے تو وہ عصب جس کا سرا یہاں تک پہونچا ہوا ہے فوراً اس کا اثر محسوس کرلیتا اور اسکی خبر دماغ کے مرکز احساس تک پہونچا دیتا ہے۔دماغ سے حکم صادر ہوتا ہے کہ آگ کے مہلک اثر سے بچنے کے لئے انگلی کو فوراً اپنی جگہ سے ہٹا دینا چاہئے۔یہ حکم ایک دوسرے عصب کے ذریعہ سے جو اعصاب حرکت سے تعلق رکھتا ہے انگلی کو پہونچا دیا جاتا ہے۔اس حکم کے پہونچتے ہی فوراً انگلی کے عضلات سکڑ کر خطرے کے مقام سے انگلی کو ہٹا دیتے ہیں۔یہ تمام عمل اس سرعت سے انجام پاتا ہے کہ خود وہ آدمی جس کے اندر یہ عملیہ ظہور میں آتا ہے بمشکل اس عمل کے تمام اجزاء کا تصور کرسکتا ہے۔ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔مترجم)۔منزل بالائی سے آپ کی مراد کاسۂ سر ہے جو عقل وادراک کا مرکز اور مجمع حواس ظاہر و باطن ہے۔قوت باصرہ۔سامعہ۔شامہ۔ذائقہ اور

لامسہ حواس خمسہ ظاہری ہیں اور ان سب کا مسکن سر ہے۔ ایک حس لمس سارے جسم میں
پھیلا ہوا ہے اور وہ صرف اس چیز کی خبر دے سکتا ہے جو اس سے چھو جائے۔ باقی حواس
دور دور کی خبریں لاتے ہیں۔ حسِ لمس حیوان میں ایک ابتدائی خاصیت ہے اور اس لئے
کیڑوں تک میں یہ پائی جاتی ہے۔ دیگر حواس کی مثال طلیعۂ فوج۔ ایکشن جماعت اور
جاسوسوں وغیرہ کی ہے لیکن حسِ لمس پولیس کے سپاہی کی طرح اپنی جگہ پر پہرہ دینے
کی ڈیوٹی پہ مامور ہے۔ اس بالائی منزل کو ایک ستون پر قائم بتایا گیا ہے اور وہ گردن ہے
وسطی طبقہ یا دوسری منزل سے مراد انسان کا سینہ ہے۔ اسی کے دونو جانب پھیپھڑے
ہیں جو خون صاف کرنے کا عمل انجام دیتے ہیں۔ آکسیجن کو اندر کھینچتے اور کاربانک ایسڈ
گیس کو باہر نکالتے ہیں۔ اور دل پمپ کی طرح اس صاف شدہ خون کو جسم کے تمام اجزا
میں پھیلا دیتا ہے جسم میں رگوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے جن کے سرے جسم کے کونے کونے
تک پہونچے ہوئے ہیں۔ یہ خون کی رگیں جو شرائین کہلاتی ہیں جسم کے ہر ایک جزو کو اس کی
ضرورت کے موافق غذا لے کر اسکی پرورش کرتی ہیں۔ اگرچہ خون کے اجزا بظاہر متساوی
معلوم ہوتے ہیں اور پانی کی طرح ایک معمولی سیال دکھائی دیتا ہے لیکن عجیب بات یہ
ہے کہ یہی خون اعضا کثیفہ میں کثیف اور ٹھوس شکل اختیار کر لیتا ہے اور لطیف اجزا کے
لئے نہایت لطیف غذا بن جاتا ہے۔ ہر ایک عضو کا الگ نظام اور جداگانہ عمل ہے۔
(فزیالوجی پڑھنے سے یہ مضمون زیادہ واضح ہو جائے گا)۔ سب سے نچلی منزل پیٹ ہے
جس میں معدہ اور امعا محفوظ ہیں۔ یہی اس شاہی محل کا باورچی خانہ ہے۔ اور اسی میں
طبخ طعام کا عمل انجام پاتا ہے۔ موادِ نازلہ وہ مواد جو موہنہ کے راستے اس میں پہونچے
ہیں) کا وہ حصہ جو غذا کے قابل ہے جگر میں چلا جاتا ہے۔ اور خون کی صورت میں تبدیل

ہوکر دل میں پہونچایا جاتا ہے جہاں سے وہ رگوں کے ذریعہ جسم کے ہر ایک حصہ تک پہونچ جاتا ہے (جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) لیکن اس کا فضلہ جو جسم کے لئے کسی مصرف کا نہیں مثانہ اور امعاء کے ذریعہ باہر نکال پھینک دیا جاتا ہے فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ = جھاگ تو یوں ہی باطل ہوکر ضائع ہو جاتی ہے اور جو لوگوں کے فائدے کی چیز ہے زمین میں باقی رہتی ہے" جن دو ستونوں کا ذکر آغاز مضمون میں کیا گیا ہے وہ انسان کے دو پاؤں ہیں جو تمام جسم کے بوجھ کو تھامے ہوئے ہیں۔

جسم انسانی کے طبقات میں یہ ترتیب بھی عجیب ہے۔ اسکی حقیقت پر غور کرنے سے آدمی کا دل نور حکمت سے منور ہوتا ہے۔ ہر ایک فرد بشر کا جسم بجائے خود ایک سلطنت ہے اور روح انسانی جس کے تصرفات کا مرکز دماغ اور اسکے مختلف حصے ہیں اس پر حکمران ہے۔ ہر ایک منظم حکومت میں تین طبقے ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ مدبرین حکومت کا جس سے مراد بادشاہ اسکے وزراء اور مشیران مملکت ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور شاہی محلات انہی کی سکونت کے لئے مخصوص ہوتے ہیں جسم انسانی میں بالائی منزل اسی کے مشابہ ہے۔ دوسرا طبقہ کسی حکومت کا اس کی فوج یعنی اہل حرب و ضرب ہوتے ہیں جن کے ذمہ ملک کی حفاظت اور دشمن کی مدافعت ہوتی ہے۔ ان کا قیام محفوظ اور مستحکم قلعوں اور چھاؤنیوں میں ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسانی جسم کے وسطی طبقہ (سینہ اور اس کے اطراف) کو سمجھ لیجئے۔ انسان کا دل جو خون کا منبع ہے قوت غضبیہ یعنی قوت مدافعت کا مظہر ہے اور اسکی قرارگاہ سینے ہی کے ایک کونے میں ہے۔ جب آدمی پر کوئی آفت نازل ہوتی ہے جس سے اسکے احساس شرف کو ضرر پہونچتا ہو تو فوراً اس کا خون جوش میں آتا اور تمام اعضاء اور قوے کو مدافعت کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ (غور کرنے سے یہ تشبیہ اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے) سلطنت کا تیسرا

طبقہ اس کے فلاحیں اور عمّال ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مذکورہ بالا دونو طبقوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں جس کی نظیر آدمی کے جسم میں معدہ اور اس کے لوازم ہیں اگر معدہ تھوڑے عرصہ کے لئے بھی اپنا فعل ترک کردے تو جسم انسانی کی ساری سلطنت بگڑ کر رہ جائے استطراداً ایک لطیف نکتہ یاد آگیا۔ (معدہ میں ہضم طعام کے لئے متعدد سیالات از قسم تیزاب موجود ہیں۔ باوجودیکہ وہ سخت سے سخت چیز کو جو غذا کی خاطر معدہ میں ٹھونسی جائے تحلیل کر دیتے ہیں معدہ کی دیوار کو ذرہ بھی نقصان نہیں پہونچاتے۔ بجائیکہ اسی قسم کے مواد کو جن سے معدہ بنا ہے اگر مونہہ کے ذریعہ غذا کے طور پر معدہ میں پہونچایا جائے تو کچھ شک نہیں کہ ان تیزابوں کے اثر سے وہ گھل کر پانی ہو جائے۔ فاضل مصنف نے اسکو ایک اور طرح پر بیان کیا ہے یعنی یہ کہ اگر معدہ کے سوائل کسی انسانی صنعت کی مشین میں ہوتے تو اس کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیتے اور اسکا عمل معطل ہو جاتا۔" معدہ کے فضلات اس کے نچلے حصے میں الگ جمع ہو کر تحتانی نالیوں کے ذریعہ خارج کر دئے جاتے ہیں (جیسے کہ پہلے ذکر ہوا)۔ اس میں متفکرین اہل فہم کے لئے ایک عبرت ہے یعنی یہ کہ جو لوگ شہوات نفسانی اور لذات جسمانی میں مشغول رہتے ہیں ان کا درجہ سب سے نیچے ہے جیسے کہ متفکرین اور اہل تدبر کا درجہ سب سے بالاتر ہے جو لوگ ملک اور وطن کی حفاظت کرتے ہیں ان کا رتبہ ان دونو کے درمیان ہے۔ بہر حال ہیکل انسانی تخلیق کا بہترین نمونہ ہے۔ اس چھوٹے سے جسم میں دنیا بھر کے عجائبات جمع کر دئے گئے ہیں اور اسکی روح کو جو شرف حاصل ہے اسی کی بدولت تو وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اور اسی روح کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی خاص مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ ابو منصور ثعالبی نے ایک حدیث نقل کی ہے " جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی عمارت کو گراتا ہے وہ ملعون ہے " اس سے مراد انسان کا قتل کرنا ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے قلب کو "عرش الرحمٰن"

کہا گیا ہے۔

ابراہیم خاتون جمال کی تشریح او تطبیق سُن کر اسکی تعریف میں رطب اللسان ہوا جس کے بعد خاتون مذکور نے اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے جسم کو کیڑے کھا جاتے ہیں۔ اسکے خوبصورت خط و خال خاک میں مل جاتے ہیں اور اس کے اجزا تتر بتر ہوکر ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اس حالت میں ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اسکی روح باقی ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر لوگ کلورا فارم اور دیگر مخدرات کے ذریعہ کسی کو بے ہوش کر دیتے ہیں تو اسکی قوت احساس یکسر زایل ہو جاتی ہے۔ اس کے اعضا کاٹے جاتے ہیں۔ اسکی چیر پھاڑ کی جاتی ہے لیکن وہ مُطلق کسی قسم کا درد یا تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ موت کا عملِ تخدیر تمام مُخدرات کے عمل سے زائد ہے۔ اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بااین ہمہ تخدیر اس کو کس طرح عذاب دیا جائیگا۔ ابراہیم نے کہا معزز خاتون! بیشک موت کے بعد روح باقی رہتی ہے اور اسکی مثال یہ ہے جیسے برتن میں پانی یا چمنی کے اندر شمع کی لَو۔ پانی جس برتن میں بھی ڈالا جائے اسی کی صفات اس میں نمایاں ہوں گی۔ اگر گلاس کا رنگ سُرخ ہے تو پانی سُرخ نظر آئے گا وعلی ہذا القیاس چمنی میں شمع کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اسی طرح روح جب تک جسم میں ہے اسی کی صفات سے موصوف ہوتی ہے اور اُن تمام اثرات سے متاثر ہوتی ہے جو جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مشاہدے کی بات ہے کہ جب آدمی مریض ہوتا ہے تو اس کے اخلاق میں تغیر آجاتا ہے اور یہ انحراف مزاج ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تم جانتی ہو کہ اخلاق کا تعلق روح سے ہے نہ کہ جسم سے۔ کہنا یہ تھا کہ جسم کے تغیرات کا اثر روح پر بھی ہوتا ہے۔ دوسری مثال سُکر ہے۔ جب آدمی کوئی نشہ آور چیز کھا پی لیتا ہے تو اُس کے قوائے عقلیہ کی کچھ اور حالت ہوتی ہے۔ کلورا فارم کے تخدیر اعضا

کا عمل بھی اسی قبیل سے ہے۔ اب جس طرح گلاس یا چمنی کے ٹوٹ جانے سے پانی اور شمع کی لو اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے اسی طرح روح بھی جسم سے الگ ہوکر جسم کے تاثرات سے آزاد ہوجاتی ہے۔ اور اسکی اصلی ظلمت یا نورانیت (جیسی بھی اسکی حقیقی حالت ہو) منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے (منظر عام پر آجاتی ہے)۔ اس انجام کو شرع کی زبان میں جنت اور نار سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ میت کو خوشی یا تکلیف کا محسوس ہونا عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے جس کے حقائق کا ادراک کرنا ہمارے موجودہ احساس اور ادراک سے بالاتر ہے۔ چاہے میت کو عالم آخرت میں آگ سے جلایا جا رہا ہو۔ یا اسکو سانپ اور بچھو کاٹ رہے ہوں۔ یا وہ کسی باغ کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر پھولوں کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ یا حور و غلمان کی پُرلطف صحبتوں کے مزے لوٹ رہا ہو۔ یہ سب کچھ ایسے طرز پر وقوع میں آتا ہے کہ ان آنکھوں سے جو عالم محسوس کی اشیاء دیکھنے کے لیے مخصوص ہیں ان حالات کا دیکھنا یا دوسرے حواس اور قوٰے سے اس کا ادراک کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اس عالم فانی میں ہم ان امور کا صحیح تصور باندھ سکتے ہیں۔ (ایک شخص تمہارے سامنے سویا پڑا ہوتا ہے۔ اس پر خوشی اور غم کی مختلف حالتیں گذرتی ہیں اور کئی ایک واقعات کو وہ عالم خواب میں دیکھتا اور دیگر حواس سے محسوس کرتا ہے۔ اُچھلتا کودتا اور خوشیاں مناتا پھرتا ہے۔ یا برخلاف اس کے کسی تکالیف میں مبتلا ہے اور چیخ رہا ہے لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہ بالکل ساکن اور غیر متحرک پڑا ہے۔ اور اگر اس قسم کے حالات خود تم پر کبھی نہ کبھی نہ گذرے ہوتے تو تم کبھی باور بھی نہ کرتے کہ اس پر خواب میں یہ حالات گذر رہے ہیں۔ مابعد الموت کے حالات کو بھی اسی پر قیاس کرسکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بھی سمجھانے کے لیے ایک مثال ہے۔ ورنہ عالم خواب اور عالم آخرت کو ایک جیسا سمجھنا اپنی ہی کوتہ فہمی کا ثبوت دینا ہے۔ مترجم)۔ ہر ایک مسلمان جانتا اور مانتا ہے کہ رسول خدا صلعم پر وحی

نازل ہوا کرتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کو آپ دیکھا کرتے تھے لیکن صحابہ تک اس کے دیکھنے سے محروم تھے۔ اس کا دیکھنا نبی کریم صلعم تک محدود تھا۔ کلام مجید میں وارد ہوا ہے فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔ کیوں نہیں۔ جب روح نرخرے تک پہونچ جاتی ہے اور تم دیکھ ہی ہوتی ہو (کہ تمہارا ایک دوست عزیز مر رہا ہے۔ ملائکہ اسکی روح قبض کر رہے ہیں اور تم کچھ بھی کر نہیں سکتے) اور ہم تم سے بھی اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے ہو (تمہاری آنکھیں اس قابل نہیں کہ خدائے پاک کی ذات اور اس کے ملائکہ کو اس عالم فانی میں دیکھ سکو)"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ جو لوگ اللہ تعالے کے راستہ میں (اسکی دین کی حمایت کے لئے) قتل ہوتے ہیں ان کو مرا ہوا مت سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ان باتوں کا احساس نہیں کر سکتے"۔ اس آیت میں تصریح کر دی ہے کہ جن کو تم مردہ سمجھتے ہو وہ زندہ ہیں (کھاتے پیتے ہیں جیسے کہ ایک اور آیت میں ہے یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ) ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ تم ان کی حیات کا احساس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عالم فانی اور عالم باقی کے حقائق جدا ہیں۔ ایک خوشیاں مناتا اور طرح طرح کے لذیذ کھانوں اور میوہ جات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ دوسرا اپنے آپ کو پانی میں ڈوبتا ہوا یا آگ میں جلتا ہوا دیکھتا ہے چیختا چلاتا اور دھاڑتا پیٹتا ہے۔ ہم دونو کو دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن ہمیں ان کی خوشی یا تکلیف کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ چپ چاپ بے خبر پڑے ہیں۔ ہاں عالم آخرت کو خواب مت سمجھو۔ یہ سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی۔ ورنہ ما بعد الموت زندگی کے مقابلہ میں تو ہماری اس موجودہ زندگی کی بھی کچھ وقعت نہیں۔ خواب کی حالت کا تو ذکر ہی رہنے دیجئے۔ بلکہ ہماری یہ حیات فانیہ عالم بقا کی

حیات کے مقابلے میں ایک خواب ہے۔ ایک حدیث میں ہے النّاس نیامٌ فاذا ماتوا انتبھوا لوگ توسوئے ہوئے ہیں موت کے بعد جاگیں گے۔" کلام مجید میں صراحتہً آیا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ = اور بے شک آخرت ہی کا گھر حقیقی زندگی ہے۔" اس سے زیادہ لکھنا فہم وادراک پر بوجھ ڈالنا ہے

دوسراباب

(علویات کا بیان۔ اس باب میں چار فصلیں ہیں)

پہلی فصل

(آسمان کے عجائبات میں!)

اس کے بعد جمال خاتون نے کہا۔ جناب! آپ نے ایسی دلچسپ باتیں سنائیں کہ جی چاہتا ہے زمین وآسمان کے عجائبات۔ کائنات جو یہ مثلاً بادل بجلی اور بارش وغیرہ۔ اور پہاڑوں اور دریاؤں کے مزید حالات بیان کرکے محظوظ فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ = ان سے کہدیجئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے ان پر غور کرو۔" دوسری جگہ استفہام انکاری کے طور پر ارشاد ہے اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ = کیا انھوں نے آسمانوں اور زمینوں میں اس کا کامل تصرف نہیں دیکھا۔ اور کیا جو کائنات خدائے تعالےٰ نے پیدا کی اس پر کبھی غور نہیں کیا۔" اس آیت کریمہ میں جملہ کائنات پر غور کرنے کی تاکید ہے۔ ہاں یہ بھی

ایک سوال ہے کہ ان اشیا پر کس طرح غور کیا جائے۔ ابراہیم نے کہا صنعت الٰہی میں جو حسن و جمال ہے وہ غیر محدود ہے اور اس پر غور کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ یہ چمکتے ہوئے ستارے جن سے آسمان بھرا نظر آتا ہے جمال ربوبیت کے مظاہر ہیں۔ ہر ایک صانع کا کمال اس کی صنعت سے پہچانا جاتا ہے۔ لہٰذا تاروں بھری رات اسکی عظمت کی دلیل ہے۔ اگر کسی ایسی رات میں جبکہ چاند زیر زمین ہو اور بادل مفقود ہوں تم آسمان پر نظر کرو تو تم کو بغیر دوربین کے بھی ہزاروں تارے چمکتے ہوئے نظر آئیں گے جن کا رنگ اور صورت مختلف ہے۔ کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا کسی کا رنگ سفید ہے تو دوسرے کا نارنگی یا سرخ یا بنفشی۔ وعلی ہذا القیاس۔ یہ سب ستارے اور سیّارات ایک مقررہ نظام پر چل رہے ہیں۔ (ان نظامات کی تفصیل علم ہیئت یعنی اسٹرانومی کی کتابوں میں لکھی ہے) اور مدّت ہائے دراز کے گذر جانے پر بھی ان کے نظام میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا۔ کبھی وہ آگے ہوتے ہیں اور کبھی پیچھے۔ کبھی ایک برج میں مقام ہے کبھی دوسرے میں آپس میں ان کے کبھی تثلیث ہے کبھی تربیع۔ کسی کا مدار گول یعنی قریباً مستدیر ہے تو بعض دوسروں کا مدار بیضاوی ہے۔ ان تفصیلات کو پڑھ کر ہمیں اس آیت کا صحیح مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۔ سورج اور چاند دونو حساب پر چل رہے ہیں (مقررہ نظام کے مطابق چل رہے ہیں)" اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ = بے شک خدائے پاک بہت جلد حساب کرنے والا ہے" کی بھی یہ تفسیر ہوسکتی ہے کہ تمام اجرام علویہ کو ایسے طریقہ پر چلانا کہ کوئی ایک بھی دوسرے کے نظام میں خلل نہیں ڈالتا اتنا بڑا اور پیچیدہ حساب ہے کہ انسان ضعیف البیان اُس کا تصور تک نہیں کرسکتا (اسٹرانومی کی کتابیں کسی قدر غور سے پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ یہ کتنا بڑا اور پیچیدہ حساب ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق ذرا بھی زحمت نہیں اُٹھانی پڑتی ان تاروں کا زمین پر اپنے انوار کا پرتو ڈالنا بھی ایک عجیب سما پیدا کرتا ہے۔ وَلَقَدْ زَیَّنَّا

السَّمَآءَ الدُّنیَا بِمَصَابِیْحَ بیشک ہم نے آسمان دنیا میں چراغاں کر رکھا ہے اور اس سے اس کو زینت بخشی ہے۔

اب آؤ آفتاب پر ذرا غور کر لیں جس سے ہماری زمین کو خاص تعلق ہے (ہماری زمین نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے) آفتاب کی جسامت کرۂ زمین سے تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ گنا ہے ہماری زمین اسکے دریافت شدہ نو سیارات میں سے ایک سیارہ ہے۔ اور اگرچہ ہم خود اسکے سکان ہونے کی وجہ سے اس کے سیارہ ہونے کا تصور بمشکل باندھ سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسطرح چاند باوجود بے نور ہوتے کے سورج کی روشنی سے منور ہو کر ضیا پاشی کرتا ہے اسی طرح اگر بالفرض چاند پر آبادی ہوتی تو وہ لوگ بھی زمین کو چاند کی طرح ایک نورانی جرم کی صورت میں مشاہدہ کرتے۔ زمین کی سطح میں بھی ویسی ہی انعکاس نور کی خاصیت موجود ہے جس طرح ہم چاند کو ہر دن اشکال بدلتے ہوئے دیکھتے ہیں اسی طرح اہل قمر کو بھی زمین کی شکلیں کبھی ہلال اور کبھی بدر اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ نظر آتیں۔ اتنا فرق ضرور ہوتا کہ جب ہم چاند کو بدر کی شکل میں دیکھتے اس وقت چاند والوں کیلئے زمین کا محاق ہوتا (جسطرح چاند کا ۲۸ دیں تاریخ کو محاق ہوتا ہے یعنی محض بے نور ہوتا اور نظر نہیں آتا ہے) اور جب یہاں پر چاند کا محاق ہوتا۔ چاند والوں کو کرۂ ارض بدر کامل کی شکل میں دکھائی دیتا۔ اسی طرح جب زمین پر خسوف (چاند گرہن) ہوتا تو چاند کے باشندے کسوف یعنی سورج گرہن کا نظارہ دیکھ رہے ہوتے۔ علم ہیئت کی معمولی سی واقفیت بھی ان باتوں کے سمجھنے میں کافی مدد دیتی ہے۔ چونکہ کرۂ زمین کی جسامت چاند سے بہت زیادہ ہے اس لئے زمین کی پوری روشنی جو چاند کی سطح پر پڑتی ہے وہ اس روشنی سے چودہ گنا زائد ہے جو چودھویں کے چاند سے زمین کو پہنچتی ہے اور جسطرح زمین پر دیکھنے والے کو چاند کی سطح پر سیاہ داغ نظر آتے ہیں کیونکہ بعض مقامات

میں انعکاس نور کی قابلیت بہت کم ہے اسی طرح چاند سے زمین کا نظارہ کرنے والوں کو بھی زمین کی نورانی سطح پر سیاہ داغ دکھائی دیں گے۔ جو کچھ لکھا گیا یہ ہیئت قدیم اور جدید کا ملخص ہے اب آفتاب کا مزید حال سنئے۔ سورج ہم سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کی مسافت پر ہے اور اسکی روشنی (جسکی رفتار ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے) اس مسافت کو آٹھ منٹ اور اٹھارہ سکنڈ میں طے کرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں شعریٰ ستارے کی روشنی ۲۲ سال میں زمین تک پہونچتی ہے۔ سماک رامح کی چھبیس سال۔ اور قطب ستارے کی پچاس سال میں۔ اس سے تم ان کے بُعد کا کچھ اندازہ کر سکو گے۔ علما ہیئت نے ثابت کیا ہے کہ بہت سے ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی سیکڑوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں سال میں بمشکل یہاں تک پہونچتی ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر ان کے خالق کی قدرت اور عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ = زمین وآسمان کی حفاظت سے اس پر کچھ بھی بوجھ نہیں پڑتا اور وہ بہت بڑا عظمت والا ہے" تم نے دیکھ لیا کہ سورج اگرچہ ہم سے ساڑھے نو کروڑ میل کے قریب دور ہے پھر بھی اسکی روشنی تقریباً سوا آٹھ منٹ میں ہم تک پہونچ جاتی ہے لیکن بعض ستاروں کی روشنی کو پہونچتے پہونچتے ہزاروں اور لاکھوں سال لگ جاتے ہیں۔ اس سے تم ان کی دوری اور ان کی جسامت اور ان کی روشنی کا اندازہ کر سکتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ہمارا سورج ان اجرام کبیرہ کے مقابلہ میں ایک کم حیثیت ستارہ ہوگا (اور حقیقت بھی یہی ہے ہیئت جدیدہ کی کتب میں لکھا ہے کہ بعض ثوابت کی جسامت اور روشنی ہمارے سورج سے کئی ہزار گنا زیادہ ہے)۔

تم جانتے ہو کہ جب زمین ایک خاص نقطے سے اپنے مدار پر حرکتِ سنوی شروع کرتی ہے تو تقریباً تین سو پینسٹھ دن کے بعد وہ حرکت کرتے کرتے پھر اسی نقطہ پر آجاتی ہے اور یہ اسکا

سال کہلاتا ہے۔ اسطرح ہر ایک سیارے بلکہ ثوابت کا سال مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ زحل اپنے مدار پر اپنی گردش ۲۹ سال میں ختم کرتا ہے اور یہی زحل کا ایک سال کہلاتا ہے۔ یورینس (URANUS) کا سال ہمارے سالوں کے مطابق چوراسی سال کا اور نیپچون کا سال ۱۶۴ سال کا ہوتا ہے بعض دوسرے ستاروں کا سال ممکن ہے ایک ہزار یا پچاس ہزار سال کا ہو۔ قرآن مجید کا یہ فرمانا کہ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ تمہارے رب کے نزدیک تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال کا ایک دن ہوتا ہے" اور ایک جگہ یہ ارشاد کرنا کہ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ = ایک ایسے دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے" انہی حقائق کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

علی ہذا القیاس سیارات اور ثوابت کی رفتار میں بھی اختلاف ہے بعض تیز رفتار اور بعض بطی السیر ہیں۔ مشتری کی رفتار فی گھنٹہ تیس ہزار میل ہے یعنی اتنی دیر میں کہ انسان ایک مرتبہ سانس لے وہ ستائیس میل طے کر چکا ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر ایک دفعہ نبض اچھلتی ہے تو مشتری اپنی جگہ سے سات میل دور چلا گیا ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان ایک منٹ میں تقریباً اٹھارہ مرتبہ سانس لیتا ہے اور ایک سانس لینے کے دوران میں چار دفعہ نبض اچھلتی ہے۔

علماء ہیئت نے ستاروں کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کی ہیں۔ چنانچہ بعض ایسے ستارے دریافت ہوئے ہیں جن کی روشنی کی رنگت بدلتی رہتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد ان کی روشنی ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتی ہے بعض ستارے روشنی کی شدت اور ضعف کے لحاظ سے اپنی حالت بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی روشنی کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوتی ہے لیکن ان کی روشنی کا یہ گھٹنا اور بڑھنا ایک اٹل قانون کے تابع ہوتا ہے۔ البتہ بعض ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی کم یا زیادہ ہونے کا ابھی تک کوئی قاعدہ دریافت نہیں ہوا (یہ ہمارے علم کا قصور ہے)

کہتے ہیں کہ اگر دوربین سے دیکھا جائے تو آسمان میں دو کروڑ ستارے نظر آتے ہیں ایک کروڑ
اسی لاکھ فقط کہکشان کے ستاروں کی تعداد ہے۔ باقی آسمان کے دوسرے حصوں میں پھیلے ہوئے
ہیں (آج کل کی تحقیقات نے اس تعداد میں بہت بڑا اضافہ کیا ہے اور کل نظر آنے والے ستاروں
کی تعداد تیس ارب خیال کی جاتی ہے!! مترجم)۔ کہکشان اُس براق پھیلی ہوئی سفیدی
کا نام ہے جو موسم گرما میں جنوباً شمالاً آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی
ہوئی نظر آتی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ ایک نورانی چادر دکھائی دیتی ہے لیکن طاقتور دوربین میں
دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاروں کے جھرمٹ ہیں جو لیے انتہا دوری پر واقع ہونے کی
وجہ سے آپس میں ملے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بعض ستارے تو اسقدر دور ہیں کہ طاقتور کہ
طاقتور دوربین میں بھی وہ ایک دوسرے سے علیحدہ نظر نہیں آتے۔ ہمارا نظام شمسی یعنی آفتاب
مع اپنے توابع نو عدد سیارات کے اسی کہکشان کا ایک حقیر سا جزو ہے۔ علماء ہیئت کا قیاس
ہے کہ اس کہکشاں کا ہر ایک ستارہ بجائے خود ایک آفتاب ہے اور ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک
کے ساتھ کچھ سیارات ہوں اور ان کا بھی ویسا ہی نظام ہو جیسے ہمارے سورج کا نظام ہے
جس کو ہم نظام شمسی (سولر سسٹم (SOLAR SYSTEM) کہتے ہیں۔

تم کو اگر کبھی دوربین میں اجرام علویہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو تو تم نے دیکھا ہو گا کہ آسمان
کے بعض حصوں پر نورانی بادل کے ٹکڑے سے دکھائی دیتے ہیں۔ کتنی ہی طاقتور دوربین سے
ان کا مشاہدہ کیا جائے یہ بادل کا سا ٹکڑا ہرگز تحلیل ہو کر علیحدہ علیحدہ ستاروں کی شکل میں
نظر نہیں آتا (علماء ہیئت کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت وہ نورانی مادہ ہے جن سے کہ ستارے
بنے ہیں اور بنتے ہیں۔ مترجم)۔ اس قسم کے نورانی بادل عربی میں سدیم کہلاتے ہیں (انگریزی
نام (NEBULA) ہے)۔ خدائے تعالے نے جس طرح اپنی قدرت کاملہ

سے سورج اور چاند کو ہمارے لیے مرئیات کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ہماری حیات و بقاء کا سراسر انحصار ان کی روشنی پر ہے۔ اسی طرح ستاروں کی روشنی بھی انسان کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اندھیری راتوں میں یہ صفحۂ زمین پر بقدر ضرورت روشنی قائم رکھتے ہیں اور ان کی روشنی میں فی الجملہ اشیاء دکھائی دیتی ہیں رات کو چلنے والے مسافر اس سے راستے کا سراغ لگاتے ہیں۔ اور لق و دق صحراؤں میں تجارتی قوافل کے لیے یہ ستارے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ افریقہ کے صحراء کبریٰ میں بدوی لوگ انہی کی رہنمائی سے صحرا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نکل جاتے ہیں۔ رات کو کام کرنے والے ان کے طلوع و غروب اور ان کی حرکات سے وقت دریافت کر سکتے ہیں۔ غریب بادیہ نشینوں اور خانہ بدوش اقوام کے لیے یہ گھڑیاں ہیں۔ زمیندار لوگ کھیتوں کو پانی دینے کی باری انہی کی جگہ بدلنے سے مقرر کرتے ہیں۔ سب اپنی فطرت سے جانتے ہیں کہ یہ ایک ایسا مستحکم نظام ہے جس میں کبھی خلل نہیں آتا۔ گھڑی خواہ کتنی ہی قابل اعتبار ہو آخر انسانی صنعت ہے۔ اس کی سپرنگ ٹوٹ کر وہ بند ہو سکتی ہے۔ اس کی سوئیوں کو کوئی دوسرا شخص تصرف بے جا کر کے بدل سکتا ہے۔ خود بخود بھی اس کی رفتار کا آگے پیچھے ہونا ناممکن نہیں۔ لیکن سورج چاند اور ستاروں کا جو نظام مقرر ہے ابتدائے آفرینش سے آج تک اس میں کچھ بھی فرق نہیں آیا۔ تاروں کی رہنمائی صحرا اور ریگستان تک محدود نہیں سمندر میں ملاح لوگ اپنے جہازوں کو انہی کی مدد سے چلایا کرتے تھے اور اگرچہ آج کل جہاز رانی کا دار و مدار کمپاس یعنی قطب نما پر ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کا بھی تعلق ستاروں ہی سے ہے۔ قطب بھی ایک ستارہ ہے جس کو سمت دریافت کرنے میں بڑا دخل ہے چونکہ مقناطیسی سوئی کا ایک سرا ہمیشہ شمال کی طرف رہتا ہے (قطب کے محاذ میں ہوتا ہے) اس لئے اس کو قطب ہی کا قائم مقام سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ کمپاس کے ذریعہ جہاز چلانا تاروں

کی رہنمائی سے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ الغرض جب ٹھیک قطب کا سمت معلوم ہوجاتا ہو تو پھر دوسرے سمتوں کا معلوم کرنا اور اس کے ذریعہ جہاز کا راستہ معین کرنا چنداں مشکل نہیں ہوتا۔ جب تک لوگ غیر ترقی یافتہ تھے ستاروں ہی کی رہنمائی سے کام چلاتے رہے۔ جب علوم و فنون میں ترقی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بفحوائے قَدَّرَ فَهَدٰى (چیزوں کو مقدر کیا اور پھر ان کے استعمال کا راستہ دکھایا) کمپاس کی ایجاد لوگوں کے دل میں ڈال دی۔ اس سے پہلے لوگوں میں اس کا استعمال سمجھنے کی استعداد نہیں تھی اور جن علوم کی مدد سے جہاز کا محل وقوع استخراج کیا جاتا ہے ان کو لوگ نہیں جانتے تھے۔ اسکی مثال یہ ہو کہ پتھر کا کوئلہ تخلیق آدم علیہ السلام سے بھی پہلے زمین کے نیچے اس کے اندرونی طبقات میں موجود تھا لیکن لوگوں کو اس کا علم اس وقت ہوا جب لوگوں نے علمی ترقی کر کے مشینیں ایجاد کیں اور ان کو چلانے کے لئے کوئلہ کی ضرورت محسوس ہوئی جس پر آج کل کی اکثر تمدنی ترقیات کا دارومدار ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (کئی بار گذر چکی)، ستاروں سے ہدایت پانے کا قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر ذکر آیا ہے۔ من جملہ ان کے ایک یہ آیت ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ = وہی خدا تو ہے جس نے تمہارے ہی فائدے کے لئے ستارے بنائے اور جن سے کہ تم خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ پاتے ہو۔ جو لوگ جاننے والے ہیں ان کے لئے ہم نے اپنی نشانیوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے؛

ایک لطیف بات عرض کرتا ہوں جب میں جامع ازہر میں طالب علم تھا تو میں نے شیخ علامہ ابیاری ؒ سے سنا تھا کہ ہر ایک سیارے اور ستارے کے لئے ایک خاص مدار

قدرت نے مقرر کیا ہے جس سے اگر وہ ایک انچ بھی ہٹ جائے تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ جس طرح گھڑی یا مشین کے پرزوں میں سے ایک پرزہ بھی اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہو جائے تو گھڑی یا مشین بیکار ہو جاتی ہے۔ تمام عالم بہیئت مجموعی ایک مشین ہے جس کے پرزے یہ تمام کائنات ہے۔ اور یہ تمام پرزے نہایت حیرت انگیز اور ایک بڑی حد تک ناقابل فہم نظام کے ذریعہ باہم مربوط ہیں۔ ایک پرزے کے بگڑنے کا سب پر اثر پڑتا ہے۔ جب میں جامع ازہر سے فارغ التحصیل ہو کر مدرسۂ دار العلوم میں داخل ہوا اور علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کی تو علامہ موصوف کی بات حرف بہ حرف صحیح اور درست ثابت ہوئی۔ نیوٹن اور کیپلر کے کلام سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ نیوٹن نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ تمام اجرامِ عالم میں ایک قوت جذب کشش، پائی جاتی ہے اور اسکے تمام اجزاء ایک خاص اصول کی پابندی سے ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں۔ زمین پر جتنی اشیاء موجود ہیں ان میں ثقل اور وزن کا پایا جانا اسی قانون عام کا نتیجہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک سیارے اور ستارے کا ٹھیک ٹھیک اپنے مدار پر چلنا تمام دیگر اجرام پر اثر ڈالے گا اور اسطرح تمام نظام عالم کا توازن خلل پذیر ہو کر ایک ابتری پھیل جائے گی (بعینہٖ جس طرح اگر ریلوے ٹائم ٹیبل کی پابندی میں ذرا بھی فرق آجائے تو ریلیں آپس میں ٹکرا جائیں اور ایک ہلڑ مچ جائے) میں نے اس کا علم ہیئت کے استاد حضرت عبد المجید آفندی سے ذکر کیا تو اُنھوں نے میری رائے سے اتفاق کیا اور معلوم ہوا کہ علماءِ عصر سب اس نظریے کے قائل ہیں۔ اس کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ اگر خدائے پاک نے چاہا تو ہم اپنی کتاب نظام العالم والامم میں اس موضوع پر بسط و تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

دوسری فصل

(سورج کے فوائد اور منافع کا بیان)

سورج بھی دراصل ایک ستارہ ہے لیکن قُربِ مسافت کی وجہ سے سب سے بڑا نظر آتا ہے اور ہمارے حق میں ہے بھی سب سے زیادہ مفید۔ اس لئے آج کی مجلس میں ہم سورج ہی کے فوائد و منافع پر بحث کریں گے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ خدائے پاک نے اس کو متحرک پیدا کیا ہے (یہ علیحدہ سوال ہے کہ اسکی حرکت بلحاظ ظاہر کے ہے) اگر وہ ایک ہی جگہ ٹھیرا رہتا تو اس کے محاذ پر جو ملک واقع ہوتے ان میں ناقابل برداشت گرمی ہوتی اور دوسرے ممالک اسکی روشنی اور حرارت کے فوائد سے یکسر محروم رہ جاتے۔ برخلاف اس کے وہ ہر روز مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور زمین کے ہر ایک حصے کو یکساں طور پر اپنی روشنی اور حرارت سے مستفیض ہونے کا موقعہ دیتا ہے۔ اسی حکمت کے لئے اسکی سالانہ حرکت کا نظام اسطرح رکھا ہے کہ بلاد شمالیہ اور جنوبیہ کو باری باری سے جاڑے اور گرمیوں کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس نظام میں یہ بھی ایک خوبی ہے کہ کسی ملک میں نہ تو گرمی دفعۃً آتی ہے نہ سردی۔ بالتدریج موسم بدلتے ہیں اور یکایک گرمی یا سردی کے ظہور میں آنے سے جو خرابیاں متصور تھیں ان سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

سورج کے اثرات سے علویات اور سفلیات دونو اثر پذیر ہوتے ہیں۔ علویات پر تو اس کا اثر یہ ہے کہ جب سورج نکلا رہتا ہے تو تمام ستارے نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اور ان کی روشنی معدوم ہوتی ہے۔ نیز چاند کا درجہ بدرجہ اس سے نور حاصل کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ سفلیات پر اس کا اثر یہ ہے کہ

جب آفتاب عالمتاب کی کرنیں سمندر پر پڑتی ہیں تو حرارت کے باعث اس سے ابخرے اٹھتے ہیں جو سرد ہوا کے طبقے میں پہونچ کر بادل بن جاتے ہیں۔ جن کو ہوا دور دور تک لے جاتی اور جابجا باران رحمت نازل ہوکر نباتات اور حیوانات کی حیات و بقار کا موجب ہوتا ہے (اس کی تقسیم کی کفیل خود قدرت ہوتی ہے اور حکمت و مصلحت کی بنا پر کہیں کم اور کہیں زیادہ بارش ہوتی ہے)۔ پہاڑوں پر عموماً یہہ پانی برف کی صورت میں پڑتا ہے جو موسم گرما کے آنے پر دھوپ کی بدولت پگھل پگھل کر دریاؤں میں طغیانی آنے اور اس طغیانی سے بلاد ساحلیہ کو سیراب کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات زمین کے شگافوں اور اعماقِ جبال میں غائب ہوکر ایک مخصوص نظام کے ماتحت چشموں کی صورت میں زمین سے پھوٹ کر وادیوں کو سرسبز کرتا ہوا دریاؤں کے جریان آپ کو قائم رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ = وہی خدا تو ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے نازل ہونے سے پہلے بشارت دینے کے لئے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھاتی اور ہم ان کو ان ہواؤں کے ذریعہ قحط زدہ علاقوں میں لے جاتے ہیں۔ اس نظام کے ذریعہ ہم پانی اتارتے اور اس پانی کے ذریعہ ہر طرح کے پھل زمین سے اوگاتے ہیں۔ مُردوں کو بھی ہم اسی طرح زندہ کریں گے۔ شاید تم ان نظامات پر غور کرکے سبق لو۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ

بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ - وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ فَانْظُرْ اِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ = خدائے پاک ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں (سمندر کے بخارات کو اوپر چڑھا کر لے جاتی ہیں) پھر اللہ تعالے جسطرح چاہتا ہے اپنے ارادہ اور اپنی مرضی کے مطابق ان کو فضا میں پھیلا دیتا ہے۔ پھر ان بادلوں کے ٹکڑے بناتا ہے اور تم دیکھتے ہو کہ ان کے درمیان میں سے بارش نکل کر زمین پر آتی ہے۔ اور جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر بارش نازل کرنا چاہتا ہے بارش نازل فرماتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہہ لوگ اس بارش نازل ہونے سے پہلے بالکل مایوس تھے۔ تم اللہ تعالے کی رحمت کے نتائج کو تو دیکھو۔ کس طرح زمین کے مُردہ پڑ جانے کے بعد اس کو ازسرِنو حیات ثانیہ بخشتا ہے۔ بے شک یہی خدا مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر ایک بات پر قادر ہے"

متقدمین کے نظریئے کے مطابق معدنیات پر بھی سورج اثر انداز ہوتا ہے۔ زمین کے اجزاء بارش کے پانی سے آمیزش پا کر حرارت شمس کے اثرات سے سونا چاندی اور دیگر معدنی اشیاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں لیکن علماء عصر کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اکثر معدنیات کو مرکب نہیں مانتے بلکہ بسیط خیال کرتے ہیں۔ کیا معنے وہ ایک ہی مفرد مادہ ہے کسی دوسرے جزو کی اس کے ساتھ آمیزش نہیں ہوتی عالم نبات پر سورج کا اثر بالکل ظاہر ہے۔ کوئی پودا جو دھوپ کے سامنے نہ ہو نشو و نما سے محروم ہو جاتا ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ بڑے بڑے درختوں کے نیچے جو پودے اُگتے ہیں

وہ اپنی بالیدگی کھو بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح تاریک مقامات میں کوئی پودا نشو ونما نہیں پاتا
بعض پھول پودے ایسے بھی ہیں جن پر روزمرہ سورج کا اثر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے مثلاً نیلوفر
اور ارنڈی کا درخت۔ اور سورج مکھی کا آفتاب سے تعلق تو معلوم خاص وعام ہے۔ حیوانات پر
بھی ان کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ سورج کے نکلتے ہی ان کے ابدان میں چستی پیدا ہوتی اور وہ ہر طرح
کی جدوجہد کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور جوں ہی آفتاب غروب کے قریب ہوتا ہے ان کے
اعمال یومیہ میں فتور اور حرکات اجتہادیہ میں سستی کا ظہور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب پورے
طور سے رات چھا جاتی ہے تو حیوانات آرام کرتے ہیں اور مردہ ہو کر سوئے پڑے رہتے ہیں
اور دوسرے دن پھر آفتاب کے اثر سے ان میں آثار حیات پیدا ہو کر اپنے کاروبار میں مستعدی
کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ انسان کا جسم بھی دھوپ کے اثر سے محفوظ نہیں جن ملکوں
میں شدّت کی دھوپ پڑتی ہے وہاں کے لوگ سیاہ فام ہوتے ہیں (مثلاً افریقہ اور جنوبی ہند
کے باشندے) ان کے اخلاق وحشیانہ اور ان کی حرکات سکنات میں چھچھورا پن پایا جاتا ہے
اور جوں جوں دھوپ کی شدّت کم ہوتی چلی جاتی ہے وہاں کے باشندوں کا رنگ نکھرتا
جاتا اور ان کے اخلاق میں متانت بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ صعید مصر کے باشندوں کا رنگ
گندمی ہے اور ساحل بحر متوسط کے رہنے والوں کا رنگ گورا ہوتا ہے۔ اہل یورپ کی رنگت
میں ان سے بھی زائد گوراپن پایا جاتا ہے۔ شمالی روس کے باشندوں کا رنگ اپنے ماحول
یعنی برف کی طرح سفید ہوتا ہے اور ان کے اخلاق وعادات میں برودت نمایاں ہوتی ہے
الغرض منطقہ معتدلہ ہی کے باشندے ہر طرح سے معتدل اللون اور معتدل الاخلاق ہوتے
ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بڑے بڑے حکماء و فلاسفر اور مدبّرین اسی منطقہ میں پیدا
ہوئے۔ جن کا وجود تمام دنیا کے لئے باعث خیر و برکت ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ ہر ایک چیز میں

توسط اور اعتدال محمود اور افراط تفریط مذموم ہوتے ہیں۔ دونوں قسم کے حکماء یعنی اطباء اور علماء اخلاق (جو روحانی اطباء کہلاتے ہیں)، اسی اعتدال کی طلب میں اپنی عمریں صرف کرتے ہیں۔

قزوینی کی عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ برہمنوں کے قول کے مطابق ہر ایک برج میں آفتاب کا اوج (اصطلاحی لفظ ہے) تین ہزار سال تک رہتا ہے۔ چنانچہ وہ پورے مدار کا ۳۶ ہزار سال میں چکر کاٹتا ہے۔ اس وقت وہ برج جوزا میں ہے۔ جب جنوبی برجوں میں اس کا دور دورہ ہوگا تو کرۂ ارضی کے نصف شمالی میں حالات بالکل بدل جائیں گے کئی آباد ملک اجاڑ اور سنسان ہو جائیں گے سمندر کی جگہ خشکی اور خشکی کی جگہ پر سمندر ظہور میں آئے گا۔

عصر حاضر کے علماء ہیئت کہتے ہیں کہ سورج ایک تو اپنے محور پر حرکت کرتا ہے۔ دوسرے جس طرح سیارات مقررہ مدارات پر سورج کے گرد چکر کاٹتے ہیں اسی طرح خود آفتاب بھی ایک دوسرے ستارے کے گرد چکر لگاتا ہے جس کی تعیین ابھی تک ٹھیک طور پر نہیں ہوسکی۔ بعض کہتے ہیں وہ ثریا کے جھرمٹ کا ایک ستارہ ہے۔ بعض اس کو مجموعۂ نسر طائر کا جزو بتاتے ہیں بہرحال آفتاب مع اپنے جملہ سیارات اور اقمار وغیرہ کے ایک بہت بڑے مدار پر اس فضائے بے پایاں میں (جس کا مرکز ایک غیر معین ستارہ ہے اور جس کی حیثیت وہی ہے جو آفتاب کی اپنے سیارات کے مقابلہ میں ہے یعنی آفتاب مرکز اور سیارات اس کے تابع ہیں) دن رات چکر کاٹنے میں مشغول ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آفتاب ہمارے کرۂ ارضی کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہوا کہاں لے جا رہا ہے۔ یہ چکر کتنی مدت میں کٹے گا۔ وہ ستارہ جس کا سیارہ ہمارا آفتاب ہے کتنا بڑا ہے؛ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات پر غور کرنے سے سر چکرا جاتا ہے۔ اور آدمی تھک کر ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر بھی خالق عالم کے عظیم الشان نظامات کی تھاہ پانے سے عاجز اور قاصر رہتا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

تیسری فصل

(مسائل ہئیت میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف)

(دوران ارض کی بحث)

خاتون جمال نے کہا۔جناب! مجھے اُمید ہے کہ آپ علم ہئیت کے مسائل ضرور بیر بیر ایک کافی شافی تقریر فرمائیں گے جس سے تمام اشکالات حل ہو جائیں۔کیونکہ علم ہئیت میں متقدمین اور متاخرین کا مسلک جداگانہ ہے۔ہر ایک اپنی کہے جاتا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی بات کو صحیح تصور کروں۔متقدمین کہتے ہیں کہ زمین اپنی جگہ پر ٹھیری ہوئی ہے اور سورج مع دیگر سیارات اس کے گرد چکر لگا رہا ہے۔متاخرین سورج کو مرکز مانتے ہیں جس کے ارد گرد جملہ سیارات مع اپنے اقمار کے حرکت کرتے ہیں۔زمین بھی بقول ان کے من جملہ دیگر سیارات کے ایک سیارہ ہے اور دوائمی حرکت میں ہے۔کہتے ہیں آسمان کوئی علیحدہ چیز نہیں یہی ستارے جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک آفتاب ہے اور نظام شمسی کی طرح سیارے وغیرہ اس کے تابع ہیں انہی کا مجموعہ سموات کہلاتا ہے۔اور چونکہ وہ قرب اور بعد کے لحاظ سے مختلف مدارج پر واقع ہیں ان کو سات آسمان اور طبقات وغیرہ سے تعبیر کیا گیا۔یہہ فلسفہ بھی اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر علماء ہئیت کو ان باتوں میں مغز کھپانے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔

ابراہیم نے کہا۔بے شک یہ لوگ اس علم کے حقائق دریافت کرنے میں اپنی عمریں صرف کر دیتے ہیں۔جن کی وجہ یہہ ہے کہ تحصیل علم کا شوق دکسی اور غرض کے لئے نہیں صرف علم کی خاطر) انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے۔علم خواہ کتنی ہی معمولی اور ادنیٰ بات کے متعلق کیوں نہ ہو انسان اس پر فخر کرتا ہے (مثلاً اگر تم کو زید کے جو ایک معمولی آدمی ہے کچھ ایسے حالات

معلوم ہوں جو دوسروں کو معلوم نہیں تو اس علم پر بھی تم یقیناً نازاں ہوگے)۔ خاتون جمال نے دخل دیتے ہوئے کہا کیا علم میں بھی ادنےٰ اور اعلیٰ کی تقسیم موجود ہے؟ بعض علوم کو ادنیٰ اور بعض کو اعلیٰ کہہ سکتے ہیں؟ ابراہیم نے کہا بے شک۔ علم کا شرف اور اسکی فضیلت اس کے معلومات کے لحاظ سے ہے۔ اگر کسی علم کے معلومات اعلیٰ اور افضل ہیں تو وہ علم بھی اعلیٰ اور افضل ہوگا اور اگر اس کے معلومات ادنےٰ درجہ کے ہیں تو وہ علم بھی ادنےٰ کہلائے گا۔ علم کے حصول میں جو روحانی لذّت انسان کو حاصل ہوتی ہے اسکی کمی اور زیادتی بھی علم کی نوعیت پر منحصر ہے۔ مثلاً ایک علم یہ ہے کہ فلاں جولاہا مر گیا اور فلاں لوہار کے گھر میں بلّی نے بچے دئے۔ اسکے مقابلے میں یہ بھی علم ہے کہ کوئی بادشاہ یا کوئی مشہور و معروف سیاست داں تم کو اپنے مشورہ میں شریک کرے اور تم کو سلطنت کا کوئی اہم راز معلوم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اوّل الذکر علم میں کچھ بھی لطف اور لذّت نہیں لیکن موخر الذکر علم میں جو لذّت آمیز احساس ہوتا ہے اسکو وہی اچھی طرح جانتا ہے جس کو کبھی اس کا تجربہ ہوا ہو۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اجرام علویہ کے نظامات اور ان کے حقائق دریافت کر لینا فاعلاتن فاعلات کے گردان کرنے کی نسبت کس قدر اعلیٰ اور افضل ہے۔ علم ہیئت پڑھ کر تم زمین بلکہ آفتاب تک کا وزن معلوم کر سکتے ہو اور نظام عالم کے کل پرزوں کو سمجھنے کی استعداد حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن عَروض کے مسائل سیکھ لینے سے تم میں صرف اتنی قابلیت پیدا ہوگی کہ کسی بدوی کے ایک شعر کی تقطیع کر سکو (ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ مترجم)۔ کوائفِ فانیہ اور حقائقِ باقیہ کے علم میں بھی ویسا ہی فرق ہے۔ اسی طرح ملوک عظام۔ علماء کرام۔ اور حکماء و فلاسفۂ اسلام کے حالات زندگی کا علم حاصل کرنا کسی چھوٹی سی ریاست یا معمولی آدمی کے طریقِ معاش کے علم حاصل کرنے پر یقیناً فوقیت رکھتا ہے۔ اسی استدلال کو کسی قدر بسط کے ساتھ لکھ کر حجۃ الاسلام ۔۔۔۔۔۔۔

امام غزالیؒ اس نتیجہ پر پہونچتے اور ہم تم کو بھی اس پر توجہ دلاتے ہیں کہ خدائے پاک کی صفاتِ عالیہ کی معرفت اور اس کے اسرار ملک و ملکوت کا علم حاصل کرنے میں جو روحانی لذت آدمی کو ملتی ہے وہ سب محسوس اور معلوم لذتوں سے بالاتر اور اعلےٰ اور افضل ہے۔ اس سے شریف تر اور زیادہ پائدار حقیقت اور کوئی نہیں کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کے جمال اور کمال کا علم حاصل ہو۔

الغرض اجرام علویہ کے متعلق معلومات بہت سے دیگر معلومات کے مقابلہ میں اعلیٰ اور افضل ہیں اور اہل ذوق ان کی لذات کو اکثر دوسری لذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے زمانہ قدیم سے علم ہئیت کے حصول کا شوق لوگوں کے دامن گیر رہا ہے۔ میں بھی کم و بیش اس علم کے جلیل القدر معارف سے بہرہ اندوز ہوا ہوں اور ان تحقیقات کا ملخص میری خیال میں ان دو قسموں میں منقسم ہے۔ علم ہئیت کا ایک حصہ تو وہ ہے جس میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے۔ چاند کے ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال بننے اور موسموں کے بدلنے وغیرہ کا حال بتایا جاتا ہے جس پر ہمارے احوال معاشیہ اور امور دینیہ مثلاً نماز روزہ اور حج زکوٰۃ کا دارومدار ہے۔ اس حصۂ علم ہئیت کو تقویم کہتے ہیں اور ان مسائل میں متقدمین اور متاخرین کا کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ جزوی اختلاف کا ہونا ممکن ہے لیکن اصولی اختلافات ان میں قطعاً نہیں۔ دوسرے وہ مسائل ہیں جن کا تعلق نظام عالم سے ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ عالم کا مرکز زمین ہے یا سورج؟ سیارات کے مدارات وغیرہ کیا ہیں؟ مدار ستارے کس حساب سے چلتے ہیں؟ ان کا نمودار ہونا کسی قانون پر مبنی ہے؟ ستاروں کی جسامت کیا ہے؟ ان کے ابعاد کس طرح دریافت کئے جاسکتے ہیں؟ ان کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں؟ نورانی مادہ سے ان کا تکوّن کس طرح ہوا؟ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے سیکڑوں مسائل ہیں جن کے

متعلق بحث کی جاتی ہے۔ علم ہئیت کا یہی حصہ ہے جس میں متقدمین اور متاخرین ایک دوسرے کا سر توڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں محققین علماء ہئیت اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے اکثر دلائل از قسم یقینیات نہیں بلکہ ظنی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض دلائل ان میں قوی تر ہیں۔ اسکی تصدیق اس ایک بات سے ہو سکتی ہے کہ ان کے نظرئے اور ان کی تحقیقات کے نتائج اکثر بدلتے رہتے ہیں چنانچہ انھوں نے زہرہ کا آفتاب سے جو بُعد پہلے دریافت کیا تھا ما بعد کی تحقیقات نے اس کو غلط ثابت کیا۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں ترمیم نہیں ہوگی۔ ممکن ہے کچھ مدت کے بعد یہ بھی غلط ثابت ہو۔ علماء ہئیت کے متقدمین و متاخرین میں اختلاف واقع ہونے کی وجہ یہی ہے۔ یعنی یہ کہ اسکی بنا ظنی دلائل پر ہے۔

علم ہئیت کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں علم ہئیت کے تقریباً یہی اصول پڑھائے اور سکھائے جاتے تھے جو آجکل کے مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں مشہور حکیم فیثاغورث جو حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے تھا ملک اٹلی کے ایک مدرسہ واقعۂ کروٹینیا میں یہی تعلیم دیتا تھا کہ زمین حرکت کرتی ہے اور جس کو ہم آسمان کہتے ہیں ایک بے انتہا وسیع فضا ہے اور اس کا نیلا آسمانی رنگ درحقیقت سورج کی بنفشی شعاعوں کا اثر ہے۔ جو ستارے اس لاتمناہی فضا میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں دراصل ہر ایک ان میں سے بجائے خود ایک آفتاب ہے۔ اور جس طرح ہمارا نظام شمسی سیارات و اقمار اور دمدار ستاروں پر مشتمل ہے اسی طرح ہر ایک آفتاب کے ساتھ سیارات وغیرہ ہیں جو اپنے اپنے مخصوص مدارات میں حرکت کرتے ہیں۔ زمین بھی ایک سیارہ ہے جو دیگر سیارات کی طرح ایک مقررہ مدار پر حرکت کرتی ہے۔ چاند اس کے تابع ہے اور اس کی حرکات کا ایک خاص نظام ہے۔ ان ستاروں کے علاوہ جو ہمیں ننگی آنکھ سے نظر آتے ہیں ان کے اوپر ایک دوسرے طبقہ میں اسی طرح ستاروں کے جھرمٹ ہیں

لیکن وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ اسی طبقہ کو ہم آسمان دوم کہیں گے۔ وعلیٰ ہذا القیاس آسمان سوم وچہارم وغیرہ۔" وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ = تمہارے رب کے لشکروں کا سوائے اس کے اور کسی کو علم نہیں "

ابراہیم نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ جب ہمارے زمانے میں اسی اصول کے مطابق علم ہیئت کی تعلیم دی جانے لگی تو علماء اسلام بھی ان کے دلائل کو سن کر قائل ہوئے لیکن انھوں نے دیکھا کہ کلام مجید میں جا بجا "سبع سموات" کا ذکر ہے اور ساتھ ہی کہیں "طبا قا" کا لفظ بھی آجاتا ہے تو انھوں نے علم ہیئت کے نظریات اور کلام مجید کی آیات کی اسطرح تطبیق کی کہ خود ہیئت جدید میں بھی تو یہ لکھا ہے کہ بعض ستارے بہت زیادہ روشن ہیں جن کو وہ قدر اول کے ستارے کہتے ہیں۔ دوسری قسم کے ستارے جو ان کے مقابلہ میں زیادہ بلندی پر واقع ہیں وہ ان سے کم روشن نظر آتے ہیں لیکن اور کئی قسم کے ستارے ہیں جو ان سے بھی کم روشن ہیں۔ الغرض اس دوسرے درجہ کی روشنی رکھنے والے ستاروں کو وہ قدر ثانی کے ستارے کہتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس قدر ثالث اور قدر رابع وغیرہ سابع تک۔ اور چونکہ عربی لغت میں سمار کا اطلاق بغیر کسی تکلیف کے مطلق بلندی پر ہوتا ہے اس لئے کیا ہرج ہے اگر "سبع سموات" سے ہم سات بلندیاں مراد لے لیں اور ستاروں کے ہر ایک طبقہ کو جو کسی دوسرے طبقہ سے اوپر واقع ہے سمار یعنی آسمان سے تعبیر کریں چنانچہ ان ستاروں کا وہ طبقہ جو سب سے نیچے واقع ہے " السماء الدنیا " نزدیک کا آسمان کہلائے گا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ = اور ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی "

یہہ اس لئے فرمایا کہ جو ستارے ہمیں آسانی کے ساتھ چشم سر سے (بغیر دوربین کے) نظر آتے ہیں اور جو اسقدر روشن ہیں جن کو "مصابیح" یعنی چراغ کہا جاسکتا ہے وہ عموماً پہلے طبقہ میں ہیں۔ اور قدر اوّل کے ستاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اس طرح عقل اور نقل میں مطابقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس پر بھی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ اور ان مسائل کے حامی علماء نے ان کے جوابات بھی لکھے ہیں مرحوم عبداللہ پاشا فکری نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ اس موضوع پر ایک کتاب کسی نے عربی زبان میں تصنیف کی ہے جس کا نام ہے "اسرار الملک والملکوت" ایک دوسرے فاضل نے اسکی ترکی زبان میں "افکار الجبروت" کے نام سے شرح لکھی ہے۔ یہہ شرح اپنے موضوع پر مبسوط ترین کتاب ہے۔ خلاصہ یہ کہ فیثاغورث کی ہیئت کا ایک مدت تک دور دورہ رہا اور تمام علماء اسی کا درس دیتے رہے حضرت مسیحؑ کی ولادت سے ایک سو چالیس برس پہلے ایک دوسرا حکیم بطلیموس نامی پیدا ہوا جس نے فیثاغورثی ہیئت کے برعکس یہہ تعلیم دینی شروع کی کہ زمین عالم کا مرکز ہے اور سورج اور دیگر ستارے اسکے اردگرد گردش کرتے ہیں الخ اس ہیئت بطلیموسی کا اسقدر رواج ہوا کہ فیثاغورثی ہیئت کو نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔

جب علماء اسلام نے علوم عقلیہ کی تحصیل پر توجہ کی اور یونانی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں تو سب سے پہلے فارابی نے علم ہیئت کو چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں عربی میں مُدوّن کیا۔ اور ابن سینا اور دیگر علماء معقول اسی کے نقش قدم پر چلے۔ چونکہ اس وقت دنیا میں بطلیموسی ہیئت کے اصول مُروّج تھے اور فیثاغورثی ہیئت کو بھلا دیا گیا تھا اس لئے علماء اسلام نے بھی اسی ہیئت کو (بطلیموسی ہیئت کو) عربی زبان میں نقل کر کے رواج دیا۔ اس ہیئت کے رو سے آسمان اُن جسمانی طبقات کا نام ہے جو پیاز کے پرتوں کی طرح اوپر نیچے واقع اور ایک

دوسرے کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ خرق اور التیام کو قبول نہیں کرتے (اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا پھٹ جانا یا ان میں شگاف پڑ جانا ناممکن ہے۔ اور اسی طرح شگاف کا دوبارہ درست ہو جانا بھی ممکن نہیں) یہہ ایسے اجسام یا اجرام ہیں جن کو نرم یا سخت یا کھردرا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تمام زمینی اجسام سے جن کی تخلیق عناصر سے ہوئی ہے یہہ آسمانی اجسام جملہ اوصاف میں مختلف ہیں۔ یہہ آسمان مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے رہتے ہیں اور چوبیس گھنٹہ میں زمین کے گرد اپنا چکر پورا کرتے ہیں۔ جب یہہ زمین کے گرد چکر لگاتے ہیں تو ان کے تابع ہو کر سورج اور ستارے بھی زمین کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔ سیارات میں البتہ ایک دوسری حرکت بھی پائی جاتی ہے اور وہ اس حرکت اضطراریہ کے علاوہ جو مشرق سے مغرب کی طرف ہوتی ہے اپنے طور پر مغرب سے مشرق کی طرف بھی حرکت کرتے ہیں جس طرح چکی یا چرخ گھوم رہا ہو اور اسکے اوپر ایک چیونٹی اسکی حرکت کے مخالف سمت میں چل رہی ہو۔ یہہ چیونٹی دو قسم کی حرکت کرنے میں مشغول ہے۔ ایک حرکت اس کی اضطراری ہے جو چکی یا چرخ کے گھومنے سے اس میں پیدا ہو رہی ہے۔ دوسری حرکت اسکی وہ ہے جو وہ اپنے اختیار سے چکی یا چرخ کی حرکت کے مخالف سمت میں عمل میں لا رہی ہے۔ اسی طرح سیارات کی بھی دو مختلف حرکتیں ہیں۔ ایک حرکت ان کی سیر فلک کے تابع ہے اور دوسری ان کی اپنی ذاتی حرکت ہے موسموں کی تبدیلی اس دوسری قسم کی حرکت کا نتیجہ ہے۔

جب یہہ ہیئت مسلمانوں میں مروّج ہوئی تو علماء شرع کا رویّہ اس کے متعلق یہہ تھا کہ بعض تو اس کے مسائل کو صحیح سمجھ کر آیات اور احادیث کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض علماء خاموش تھے۔ اور بعض ایسے بھی علماء تھے جو ان مسائل پر عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہتے تھے۔ امام غزالیؒ اور بعض دیگر محققین کا دعوےٰ تھا کہ علم ہیئت کے مسائل دینی عقائد کے مخالف نہیں۔ بلکہ جو کوئی یہہ سمجھتا ہو کہ قرآن وحدیث کی تعلیم ان مسائل کے

مخالف ہے وہ خود ایک بڑی گمراہی میں مبتلا ہے ۔ اور یہہ کہہ کر کہ دین اور علوم عقلیہ میں مخالفت اور تناقض ہے دوسروں کو بھی چاہِ ضلالت میں دھکیل رہا ہے حقیقت یہہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں نہ تو ان باتوں کی نفی ہے اور نہ اثبات ۔ ایک شخص کہتا ہے کہ پیاز کے چھ پرت ہوتے ہیں ۔ دوسرا سات یا آٹھ بتاتا ہے ۔ یا ایک اس کو مدوّر کہتا ہے دوسرا اس کے مثلث یا مربع ہونے کا قائل ہے ۔ تو ہم ان میں سے ایک کو بھی کافر یا منکر دین نہیں کہہ سکتے ۔ اجرام علویہ کے بارے میں اختلاف کرنے کو بھی ایسا ہی سمجھ لیجئے ۔ کوئی وجہ نہیں کہ پیاز کے متعلق اگر اختلاف ہو تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے لیکن اگر آسمانوں اور ستاروں کے متعلق کوئی اختلاف ہو تو اس کو کفر اور ایمان کا مسئلہ قرار دیا جائے ! قرآن کریم میں اگر زمین اور آسمان کا ذکر آیا ہے تو اس لئے نہیں کہ قرآن پاک میں مسائل ہیئت کی تعلیم دینا چاہتا ہو بلکہ اس لئے کہ ہم ان کی تخلیق اور ان کے نظام یا نظامات پر غور کر کے اللہ تعالےٰ کی عظمت اسکی رحمت اور حکمت اور دیگر صفات عالیہ کا علم حاصل کریں ۔

بہت سے علماء کلام ان جیسی باتوں میں فلاسفہ سے الجھتے تھے اور ان کی غلطیاں نکالتے تھے ۔ علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ جہاں تک قرآن مجید کے پڑھنے سے سمجھ میں آتا ہے یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ستارے فضاء لا متناہی میں آزادانہ حرکت کر رہے ہیں ۔ جسطرح مچھلی دریا میں تیرتی ہے ۔ اسکی دلیل یہہ آیت ہے كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ = ہر ایک ان (اجرام علویہ) میں سے اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے ۔" علامہ موصوف نے بدلائل ان کے اس نظریے کا ابطال کیا ہے کہ آسمان خرق اور التیام قبول نہیں کرتے ۔ مسلمانوں میں بعض علماء ایسے بھی گذرے ہیں جن کو ہیئت جدید (جو در اصل فیثا غورثی ہیئت کی نئی شکل ہے) کے نظریوں کا علم تھا اور وہ اس کا ہیئت بطلیموسی سے مقابلہ کرتے اور اول الذکر

کو اس پر ترجیح دیتے تھے۔

یورپ میں بھی مدتوں بطلیموسی ہیئت کی تعلیم مروج رہی۔ سب سے پہلے جس نے اس برگشتہ یقینی کی اور فیثاغورثی اصول ہیئت کا احیا، کیا وہ کوپرنیکس تھا جس نے سولھویں صدی عیسوی کے اوائل میں علوم ریاضیہ کی تحصیل کے بعد علم ہیئت کی طرف توجہ کی۔ اس نے ثابت کیا کہ در اصل زمین حرکت کرتی ہے اور سورج ہماری اس دنیا یا بالفاظ دیگر نظام شمسی کا مرکز ہے سیارات اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور بُعد و قرب کے لحاظ سے ان کی ترتیب حسب ذیل ہے عطارد۔ زہرہ۔ زمین (کیونکہ یہہ بھی ایک سیارہ ہے)۔ مریخ۔ مشتری۔ زحل۔ اس نے ایک کتاب بنام "حرکات الاجرام السماویہ" شائع کرکے اپنے اس نظریے کا اعلان کیا۔ اس پر رومی کلیسا نے اُس پر کفر اور الحاد کا فتوے لگایا اور اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کے قتل تک سے دریغ نہ کرتے۔ بہرحال اُنھوں نے (یا دریوں نے) اسکی کتاب کو شجرۂ ممنوعہ قرار دیا۔ بااینہمہ اسکے یہہ نظریے مقبول اور مروج ہوئے اور آج تک اس کو ہیئت جدید کا بانی اور مجدد مانا جاتا ہے۔ کوپرنیکس کے بعد یورپ میں متعدد علما پیدا ہوئے جنھوں نے اس کے اصول ہیئت کی ترویج کی اور اسکو ہیئت جدید کے نام سے موسوم کیا۔ گو در اصل یہہ وہ ہیئت ہے جو بطلیموس کی پیدائش سے صدیوں پہلے فیثاغورث اسکی تعلیم دیا کرتا تھا۔

مسلمانوں میں جس وقت علوم عقلیہ کو فروغ حاصل تھا ہیئت کے مذکورہ بالا دونو طریقے زیر تدریس تھے اور ان کی تصنیفات میں ان دونو کا بیان لکھا ہے۔ علامہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد نے جس کا ۷۵۶ھ ہجری میں انتقال ہوا اپنی مشہور تصنیف "مواقف" میں ان دونو نظریوں کا ذکر کیا ہے۔ زمین کی حرکت کا ذکر کرکے جو اعتراضات اس پر وارد کئے جاتے ہیں وہ لکھے ہیں پھر ان کا جواب لکھا ہے اور ان کی تردید کی ہے۔ علامہ سید شریف جرجانی جس نے مواقف کی

ایک بسوط شرح لکھی ہے اور جو علماء میں بہت مقبول ہوئی جس کا ۱۲۸۰ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ مارتن مذکور کی تائید کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتاب مذکور میں دیکھ لے۔ خلاصہ یہہ کہ علماء اسلام کوپرنیکس سے بہت پہلے ہیئت جدید یا بالفاظ دیگر فیثاغورثی ہیئت کے نظریوں سے اچھی طرح واقف تھے بلکہ اس کے حامی تھے۔ یہاں پر استطراداً یہہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے یورپ کی تعلیم پائی ہے وہ اپنے یورپین اساتذہ کی تقلید میں عموماً یہہ راگ الاپتے رہتے ہیں کہ جو کچھ علمی ترقی آجکل دیکھی جاتی ہے یہہ سب اہل یورپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے لیکن حقیقت یہہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد ترقی میں علوم وفنون کو ترقی دینے میں کچھ کم مدد نہیں کی۔ بہت سے حقائق جن کا اکتشاف یورپ کے علماء سے منسوب کیا جاتا ہے ان کے اکتشاف کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ موسیو سدیو نے جو ایک فرانسیسی مورخ ہے اپنی "تاریخ عرب" میں مناسب بسط وتفصیل کے ساتھ اس بات کی تصریح کی ہے کہ بہت سی علمی باتیں جن کا موجد اہل یورپ کو سمجھا جاتا ہے مسلمانوں کی دریافت کی ہوئی ہیں اور یورپ والوں کی حیثیت ایک ناقل کی ہے۔

خاتون جمال نے کہا مضمون کافی طویل ہوچکا ہے۔ اب میں اسبارے میں آپ ہی کی رائے معلوم کرنے کی خواہاں ہوں۔ ابراہیم نے کہا میں تو کم از کم یہہ تمہید کئی بار بیان کرچکا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے ہر ایک چیز کو ویسی ہی فطرت بخشی ہے جو اس کے احتیاج اور ضرورت کے مطابق ہے ساتھ ہی تمام حیوانات کو جن میں انسان بھی شامل ہے اپنی ہی ضروریات کا علم دیا گیا ہے۔ دوسروں کی احتیاجات سے وہ قطعاً بے خبر رہتا ہے۔ اسمیں بھی خدائے پاک کی حکمت اور اس کا لطف او رمرحمت ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد حرف مطلب عرض کرتا ہوں ہمیں کواکب اور افلاک کے متعلق صرف اُن قوانین جاننے کی ضرورت ہے جن کا دن کے گھٹنے بڑھنے۔ چاند کے تغیرات

اور موسم کی تبدیلیوں سے تعلق ہے۔ جن پر ہمارے اکثر امور معاشیہ اور بعض امور دینیہ کا انحصار ہے۔ اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہہ مسائل علم ہئیت کا وہ حصہ ہے جس میں بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے متقدمین اور متاخرین ان امور کے متعلق متفق الکلمہ ہیں۔ برخلاف اس کے ایسے امور کہ اجرام سماویہ کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ ان کے اوصاف وغیرہ کیا ہیں؟ زمین حرکت کرتی ہے یا سورج پھرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہماری ضروریات زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان امور کا جاننا اور نہ جاننا برابر ہے۔ ہمارے معاشی او ردینی احتیاجات پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں پڑتا۔ خواہ زمین حرکت کرتی ہو یا سورج۔ دن رات اور موسموں کا حساب بہرحال ایک ہی تو ہے

جیسے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان مسائل کے دلائل قطعی اور یقینی نہیں بلکہ ظنی اور قیاسی ہیں۔ اور اسی وجہ سے متقدمین اور متاخرین یا بالفاظ دیگر ہئیت قدیم اور ہئیت جدید میں بڑا اختلاف ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ ہمیں یہہ بتانا چاہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیا سمجھے ہوئے ہو۔ قریب ترین اشیاء کی حقیقت کا علم تک نہیں اور دعوے کرتے ہو آسمانی علوم کے مقابلہ کرنے کا (یعنی اپنی محدود سمجھ کی بناپر عالم آخرت کے حقائق اور امور روحانیہ کا انکار کرتے ہو) ارد گرد کی کائنات میں زمین تمہارے لئے نزدیک ترین چیز ہے جس پر تمہاری سکونت اور رہنا سہنا ہے۔ بااینہمہ اب تک تم یہہ فیصلہ نہیں کرسکے کہ زمین متحرک ہے یا ساکن۔ اسی طرح روح کا مسئلہ ہے جس کی حقیقت اب تک ایک عقدۂ لاینحل ہے سچ ہے ؎

تو براوج فلک چہ دانی چیست چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست

الغرض علم ہئیت کی بنا بھی علم طب کی طرح دلائل ظنیہ پر ہے۔ خاتون مذکورنے اعتراضاً کہا میں یہہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ جو دلائل میں نے ہئیت کی کتابوں میں پڑھے ہیں مجھ تو وہ یقینی معلوم ہوتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ کونسے دلائل ہیں۔

لیکن تطویل سے پرہیز کیجئے گا کیونکہ وقت بہت کم ہے ۔ خاتون نے کہا حرکت ارض کے متعلق ان کی دلیل یہہ ہے کہ چھوٹے جسم کا بڑے جسم کے تابع ہونا اور اس کے گرد حرکت کرنا امر طبعی ہے تمام ستاروں اور سیاروں کے متعلق ثابت ہوچکا ہے کہ وہ اپنے محور پر گردش کرتے ہیں۔ زمین کو بھی ہم اسی پر قیاس کرسکتے ہیں ۔ خسوف کے وقت زمین کا سایہ چاند پر پڑتا ہے جس کو بنظر امعان دیکھنے سے زمین کا حرکت کرنا دیکھا جاسکتا ہے ۔ پنڈولم کے حرکت کرنے سے بھی زمین کی حرکت پر استدلال کیا جاسکتا ہے چنانچہ اس کو ایسی جگہ پر لٹکایا گیا جہاں اس پر خارجی موثرات کا کچھ بھی اثر نہ پڑے تو اسکی حرکت سے متقاطع خطوط ظہور میں آئے ۔ ان خطوط کے سروں نے قوسی لکیریں بنائیں جو قطبین کے قریب اور بعید ہونے کے مطابق گھٹتی اور بڑھتی تھیں اور خط استوا پر ان میں کسی قسم کا انحنا پیدا نہیں ہوتا تھا ۔ ایک اور یہہ تجربہ کیا گیا کہ الکوحل میں تھوڑا سا تیل ڈالا گیا اور ایک سوئی کے سرے سے اس کو حرکت میں لایا گیا تو اس میں گردش پیدا ہوئی اور اس تیل کے قطرہ کے قطبین پر تفرطح نمودار رہا (وہ چپٹے دکھائی دئے) ۔ ابراہیم نے کہا بعض تو محض تمثیلی دلیلیں ہیں جن سے بقول اہل منطق کے کوئی یقینی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا بعض کی بنا محض استبعاد پر ہے (مثلاً یہہ کہنا کہ فلاں بات بعید معلوم ہوتی ہے) ۔ یہہ بھی ویسی ہی ایک ظنی دلیل ہے ۔ البتہ اس قسم کے دلائل سے ایک طرح کی تسلی حاصل ہوتی ہے اور اسی لئے ان کو دلائل اقناعیہ کہتے ہیں ۔

خاتون جمال نے کہا ۔ فرض کیا کہ یہہ دلائل یقینی ہیں تو کیا قرآن مجید ان کی تکذیب کرتا ہے ؟ ابراہیم نے کہا قرآن کریم تو کسی انسان کا نہیں بلکہ خدائے پاک کا کلام ہے جسکی مانند لانے سے تمام فصحاء اور بلغاء عاجز ہیں ۔ اس کے نزول کا یہہ مقصد نہیں کہ دنیا میں جتنے فرقے یا مذاہب ہیں ہر ایک کے نظریوں پر آدمی قرآن مجید کی تطبیق کرتا پھرے ۔ عقول اور

اورادراکات میں بڑا تفاوت ہوتا ہے اس لئے ہر ایک اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق نظریئے قائم کرتا ہے ۔ تو کیا جب کبھی کوئی عالم یا حکیم یا فلاسفر کوئی نظریہ قائم کرے ہم قرآن اور حدیث کو اس کے موافق بنانے کی فکر میں پڑ جائیں ؟ (قرآن کریم کے نزول کا مقصد اولین ہمارے عقائد کی اصلاح اور نیک اعمال اور اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دینا ہے) زمین و آسمان اور دیگر کائنات علویہ اور سفلیہ کا ذکر کلام مجید میں صرف اس غرض کے لئے ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ۔ اس کی عظمت و جلال ۔ اس کی حکمت اور اسکی رحمت ۔ اور دیگر صفات کاملہ پر ہم ان سے استدلال کریں ۔ یہہ بحث چھیڑنا کہ زمین متحرک ہے یا ساکن اس غرض کے لئے مفید تو بھلا کیا ہوگا ۔ ان ابحاث میں پڑنا آدمی کو اصل مقصد سے دور لے جاتا ہے ۔ جب ہیئت قدیم کا دور دورہ تھا تو علماء نے قرآن اور حدیث کے نصوص کو اس کے اصول پر مطابق کرنا چاہا ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ تقریباً اس کے تمام اصول ہی غلط ہیں ۔ اور اب تو اسکی یہہ کیفیت ہے گویا ایک مردہ تھا جس کو قبر میں دفن کر دیا گیا ۔ البتہ اُس وقت میں بھی ایسے علماء تھے جو ہیئت قدیم کے نظریوں کو غلط سمجھتے تھے اور دلائل سے ان کی تردید کرتے تھے ۔ ان کی اپنی رائے اکثر مسائل میں وہی تھی جو آجکل کے علماء یورپ کی ہے ۔

خاتون جمال نے کہا ۔ اس پر کچھ مزید روشنی ڈالیں ۔ ابراہیم نے کہا یہہ تو تم سن چکی ہو کہ مواقف کے مصنف حرکت ارض کے قائل اور اس نظریئے کے حامی تھے ۔ اُس عہد میں عام طور پر لوگ ستاروں کی نحوست اور سعادت کو عقیدہ کے طور پر مانتے تھے اور بڑے بڑے واقعات کو ستاروں کی تربیع اور تثلیث کا نتیجہ خیال کرتے تھے ۔ آسمانوں کو ناقابل خرق والتیام سمجھتے تھے ۔ اور ان کے نزدیک یہہ بھی ایک مسلم بات تھی کہ افلاک میں بھی ذوی العقول کی طرح روح مدبرہ ہے اور وہ ذوی الارادہ اجسام ہیں ۔ وہ یہہ بھی کہتے تھے کہ کرۂ ہوائی کے اوپر ایک کرۂ ناری ہے

علمائے اسلام نے ان کی ان تمام باتوں کی تردید کی ہے اور علماء یورپ اس میں ان کے ہم نوا ہیں۔ اور اگرچہ متقدمین نے ہیئت قدیم کے نظریوں کا ابطال کرتے ہوئے قرآن مجید کی آیات سے استدلال نہیں کیا ہے لیکن کلام مجید میں ایسی آیات ضرور ہیں جن سے جدید نظریوں کی تائید کی جاسکتی ہے۔ مثلاً کلام مجید میں آیا ہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ "تم تو خیال کروگے کہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھیرے ہوئے ہیں بجالیکہ وہ بادلوں کی طرح (نامعلوم طور پر) حرکت کررہے ہیں" ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ = یہہ اللہ تعالے کی صنعت کا کمال ہے کہ اس نے ہر ایک چیز کو مضبوطی کے ساتھ بنایا" کیا معنے زمین اور پہاڑ اگرچہ نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کررہے ہیں پھر بھی تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا اور ہر ایک چیز اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ ٹھیری ہوئی ہے۔ بالفاظ دیگر UNSTABLE حالت میں نہیں ہے۔ دوسری ایک آیت ہے جس کی ابتدا میں زمین اور اس کے توابع کا ذکر فرماکر ارشاد ہوتا ہے يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ = دن کو رات سے ڈھانپ لیتا ہے" اس جملہ کا ذکر زمین کے بعد لانا کیا یہہ معنے نہیں رکھتا ہے کہ رات دن کا تعلق زمین سے ہے۔ اسی کی حرکت یومیہ سے جو وہ اپنے محور پر کرتی ہے لیل ونہار ظہور میں آتے ہیں۔ ایک تیسری آیت سناتا ہوں۔ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا = قسم کھاتا ہوں سورج اور اسکی روشنی کی۔ اور چاند کی جبکہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اور دن کی جبکہ وہ سورج کی روشنی میں جلا پیدا کرتا ہے۔ اور رات کی جبکہ وہ اسکی روشنی کو ڈھانک لیتی ہے" اس میں سمجھنے والے کے لئے یہ نکتہ موجود ہے کہ دن کا ظہور سورج کے سبب سے نہیں۔ بلکہ کسی اور چیز کی بدولت اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ سورج کی روشنی پورے شباب پر نظر آنے لگتی ہے یعنی جب زمین اپنی حرکتِ محوری سے اپنا ایک رخ آفتاب کے سامنے کرتی ہے تو دن پیدا ہوتا ہے اور جب

وہ اپنا موہنہ پھیر لیتی ہے تو سورج چھپ جاتا اور رات چھا جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا
جبکہ رات سورج کی روشنی کو ڈھانک لیتی ہے۔" الغرض ان آیات میں دن اور رات کی علت
فاعلیہ سورج کو نہیں بلکہ کسی اور چیز کو قرار دیا ہے۔ تو کیا ہم یہہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ "اور چیز" زمین ہے
یہہ استدلال علامہ شیخ محمد بیرم تونسی کے کلام سے ماخوذ ہے۔ ایک اور آیت بھی اس نظرئے کی تائید
میں پیش کی جاسکتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں زمین چاند اور سورج ہر سہ اجرام کا ذکر فرماکر ارشاد ہوتا ہے۔
کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ = ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔" یہاں پر کُلٌّ کا لفظ کہہ کر
زمین کو بھی شامل کرلیا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کریم ان جدید نظریوں میں سے کسی نظرئے کا بھی مخالف نہیں
علاوہ ازیں قرآن کریم کی آیات میں تاویل اور توجیہہ کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب
کوئی یقینی بات اسکے مخالف نظر آتی ہو۔ لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ ہیئت کے نظرئے از قسم ظنیات ہیں
انسان کا علم اس قدر محدود ہے کہ وہ اللہ تعالی کی پیدا کردہ اشیاء کا پورا علم کبھی حاصل نہیں کرسکتا
وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ = زمین و آسمان کے باشندے (انسان اور فرشتے)
اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتے بجز اس کے کہ وہ خود کسی چیز کا علم ان کو عطا کردے۔" اب ظاہر ہے
کہ وہ کسی ایسی چیز کا اپنے بندوں کے حق میں ارادہ نہیں فرماتا جس میں ان کے لئے کوئی بھلائی نہ ہو۔
کئی ایک باتیں ہیں جن کا علم انسان کے لئے مفید ہونے کی بجائے الٹا مضر ثابت ہوتا ہے۔
بعض اوقات وہ علم اس کو تحصیل معاش کے لئے جدوجہد کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ بجائیکہ اسی جدوجہد
پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ خود یورپ کے علما محققین کا یہی قول ہے۔ ایک فرنسیسی عالم لکھتے ہیں۔
"ہماری عقل ایک محدود دائرے کے اندر کام کرتی ہے۔ اگر ہم اسکو اجرام علویہ کی ماہیت معلوم
کرنے میں استعمال کریں تو بعینہٖ اسکی یہہ مثال ہوگی گویا کوئی شخص چھت کے نیچے کھڑا ہو کر چھت
کی اوپر کی اشیاء کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے۔ فرض کرو کہ اس کے پاس طاقتور دوربین بھی موجود ہے

لیکن کیا اسکی نظر چھت کے پار جاسکتی ہے" ایک اور فرانسیسی عالم فیلکس لامیروس نے جو انیسویں صدی کے علماء میں سے ہے تصریح کی ہے کہ قوت جاذبہ جس کا ہم اپنے علمی مجالس میں ذکر کرتے ہیں ایک ایسا لفظ ہے جس کے نتائج کو تو ہم جانتے ہیں لیکن اس کے سبب اور اسکی ماہیت کا ادراک کرنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ علماء طبعیین نے اسکی حقیقت کو دریافت کرنا چاہا لیکن بالآخر ہتھیار ڈال دئے" ان دونو علماء کے کلام سے ہماری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ "ہیئت کے نظرئے از قسم ظنیات ہیں" اگر خدائے پاک نے چاہا تو میزان الجواھر لکھتے وقت ہم اس موضوع پر سیر حاصل بحث کریں گے اور ثابت کردیں گے کہ ہر ایک حیوان کیلئے قدرت نے ایک حد مقرر کی ہے جس سے وہ کبھی تجاوز نہیں کرسکتا۔ اگر ایسا نہ ہو تو نظام عالم میں خلل آجائے۔

چوتھی فصل

(چاند کے اثرات اور اس کے خصائص)

چاند اگرچہ اتنا بڑا جسم نہیں لیکن ہمارے حق میں سورج کے بعد دوسرے درجہ پر چاند کو اہمیت حاصل ہے۔ رات کو منور کرنے کے علاوہ زمین اور اہل زمین پر وہ مختلف طریقوں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ سب سے بڑا اور نمایاں اثر اس کا سمندر پر مدّوجزر کی صورت میں ہوتا ہے جس کی کیفیت یہہ ہے کہ جب چاند مشرقی اُفق سے طلوع ہوکر سمندر کے کسی حصّہ کے مقابل ہوتا ہے تو اسکی کشش سے سمندر کے پانی میں اُبھار پیدا ہوتا ہے۔ اسی کا نام مد ہے۔ جوں جوں چاند اوپر چڑھتا ہے مد میں بالتدریج زیادتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب چاند سمت الراس پر آجاتا ہے تو اس حالت میں مد بھی اپنی انتہائی زیادتی کو پہونچ جاتا ہے۔ اور جب چاند ڈھلنے لگتا اور مغرب کی طرف نیچے ہونا شروع کرتا ہے تو اسی نسبت سے پانی میں کمی آتی جاتی ہے۔ اسی کا نام جزر ہے

اور یہ کمی اپنے انتہا تک اس وقت پہونچتی ہے جب چاند مغربی اُفق سے جا لگتا ہے۔ چاند کے غروب ہونے پر پھر دوسرا مدو جزر شروع ہوتا ہے جس کی شدت پہلے کی نسبت کم ہوتی ہے۔ اور دوبارہ چاند کے طلوع ہونے سے اس کا دورہ ختم ہوچکتا اور سمندر کا پانی اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے الغرض سمندر کے ہر ایک حصے میں چوبیس گھنٹوں کے اندر دو مرتبہ مدوجزر (جوار بھاٹا) آتا ہے۔ چاند کے اثرات میں سے دوسرا اثر یہ ہے کہ جب چاند کی روشنی زیادتی پر ہو تو حیوانات کے جسم میں قدرتی طور پر طاقت آجاتی ہے۔ حرارت اور رطوبت کا غلبہ ہوتا اور ان کی نشوونما کی استعداد بڑھ جاتی ہے انسان کے بدن میں بھی اخلاط کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی رگیں خون سے بھر جاتی ہیں۔ چاند کی روشنی میں جوں جوں کمی ہوتی ہے اجسام میں ضعف آکر ان پر برودت غالب آتی جاتی ہے۔ اور لزوماً نشوونما میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اخلاطِ انسانی اعماقِ بدن میں چلے جاتے ہیں اور خون کی رگیں پہلے کی طرح بھری نہیں رہتی ہیں۔ ایک اثر چاند کا یہ بھی ہے کہ چاندنی کے دنوں میں حیوانات کے بال جلدی جلدی بڑھتے ہیں۔ مہینے کی ابتدا میں ان کے بال غلیظ اور مہینے کے آخر میں باریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح قمری مہینہ کے پہلے پندرہ دنوں میں گائے بکری دودھ زیادہ دیتی ہیں اور مہینے کے نصفِ ثانی میں کم ۔ وعلیٰ ہذا القیاس دماغ میں زیادتی اور کمی آتی ہے۔ چاندنیوں میں انڈوں کے اندر مواد بڑھ جاتا ہے۔ مچھلیاں فربہ ہونے لگتی ہیں۔ کثرت کے ساتھ سطح آب پر تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس لئے ان کا شکار کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ زہر دار حشرات کی سمیت بھی ان دنوں میں زیادہ ہوتی اور درندے شکار کرنے پر زیادہ مستعد نظر آتے ہیں۔ درخت یا پودے ان ایام میں لگائے جائیں تو ان کی نشوونما اچھی ہوتی ہے اور تلقیح کے بعد ان میں عمدہ پھل لگتا ہے۔ ماہران زراعت کا قول ہے کہ مختلف قسم کے میوہ جات مثلاً آڑو۔ خربوزہ بادرنگ اور کدو وغیرہ اور ہر قسم کی سبزی ترکاری اور بھانت بھانت کے اناج چاندنی کے

اثر سے خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ اس کا اثر میووں اور پھولوں کے رنگ پر بھی پڑتا ہے یعنی ان کا رنگ اُن دنوں میں شوخ اور نکھرا ہوا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جو میوے اور پھول تاریک راتوں میں پیدا ہوتے ہیں اُن کی رنگت پھیکی سی ہوتی ہے اور وہ اتنے خوبصورت معلوم نہیں ہوتے۔ دوسرے خصائص کی بھی یہی کیفیت ہے کہ جو اثر چاندنی سے پیدا ہوتا ہے تاریک راتوں میں اُس کے برعکس ظہور میں آتا ہے۔ یہہ جو کچھ میں نے بیان کیا متقدمین کی کتابوں میں لکھا ہے علاوہ اس کے چاند میں اور بھی کئی ایک خصائص ہوں گے جن کا ان کو اور ہم کو علم نہیں ہوسکا۔

تیسرا باب

(اس میں وہ آیتیں ہیں جن کا تعلق ان سب مباحث سے ہی)

(اس باب میں پانچ فصلیں ہیں)

پہلی فصل

قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ۔ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ

وہی خدا تو ہے جس نے سورج کو روشنی کا منبع بنایا۔ چاند کو نور بخشا۔ اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم اس سے سالوں کا حساب معلوم کر لیا کرو۔ یہہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے عبث طور پر پیدا نہیں کیا۔ اُن کی تخلیق سچائی اور حکمت پر مبنی ہے۔ وہ اپنی آیتوں کو جاننے والوں

کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان فرماتا ہے (جاہلوں کو یہہ آیتیں سنانا اندھے کو چراغ دکھانا ہے)
بے شک رات دن کے آنے جانے گھٹنے بڑھنے اور تمام ان اشیاء کے پیدا کرنے میں جو آسمانوں
میں اور زمین میں موجود ہیں پرہیزگاروں کے لئے نشانیاں ہیں" خاتون جمال نے کہا
ہیئت اور دیگر علوم عقلیہ کے متعلق آپ بہت کچھ بتا چکے ۔ بہتر ہوگا کہ اب وہ آیتیں قرآن مجید
کی سنائیں جو انہی مباحث کے متعلق اس وقت آپ کے پیش نظر ہوں ۔ یہی وہ روشنی اور نور ہے
جس سے دلوں کو منور کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے ۔ ابراہیم نے کہا بے شک یہہ تمام باتیں
جن کا ذکر ہماری مجالس میں ہوا ہے مجمل طور پر کلام پاک میں موجود ہیں اور اللہ تعالےٰ نے
جا بجا ان آیاتِ قدرت پر غور کرنے کی ترغیب دی ہے اور ادھر توجہ دلائی ہے ۔ علماء
کا قول ہے کہ قرآن مجید میں پانچ سو آیتیں اس موضوع پر ہیں ۔ یہہ آیت جو شروع میں
لکھی گئی ہے منجملہ انہی آیات کے ایک ہے ۔ ضیاء اور نور میں یہہ فرق ہے کہ اول الذکر
میں طاقتور روشنی کا مفہوم پایا جاتا ہے لیکن نور مطلق روشنی کو کہتے ہیں ۔ آفتاب کے
لئے پہلا لفظ استعمال فرمایا کہ وہ ہر قسم کی روشنی کا منبع ہے اور اسکی روشنی قوی تر ہے ۔ چاند
کی روشنی اس کے مقابلہ میں مدھم اور ضعیف اور آفتاب کی روشنی سے مستفاد ہے ۔ ہر ایک
دن چاند الگ حصہ آسمان میں ہوتا ہے اسکو منزل کہتے ہیں ۔ کل اٹھائیس منزلیں ہیں
اور ہر ایک منزل کا نام علیحدہ ہے ۔ علاوہ ازیں چاند دوبارہ نکلنے سے پہلے ایک دو دن
استتار میں رہتا ہے ۔

(اللہ تعالےٰ کے عموم رحمت کا بیان)

جیسے کہ کلام پاک میں وارد ہوا ہوا ہے کہ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۔ میرے عموم
رحمت نے ہر ایک چیز کو گھیر رکھا ہے " بے شک ہر قسم کے لوگ خواہ وہ کتنے ہی غریب اور

ادنٰے درجہ کے سمجھے جاتے ہوں اپنی اپنی جگہ پر اللہ تعالٰے کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں (ہوا
اور پانی کیا کچھ کم نعمت ہے؟ ایک تندرستی اور سکونِ قلب ہزاروں نعمتوں کے برابر
ہے۔ مترجم)۔ اگر بادشاہوں اور امراء و اغنیاء کو الوان نعمت میسر ہیں تو کیا جب
غریب آدمی روٹی کا روکھا سوکھا ٹکڑا کھا کر بے فکر ہو کر سوجاتا ہے تو اسکی خوشی ایک
رفیع المرتبت بادشاہ سے کچھ کم ہوتی ہے؟ ؎

گدارا میسر چو شد نانِ شام چناں خوش بخسپد کہ سلطانِ شام

اسی طرح سونے چاندی کے برتنوں کی بجائے غریبوں کو لکڑی اور مٹی کے برتن دئے ہیں۔ اس مضمون
کو اردو کے ایک شاعر نے کس خوبی سے نظم کیا ہے ؎

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا جامِ جم سے یہہ مرا جام سفال اچھا ہے

پہننے کے لئے ریشم اور خز و دیباج مرصع بہ جواہر نہ سہی۔ روئی اور اون کے کپڑے تو مل جائیں گے
یہہ بھی میسر نہیں ہوں گے تو حیوانات کی کھال پہن کر بھی تو آدمی گرمی سردی کے حملوں سے محفوظ
رہ سکتا ہے۔ الغرض مقصود حیات ان چیزوں سے بھی ویسا ہی یا اس سے بہتر طریق پر پورا ہو سکتا
ہے جو ملوک اور امراء سونے چاندی کے برتنوں اور زرق و برق کی پوشاکوں سے پورا کرنے کے
خواہاں ہیں ؎

گر نبود بالش آگندہ پر کرد تواں خواب حجر زیر سر

تم نے دیکھا ہوگا کہ بادیۂ عرب میں ایک بدوی ہوتا ہے جس کی کل جائداد دو عدد بکریاں ہوتی
ہیں۔ اسکی سادہ مزاج اور جفاکش بیوی گھر کے کام کاج کے علاوہ اپنے ہاتھ سے اُن کا دودھ
دوہتی ہے اور دونو میاں بیوی ان کا دودھ پی کر گھی اور اون بیچ کر اپنا گذارہ کرتے ہیں اور دنیا
کے ہموم اور غموم سے آزاد رہ کر خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بلکہ یہہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ یورپ

کے ایک لکھپتی اور کروڑپتی کی نسبت اُن کی زندگی حقیقی مسرت کے لحاظ سے بہت بہتر ہوتی ہے
یہہ بھی عموم رحمت ہی کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہر ایک حیوان کو اس کے مناسب حال قدرتی
کا سامان عنایت فرمایا ہے۔ انسان کو قدرتی سامانِ مُدافعت عطا کرنے کی بجائے عقل اور سمجھ
بخشی ہے جس کی بدولت وہ ہر قسم کی آفات اور شرور سے بچنے کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ اور کر رہا
ہے۔ ایک دوسرے کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے اپنے فضل وکرم سے انسان کو قوت گویائی سے بہرہ ور
فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ = اس نے انسان کو پیدا کر کے اپنے خیالات ظاہر کرنے
کے لئے اسکو قوت بیانیہ بخشی "۔ حیوانات اگرچہ بظاہر اس نعمت سے محروم ہیں لیکن ان کو کسی اور
طرح پر جس کی ماہیت ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے افہام وتفہیم کی استعداد عطا کی ہے (چیل کو دیکھ کر
مرغی ایک خاص قسم کی آواز نکالتی ہے اور اسکے بچے فوراً اِدھر اُدھر ہو کر دبک جاتے ہیں۔ اسی
طرح اپنے بچّوں کو خوراک کی تلاش میں اپنے پیچھے چلنے کے لئے جو آواز نکالتی ہے اسکی نوعیت پہلی
آواز سے مختلف ہوتی ہے۔ ایک چیونٹی کو کسی جگہ پر اپنی مرغوب غذا کا ذخیرہ مل جائے تو وہ جاکر
دوسری چیونٹیوں کو اطلاع کر دیتی ہے اور گھڑی بھر میں اُن کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ اس قسم کی
سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں مترجم)۔ انسان اور حیوانات میں یہ افہام وتفہیم اللہ تعالیٰ کی
قدرت اور اُسکی رحمت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ = اُسی کی نشانیوں میں
سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبان (جس سے افہام وتفہیم کا ذریعہ مراد ہے)
اور تمہارے رنگ روپ (وضع قطع اور ہیئت) کا مختلف ہونا۔ بے شک ان باتوں میں
اہل علم کے لئے نشانیاں ہیں "۔ آیت کے آخری حصہ میں یہ نکتہ ہے کہ ان میں ایسی باریکیاں
ہیں جن کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو اکثر علوم پر عبور رکھتے ہوں۔۔

اس کے عموم رحمت کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ اس نے آسمان میں آفتاب عالم تاب کی
کی مشعل روشن کر رکھی ہے (وَ جَعَلْنَا فِیْهَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا = ہم نے آسمان میں ایک روشن
چراغ پیدا کیا) جس کی روشنی سے امیر و غریب دنیا کے ہر ایک کونے میں یکساں طور پر مستفید
ہوتے ہیں۔ رات کی تاریکیوں میں اس کا بدل چاند اور ستاروں کی روشنی ہے۔ چاند کے گھٹنے
بڑھنے کا ایسا نظام مقرر کیا جس کو دیکھ کر ایک جاہل بدوی بھی مہینے اور سال کا مفہوم سمجھ سکتا
ہے (لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ = تاکہ تم ان کے ذریعہ سالوں کا حساب معلوم کر سکو۔)
جس کے سمجھنے پر اس کے بہت سے امور معاشیہ اور بعض احکام دینیہ کا انحصار ہے۔ چاند
کے حالات بدلنا اس کے لئے ایک محسوس جنتری ہوتی ہے جو اسکو تاریخ معلوم کرنے کے لئے رصد
اور تقویم کی الجھنوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ کوئی بات جس کو خواص اور اہل علم جانتے ہوں
ایسی نہیں کہ عوام کے دسترس سے اس کا جاننا باہر ہو۔ سوال صرف ذرائع اور وسائل کا ہے خواص
اگر گھڑی کو دیکھ کر وقت معلوم کرتے ہیں تو عوام دیواروں اور درختوں وغیرہ کے سائے کو اپنا
رہنما بناتے ہیں اور وقت کے معلوم کرنے میں ان کو کچھ بھی دقت پیش نہیں آتی۔ رات کو ستاروں
کا جگہ بدلنا ان کے لئے گھڑی کا نعم البدل ہے۔ تاریخ معلوم کرنے کے لئے ان کو جنتری کی
ورق گردانی نہیں کرنی پڑتی۔ چاند ہی کی حالت کو دیکھ کر وہ بتا سکتے ہیں کہ آج کونسی تاریخ
ہے۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ = اللہ تعالیٰ کا ان سب چیزوں کو پیدا کرنا حکمت اور
صواب پر مبنی ہے۔ کوئی چیز بھی عبث اور باطل نہیں پیدا کی گئی۔"

دن اور رات کا تعاقب (یکے بعد دیگرے ظہور میں آنا) اور ان کا گھٹنا بڑھنا سورج کے
ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہونے پر (جو در اصل زمین کی حرکت سالانہ کا نتیجہ ہے
جو وہ اپنے مدار پر کرتی ہے) اور طول بلد اور عرض بلد کے مختلف ہونے پر منحصر ہے بعض

ملکوں میں بارہ مہینے دن رات برابر رہتے ہیں چنانچہ ان ملکوں میں جو خط استواء پر یا اسکے
قریب واقع ہیں ہمیشہ رات دن یکساں رہتے ہیں اور ہر ایک ان میں سے بارہ گھنٹہ کا ہوتا
ہے عین قطبین پر ہمیشہ چھ مہینہ کی رات اور چھ مہینہ کا دن ہوتا ہے۔ یہہ باتیں بظاہر عجیب
معلوم ہوتی ہیں لیکن علم ہیئت کی تھوڑی سی واقفیت سے اس کا سبب فوراً سمجھ میں آ سکتا
مذکورہ بالا ممالک کے علاوہ دوسرے ملکوں میں دن رات گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں نصف کرۂ
شمالی میں جنوری سے لے کر جون کے آخری ہفتہ تک دن بڑھتا اور رات میں اسی نسبت سے
کمی واقع ہوتی ہے۔ اور جولائی سے دسمبر کے آخری ہفتہ تک راتیں بڑھتی ہیں اور دن گھٹتے
چلے جاتے ہیں۔ نصف کرۂ جنوبی مثلاً آسٹریلیا وغیرہ میں معاملہ بالعکس ہوتا ہے۔ اسمیں ایک
لطیف اشارہ اس بات کا ہے کہ خدائے پاک کے مقرر کئے ہوئے نظامات میں بہر حال عدل و
مساوات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے (اچھی طرح سمجھ لیں)۔ کلام مجید میں ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ۔ خدائے پاک اس امر کا شاہد ہے کہ سوائے اس کے اور
کوئی معبود نہیں۔ ملائکہ اور اہل علم کی بھی یہی شہادت ہے۔ (وحدانیت کے ساتھ ہی) وہ عدل و
انصاف کے اصول پر قائم ہے" دن رات کے اختلاف اور گھٹنے بڑھنے میں بظاہر عدم مساوات
کا شبہ ہوتا ہے لیکن جیسے کہ اوپر مذکور ہوا اگر وسیع النظری سے کام لیا جائے اور مسئلہ کے ہر ایک پہلو
کو مدنظر رکھا جائے تو کامل عدل اور مساوات کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس مساوات کو سمجھنے کے لئے تو
کسی قدر سوچنے کی ضرورت ہے۔ موٹی عقل والوں کو سمجھانے کے لئے ممالک استوائیہ و قطبیہ میں
ایسی مساوات رکھی ہے جس کو خاص و عام عیاناً دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سال میں دو دفعہ
جبکہ ربیع اور خریف میں آفتاب نقطۂ اعتدال پر ہوتا ہے تمام دنیا کو رات دن کے مساوات کا
نظارہ دکھا دیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر سال بھر میں دو تاریخیں ۲۱ مارچ اور ۲۱ ستمبر ایسی ہیں کہ ساری

دنیا میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض کوتہ نظروں کو نوع انسانی کے مختلف احوال
دیکھ کر خدائے پاک کے متعلق ظلم اور بے انصافی کا شبہ ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ ایک تو بیٹھے
بٹھائے لکھپتی ہو جاتا ہے اور دوسرا دوڑ دھوپ کرنے کے باوجود بھی نان شبینہ کا محتاج ہوتا ہے
انہی حالات کو دیکھ کر ایک صاحب (سعدی رح) فرماتے ہیں ؎

کیمیا گر بہ غصہ مردہ ورنج　　ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

علی ہذا القیاس کوئی مریض ہے۔ کوئی نابینا اور اپاہج ہے۔ الغرض سیکڑوں آفات اور مصائب
ہیں جن میں بنی نوع انسان کو مبتلا دیکھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہہ ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ نے اپنے
کسی بندے کو ایک نعمت سے محروم رکھا ہے تو اسکی بجائے دوسری نعمت اسکو عطا کی ہے زید
ایک غریب اور بے مایہ شخص ہے۔ اسکو کھانے کے لئے بمشکل نان خشک میسر ہوتی ہے لیکن خدائے
پاک کے فضل سے اسکی صحت اچھی ہے۔ وہ کھانے کو اچھی طرح ہضم کرسکتا ہے اور کھانے پینے کا
غم چھوڑ کر تمام دوسرے افکار و ترددات سے آزاد ہے۔ اس کے مقابلہ میں مشہور موٹروں کے
کارخانہ کا مالک مسٹر فورڈ باوجود کروڑپتی ہونے کے صحت کی نعمت سے محروم ہے۔ کوئی لذیذ کھانا
اس کو ہضم نہیں ہوتا۔ اور با ایں ہمہ دولت و ثروت اسکی قسمت میں دودھ ڈبل روٹی لکھی ہے
اس سے بھی کبھی اس کا پیٹ پھول جاتا ہے اور اسکو ہاضم اور دافع ریاح دوائیاں کھانی پڑتی
ہیں (مترجم)۔ اسکی شرح بہت طویل ہے۔ کسی قدر دقیق بھی ہے۔ اسلئے سردست اسی پر اکتفا
کریں۔ دوسری چیزوں میں اگر بالفرض عدل اور مساوات کا جلوہ تم مشاہدہ نہیں کرسکتے ہو تو
ہوا اور پانی جیسی ہمہ گیر نعمتوں کی عمومیت پر غور کرو اور موت کے عالمگیر ہونے پر ایک نظر ڈالو
یہہ عموم رحمت کی ایک اور دلیل ہے کہ اس قسم کی چیزیں جن میں عدل اور مساوات کا پہلو
معلوم خاص و عام ہے پیدا کرکے اس کے عدل اور انصاف کی صفت کو سمجھنے میں کم فہم اور

کوتہ نظروں کے لئے سہولت پیدا کی۔

دوسری فصل

چونکہ آفتاب اور مہتاب اور دن رات کا یکے بعد دیگرے ظہور میں آنا قدرت کے عظیم ترین عجائبات میں سے ہے قرآن مجید میں ہمیں بار بار ان پر غور کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے اور کئی ایک آیتوں میں ان پر قسم کھائی ہے مثلاً وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَ اللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا (پوری آیت مع ترجمہ کے پہلے گذر چکی ہے) دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى تیسری جگہ فرمایا ہے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ = سورج اور چاند کا ایک نظم حساب ہے" چوتھی جگہ ہے وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ = سورج ایک مقررہ نظام پر چل رہا ہے جس کو خدائے قادر اور علیم نے مقدر فرمایا ہے۔ اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں چنانچہ بالآخر وہ کھجور کی قوس نما ٹہنی کی طرح دوبارہ ہلال کی صورت میں نمودار ہوتا ہے" اسکے بعد ارشاد ہے لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ = آفتاب کے لئے ممکن نہیں کہ وہ چاند کو آلے اور نہ ہی رات پیش دستی کرکے دن سے آگے نکل جا سکتی ہے۔ اور ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے" خاتون مذکور نے کہا اس کے کیا معنے ہوئے۔ ابراہیم نے کہا اس کے یہ معنے ہیں کہ جب تک رات اپنا مقررہ وقت پورا نہ کرے دن نہیں ہوتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نظام لیل و نہار کے مطابق جو رات بارہ گھنٹے کی قرار پائی ہے وہی رات کبھی گیارہ گھنٹے کی ہو جائے حاشا وکلا۔ ممکن نہیں کہ مقررہ نظام اوقات میں ایک منٹ تک کا فرق آجائے۔ اسی طرح جو وقت سورج کی حکمرانی کے لئے مقرر ہے

اس میں چاند تصرف نہیں کرسکتا اور چاند کی قلمرو میں سورج دخل انداز نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو قیامت آجائے۔ کیونکہ قیامت کا مفہوم یہی تو ہے کہ موجودہ نظام بگڑ جائے (جس کے بعد ایک نیا نظام ظہور میں آئے گا جو یوم الآخر کہلاتا ہے) چنانچہ قیامت کے حالات قرآن شریف میں اسطرح بیان ہوئے ہیں فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ۔ یعنی جب آنکھیں چوندھیا جائیں گی اور چاند بے نور ہوجائے گا اور سورج اور چاند ایک جگہ جمع ہوں گے (نظام عالم درہم برہم ہوگا) تو قیامت قائم ہوکر انسان کو حواس باختہ کردے گی اور وہ بھاگنے کا راستہ ڈھونڈھنے لگے گا" دوسری جگہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ = جب سورج کو لپیٹ لیا جائیگا۔ جب تارے بے نور ہوجائیں گے۔ جب پہاڑ اپنی اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے جب دس مہینے کی باردار اونٹنیاں بغیر مالک کے چھوڑ دی جائیں گی۔ جب جنگلی جانور اکٹھے کردیے جائیں گے (خوف زدہ ہوکر ایک دوسرے کے ساتھ ل جائیں گے) جبکہ سمندر تپ جائیں گے۔ اور جبکہ روح اور جسم کو جوڑ دیا جائے گا (مرے ہوئے دوبارہ زندہ ہوں گے)" مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کے غیر متوقع حالات اور کوائف پیش آئیں گے اور سارا نظام عالم درہم برہم ہوجائے گا تب قیامت قائم ہوگی۔ خبیث اور طیب۔ مومن اور کافر۔ ابرار اور صالحین اور فاسق فاجر لوگوں میں تمیز ہوگی اور ہر ایک اپنی جنس کے ساتھ ملحق ہوگا۔ موجودہ صورت باقی نہیں رہے گی کہ محسن اور غیر محسن کی کوئی تمیز نہیں۔ فاسق فاجر عیش کررہا ہے اور مومن صالح مبتلائے مصائب و آلام ہے وغیرہ وغیرہ۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ = یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالےٰ تمہیں اسی حالت

میں چھوڑ دے جس حالت میں کہ تم ہو جب تک برے بھلے کو ایک دوسرے سے الگ نہ کر دے"
خاتون مذکور نے کہا تم نے ابھی ایک اور آیت پڑھی تھی۔ وہ آیت یہ ہے قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۔ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ = اے میرے رسول! ان سے کہدیجئے۔ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک تم پر رات کو چھائے ہوئے رکھے تو کوئی دوسرا خدا ہے جو تمہارے لئے روشنی کرے؟ سنتے ہو کہ نہیں؟ اے میرے رسول! ان سے کہدیجئے کہ اگر اللہ تعالےٰ تمہارے دن کو اتنا بڑھادے کہ قیامت کو بھی اپنے دامن میں لے لے تو کیا کوئی دوسرا خدا ہے جو تمہارے آرام کے لئے رات ظہور میں لائے؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ اسی کی مہربانی تو ہے کہ اس نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور طلب رزق (اور دیگر مشاغل کے لئے جن میں کہ مشغول رہنا اس کا فضل وکرم ہے) کے لئے دن پیدا کیا۔ تاکہ تم اسکی ان مہربانیوں کو دیکھ کر اس کا شکر کرو"۔ اسکی ذرا تشریح کر دیجئے۔ ابراہیم نے تمہیداً کہا۔ خدائے پاک لطیف وخبیر نے نباتات کو اس طرز پر پیدا کیا کہ وہ اپنی غذا۔ پانی اور ہوا زمین سے حاصل کریں۔ یہ تینوں چیزیں ان کو بغیر کسی قسم کی حرکت کرنے کے میسر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے اپنے عموم رحمت سے بارش اور ان کے دیگر لوازم حیات کو مسخر کر دیا ہے۔ اپنی جگہ پر قائم رہ کر ان کو نہروں اور چشموں کے ذریعہ پانی پہونچا دیا جاتا ہے اور ہوا وغیرہ ضروریات مہیا کر دی جاتی ہیں۔ حیوانات اپنی غذا نباتات یا دوسرے حیوانات سے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن بہرحال طلب غذا کے لئے ان کے لئے

ادھر اُدھر چلنا پھرنا اور حرکت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے لازم تھا کہ ان کا مہربان خدا ان کے لئے چلنے پھرنے اور حرکت کرنے کی سہولتیں پیدا کرے۔ روشنی کا وجود میں لانا اسی حکمت پر مبنی ہے۔ نیز مفید اور مضر چیز کی تمیز بھی روشنی ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ لیکن حرکت کرتے کرتے تھک جانا اور راحت و آرام کا خواہشمند ہونا بھی حیوان کی سرشت میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس غرض کے لئے رات پیدا کی جو ان کے سکون و آرام اور استراحت کا باعث ہے ایک لحظہ کے لئے تم فرض کر لو کہ اگر جملہ عالم پر تاریکی چھائے رہتی اور دن کا دور دورہ نہ ہوتا تو حیوان اور انسان کس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔ ان کے تمام تر تصرفات رک جاتے اور ضروریات حیات کے لئے ان کا چلنا پھرنا اور آنا جانا موقوف ہو جاتا۔ پھر یہ فرض کر لو کہ ہر وقت دن چڑھا رہتا ہے اور رات کو کوئی جانتا تک نہیں۔ تھک کر لوگ بیٹھ جاتے لیکن ان کو سکون و آرام اور راحت نصیب نہ ہوتی۔ سچ ہے۔ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ الخ

خاتون جمال نے کہا اکثر شعراء رات کو سراہتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ ابراہیم نے کہا۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے کثیف اور لطیف۔ اس کا جسم کثیف ہے اور روح لطیف۔ جب انسان کا جسم حرکت میں ہوتا ہے تو اس کے حواس اور اسکی روح مشغول رہتے ہیں جسم کی حرکت موقوف ہو جائے تو حواس خود بخود اپنا عمل چھوڑ دیتے ہیں اور روح کو مطمئن ہو کر سوچنے اور فکر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور وہ باتیں اس کو یاد آنے لگتی ہیں جن کی طرف اس کا طبعی میلان ہوتا ہے۔ اس لئے اکثر احباب رات ہی کے وقت انس اور محبت کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور رات آنے کے متمنی رہتے ہیں۔ تمام حیوانات کو (جن میں انسان بھی شامل ہے) تمام دن کی دوڑ دھوپ سے آرام کرنے اور دن بھر کی تکان دور کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ نیز رات کے وقت خدائے پاک کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور ابرار صالحین اپنے رب پاک کی عبادت اور

مناجات میں رات کاٹتے ہیں جس سے ان کو وہ روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا خواب غفلت میں سونے والوں کو کبھی احساس نہیں ہو سکتا۔ ذوقِ این مے نشناسی بخدا تا نہ چشی۔ الغرض ہر ایک شخص رات کو اپنی اپنی جگہ پر پیارا اور محبوب سمجھتا ہے۔ کوئی اپنے بے تکلف دوستوں سے رنگ رلیاں منانے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ کسی کو عبادت اور مناجات کا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔ کوئی مطالعہ اور تصنیف میں دن کی پریشانیوں سے دور رہ کر مشغول رہنا چاہتا ہے۔ کوئی دن کی تگ و دو سے تنگ آ کر سستانے اور تھکے ہوئے اعضاء اور قوے کو راحت دینے کی تمنا کرتا ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ انسان تو انسان۔ حیوانات کو بھی اس وقت آرام کرنے اور خواب نوشین کے مزے لوٹنے کی تمنا ہوتی ہے خاتون جمال نے کہا مجھو آپ کی اس تقریر کی مناسبت سے ایک لطیفہ یاد آگیا ہے۔ مجوس کا عقیدہ ہے کہ اس عالم میں ایک کی بجائے (معاذ اللہ) دو خدا تصرف کر رہے ہیں۔ ایک کو یزدان کہتے ہیں جس کو وہ خیر برکت کا مظہر سمجھتے ہیں اور جس کو وہ نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آگ کی (جو نور کا مادہ ہے) پرستش کرتے اور ہر وقت اسکو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ان کے اس مزعوم خدا نے اپنے جی میں کہا اگر کوئی میری خدائی میں میرا حریف بن کر میرا مقابلہ کرے تو اس صورت میں میرا ردِ عمل کیا ہوگا اسی فکر کے نتیجہ کے طور پر ایک دوسرے خدا کا وجود تسلیم کیا گیا جس کو مجوس شر اور فساد کا مظہر سمجھتے ہیں اور اس کو تاریکی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا نام ان کے نزدیک اہرمن ہے۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ دنیا میں جتنی بھی اچھائیاں ہیں وہ یزدان کا فعل ہیں اور جتنی بھی اس عالم میں برائیاں ہیں اہرمن کی کارستانی ہے۔ مجوس کو مجوس بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ عموماً نجاست سے پرہیز نہیں کرتے یزدان کو مانویہ بھی کہتے ہیں کیونکہ مانی ان کے مذہب کا ایک بڑا پیشوا گذرا ہے شعراء نے بعض اوقات رات کی تعریف کرتے کرتے مذہب مجوس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ عربی ادب کا مشہور

شاعر متنبی کہتا ہے ؎

وکم لظلام اللیل عندك من ید تحدث ان المانویة تکذب

وقاك ردی الاعداء تسری الیھم وزارك فیه ذوالبنان المخضب

= رات کی تاریکی کے تم پر بڑے احسانات ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مانویہ جھوٹ بولتے ہیں۔جب تم دشمنوں کی بستی کے پاس گذرنے لگے تو (رات کی تاریکی کی وجہ سے ان کو خبر تک نہیں ہوئی اور) تم صاف بچ کر نکل گئے۔اور رات ہی کی تاریکی میں (چھپ کر) مہندی لگائے ہوئے محبوبہ نے تم سے ملاقات کی"۔ شعر ہی کا یہ کمال ہے کہ روشن کو تاریک اور تاریک کو روشن کرکے دکھانے کی اسمیں قابلیت ہے۔چنانچہ ایک دوسرا شاعر تخیل کی بلند پروازی سے مانویہ عقیدے کی سچائی ثابت کرتا ہے۔کہتا ہے ؎

ھدی بثنایاہ وضل بشعرہ فکدنا نقول المانویة تصدق

میرے محبوب نے مسکرا کر (اور دن کا نمونہ دکھا کر) ہدایت بخشی اور اسکی سیاہ زلفوں کے ظہور سے (جو رات کا نمونہ تھیں) لوگ گمراہ اور مفتون ہوئے۔یہ حالت دیکھ کر ہم یہ کہنے پر آمادہ ہوگئے کہ مانویہ سچ کہتے ہیں۔(یعنی یہ کہ تاریکی شر کا مظہر ہے اور روشنی خیر و برکت کا منبع ہے)" چند ایک اور اسی قسم کے عربی اشعار جو ادبی لطائف اور شاعرانہ نازک خیالوں پر مشتمل تھے سنا کر خاتون جمال نے اپنی بات ختم کی اور ساتھ ہی یہ مجلس ختم ہوئی۔

تیسری فصل

(سورۂ نحل کی بعض آیات کی تفسیر جن میں زمین اور آسمان کے عجائبات کا ذکر ہے)

ابراہیم نے جمال خاتون کو مخاطب کرکے کہا کیا کلام مجید سے کوئی ایسی جگہ تمہارے حافظ

میں ہے جہاں پر انسان۔ حیوانات۔ نباتات۔ پہاڑوں۔ دریاؤں۔ دن رات۔ آسمان اور زمین اور ستاروں وغیرہ عجائبات قدرت کا سلسلہ ذکر ہو۔ اس سوال کرنے سے ابراہیم کا یہ مقصد تھا کہ جمال خاتون کے استحضار آیات کا امتحان لے۔ چنانچہ تھوڑی دیر سوچ کر اس نے کہا۔ اللہ تعالٰی نے اپنی عظیم قدرت اور حکمت کا ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ۔ وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ۔ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَةً وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَعَلَی اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْھَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَھَا وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَاَنْھٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ خدائے پاک نے آسمانوں کو اور زمین کو سچائی کے ساتھ حکمت سے

منی کر کے پیدا کیا۔ ان جاہلوں کے شرک کرنے سے وہ بہت برتر ہے۔ آدمی کو اس نے ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا (اور جب وہ صاحب عقل و ادراک ہوا) تو وہ یکایک کھلے طور پر جھگڑنے لگا۔ چوپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا جن میں تمہارے لئے سردی سے بچنے کا سامان ہے اور کئی قسم کے فائدے ہیں اور انہی میں سے تم کو خوراک حاصل ہوتی ہے۔ اور انہی چوپایوں میں تمہارے لئے زینت ہے جبکہ تم ان کو شام کے وقت گھروں میں واپس لاتے ہو اور جبکہ ان کو چرانے کے لئے باہر لے جاتے ہو۔ اور یہی چوپائے تمہارے بوجھوں کو ان ملکوں میں لے جاتے ہیں جہاں سخت تکلیف اٹھائے بغیر تمہارا پہونچنا محال تھا بے شک تمہارا رب بڑا مہربان ہے۔ اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہاری رونق بڑھانے کا باعث ہوں۔ اور وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ہو (ریل گاڑی اور موٹر اور طیارات کو اُسوقت کون جانتا یا جان سکتا تھا) اور سیدھا راستہ آدمی کو خدائے پاک تک پہونچاتا ہے اور بعض راستے ٹیڑھے بھی ہوتے ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت بخش دیتا (لیکن جبر کرنا اسکی حکمت کے خلاف ہے) وہی خدا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے بادلوں سے پانی اتارا جس کو تم پیتے ہو اور اسی کی وجہ سے درختوں کی نشو و نما ہوتی ہے جن میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی کے ذریعہ وہ تمہارے لئے کھیتی اوگاتا ہے (اناج پیدا ہوتا ہے) اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اور میوے پیدا کرتا ہے۔ بے شک اسمیں تفکر کرنے والوں کے لئے (اسکی قدرت اور اس کی رحمت کی) نشانیاں ہیں۔ اسی نے تمہارے لئے دن رات۔ سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ اور ستارے بھی اس کے احکام کے تابع ہیں۔ بے شک اسمیں سمجھنے والوں کے لئے (اسکی عظمت اور اسکی رحمت کی) نشانیاں ہیں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے جو کچھ کہ اس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے اور جس کے انواع و اقسام مختلف ہیں۔ بے شک اسمیں اس قوم کے لئے نشانیاں ہیں جو ان باتوں سے سبق لیتے ہیں۔ وہی خدا ہے

جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس سے اپنے کھانے کے لئے تازہ گوشت حاصل کرو۔ اور اس سے ایسی چیزیں نکالو جن کا پہننا تم کو آراستہ کرے (مونگے اور موتی)۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اور جہاز اس کو چیرتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے تمہاری کئی ایک اغراض پوری ہوتی ہیں اور تم ان میں سفر کرکے اس کا فضل یعنی رزق طلب کرتے ہو۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم شکر گذار رہو۔ اور اس نے زمین میں اس لئے پہاڑ پیدا کئے کہ زمین کے ہلنے سے تم کو جنبش نہ ہو۔ اور اسمیں دریا بہائے اور راستے بنائے کہ تم ان سے ہدایت پاؤ نیز اور علامتیں پیدا کیں اور ستاروں سے یہ لوگ اپنے راستے دریافت کرتے ہیں۔ کیا وہ خدا جو سب کچھ پیدا کرتا ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم اس سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ اور اگر تم اللہ تعالے کی نعمتیں گننے بیٹھو تو ہرگز ان کا شمار نہ کر سکو۔ بے شک اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے''

ان آیتوں کی تلاوت سے فارغ ہو کر اس نے ان آیات کی مختصر سی تفسیر کی جس کا ملخص یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں آسمان و زمین کی تخلیق اور اس تخلیق کی حکمتوں پر جا بجا توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ ان تمام اشیاء میں سے جو انسان کے مشاہدہ میں آتی ہیں آسمان و زمین کی تخلیق قدرت اور حکمت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اسی طرح دوسرے درجہ پر انسان کی تخلیق ہے جو گویا خَلقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی علت غائیہ ہے اور جس کو گندے پانی کے قطرہ سے پیدا کرنے میں اسکی عظیم قدرت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اس لئے زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر کرکے خلقِ انسان کا ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی استطراداً یہ بتایا کہ باایں ہمہ عقل و فہم وہ اپنے مبدء تخلیق کو فراموش کرکے اپنے خالق کے احکام سے سرتابی کرنے اور اسکی قدرت سے انکار کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور اس پر اتنا مُصر ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کو سمجھائے تو وہ اس سے

جھگڑنے لگتا ہے۔ اسکو مناسب تھا کہ وہ اپنے آغاز اور انجام پر غور کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسکو گندے پانی کے ایک قطرہ سے صاحب عقل و ادراک انسان بنایا۔ اس کے لئے زمین و آسمان کی کائنات کو مختلف طریقوں سے مسخر کیا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ اپنے خالق کی عظمت کو پہچانتا اور اسکی نعمتوں کی شکر گذاری کرتا۔ وہ اسکی مخالفت کو اپنا مقصد زندگی بنا لیتا ہے اور باطل پر جھگڑتے جھگڑتے اپنی نجات کا موقعہ کھو بیٹھتا ہے۔ آیات مذکورہ بالا میں انسان کی تخلیق اور اسکی خودرائی اور سرکشی کا ذکر فرما کر اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت سے نازل فرمائیں۔ حیوانات کی تسخیر کا ذکر کیا۔ اور اس پر توجہ دلائی کہ انسان کی ان سے متعدد اغراض پوری ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی انزال بارش کا ذکر فرمایا جس پر انسان اور حیوان کی حیات و بقاء کا دارومدار ہے۔ اور پھر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان چیزوں کا ذکر فرمایا جو انسان کے لئے اسکی ضرورت اور اسکی لذت کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ اس کے بعد رات دن اور سورج چاند اور ستاروں کی تسخیر پر غور کرنے کے لئے انسان کو متوجہ کیا کیونکہ اس کے لئے مفصلہ بالا اسباب حاجت و لذت کے بہم پہونچانے میں ان اشیاء کو بڑا دخل ہے۔ مزید نعمتوں کا استحضار کرنے کے لئے سمندر کی تسخیر اور اس کے منافع جلیلہ پر توجہ دلائی اور پہاڑوں اور دریاؤں اور راستے دریافت کرنے کے لئے علامات کا پیدا کرنا ذکر کیا جو سراسر انسان کے لئے اسکی زندگی آرام اور راحت کے ساتھ بسر کرنے کے سامان ہیں۔

بالفاظ دیگر۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں خلق حیوان کا ذکر فرما کر بندوں پر اپنا احسان جتایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تم کو ان سے کھانے اور پہننے کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ ان کی اون اور ان کی کھال سے تم اپنے لئے لباس بناتے ہو۔ نیز خانہ بدوش قومیں ان کے چمڑوں

سے خیمے بناتی ہیں اور ان کے دودھ پر وہ اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ بار برداری کے جانور خود تم کو اور تمہارے اسباب تجارت کو اٹھا کر دور دراز ملکوں تک لے جاتے ہیں۔ ان فوائد اور منافع کے علاوہ وہ تمہارے لئے زینت ہیں۔ مختلف حیوانات کا مالک ہونا دولت اور ثروت کی دلیل ہے اور جس کے پاس اصطبل میں گھوڑے بندھے ہوں تو وہ کچھ کم فخر محسوس نہیں کرتا الغرض جانور ہمارے لئے کئی ایک فوائد اور منافع کا منبع ہیں اور نیز ان کا وجود ہمارے لئے زینت اور رونق کا باعث ہے۔ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اس لئے فرمایا کہ ہمارا علم محدود ہے اور بہت سی ایسی اشیاء جو ہمارے ہی فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں ہماری نظروں سے محجوب ہوتی ہیں۔ اور ہم مطلق نہیں جانتے کہ مستقبل میں ہمارے لئے کونسی نعمتوں اور کن کن برکات کا ظہور میں آنا مقدر کیا گیا (سواری کے سلسلہ میں ریل گاڑی۔ دخانی جہاز موٹر لاری اور ایروپلین اسکی واضح مثال ہے)۔ آسمان سے جو پانی اترتا ہے وہ ہمارے پینے کے کام آتا ہے جو ہماری زندگی کی ایک نہایت ہی اہم ضرورت ہے۔ اسی کی بدولت ہم وضو اور غسل کے ذریعہ اپنے جسم کو پاک و صاف رکھتے ہیں اور کپڑوں سے میل کچیل دور کرکے ان کو صاف ستھرا رکھنا اسی کا ایک کرشمہ ہے۔ کھیتی باڑی کا بھی اسی پر انحصار ہے اور ہمارے جانور بھی اسکے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ زمین کی پیداوار سراسر پانی کی برکت ہے۔ پیداوار میں سب سے پہلے اناج کا ذکر کیا کیونکہ ہماری غذاؤں میں سب سے اہم خوراک جس پر ہماری حیات وبقا کا دارومدار ہے یہی اناج ہے جیسے گیہوں۔ جوار اور چاول وغیرہ۔ جس کو عربی زبان میں زرع کہتے ہیں۔ زرع کے بعد زیتوں کا ذکر کیا کیونکہ اس درخت سے عرب لوگوں کو (جو اس کلام پاک کے اولیں مخاطب تھے) متعدد فوائد حاصل ہوتے تھے۔ اسکے پتے ان کے اونٹوں کی خوراک تھی اور اس کا میوہ وہ خود رغبت سے کھایا کرتے تھے۔ اسی میوے سے روغن زیتوں حاصل ہوتا ہے جسکو

وہ روٹی کے ساتھ کھاتے اور روشنی کرنے کے لئے چراغ میں جلایا کرتے تھے۔ تیسری جگہ پر کھجور مذکور ہے۔ دوسرے میوہ جات کے مقابلہ میں اس میں یہ خوبی ہے کہ وہ غذا بھی ہے اور لذت کی چیز بھی۔ کھجور کے بعد دوسرے میووں میں سب سے بہتر انگور ہے۔ اسلئے اسکی بھی تخصیص کی۔ باقی میووں کا مجمل ذکر ہی مناسب سمجھا گیا ع درخانہ اگر کس است یک حرف بس است۔ جن کو خدائے پاک نے قوت مفکرہ عطا کی ہے وہ تھوڑا سا اشارہ پاکر اپنی قوتِ فکر کی جولانی سے بہت کچھ باریکیاں معلوم کرسکتے ہیں۔

چونکہ ان تمام اشیاء کی نشوونما اجرام علویہ کی تاثیر سے ہوتی ہے اور انکی روشنی پر ہماری قوت باصرہ کے کارآمد ہونے اور بالواسطہ ضروریات معاش و معاد کو پورا کرنے کا دارومدار ہے اس لئے تعدید نعم کے سلسلہ میں اناج اور میوہ جات کا ذکر کرکے دن رات۔ اور سورج اور چاند اور ستاروں کا ذکر فرمایا۔ خدا کی قسم! جس کو یہہ تمام عجائبات قدرت دیکھ کر ان میں باری تعالیٰ کی قدرت کاکمال اور اس کی رحمت اور حکمت کا جمال نظر نہیں آتا یقیناً اس میں اور ایک حیوان لایعقل میں ذرا بھی فرق نہیں۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ = یہہ لوگ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں یہی لوگ ہیں جو غفلت اور بےخبری کی زندگی بسر کر رہے ہیں'' ایک یہہ بات کیا کچھ کم حیرت افزا ہے کہ سب نباتات کا رنگ سبز ہے اور باوجود ان کے لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے ہر ایک پودے کا رنگ دوسرے پودے سے الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ اور باوجودیکہ سب ایک ہی قسم کے ماحول میں پرورش پاتے ہیں لیکن سب کے پھل پھول۔ ان کی رنگت اور ان کا ذائقہ اور خواص الگ الگ ہوتے ہیں۔ یُسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ = سب کو ایک ہی طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے پھر بھی ان کا ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے'' افسوس ہے کہ ہم ان اشیاء پر

بھی غور نہیں کرتے جو ہمارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور ہمارے گردوپیش موجود رہتی ہیں۔ (ان باتوں کا ہم نے اپنی کتاب میزان الجواھر اور نظام العالم والامم میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مصنف)

سمندر بھی قدرت کے عجائبات میں سے ہے۔ اس کے پانی میں ایک بڑا جزو نمک ہوتا ہے جس میں یہہ حکمت ہے کہ مدت ہائے دراز تک ایک ہی جگہ پر ٹھیرے رہنے کے باوجود وہ بدبودار نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر وہ متعفن ہوکر تمام کرۂ ہوائی میں زہریلا مرض آور اثر پیدا کردیتا پھر اس پر غور کرو کہ اس میں کئی ایک ایسی چیزیں پیدا کیں جن سے انسان کی مختلف اغراض پوری ہوتی ہیں۔ سواحلی اقوام اپنی تمام تر خوراک اسکی مچھلیوں سے حاصل کرتی ہیں۔ اور موتی اور مونگے اس کے اعماق سے نکالے جاتے ہیں جو ملوک اور امراء کی خواتین کی زینت بڑھاتے ہیں اور سلاطین عظام کے تاج وتخت کی ترصیع ان سے ہوتی ہے۔ علماء سائنس نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ سمندر میں جتنی جاندار مخلوق موجود ہے اور جس کثرت سے اس میں انواع واقسام کے نباتات ہیں اس افراط سے خشکی پر بھی جاندار اور غیر جاندار اشیاء موجود نہیں جسطرح خشکی پر جنگل ہیں۔ سرسبز گھاس کے شاداب چمن ہیں قسم قسم کے پھل اور پھول ہیں۔ اسی طرح سطح آب کے نیچے بھی ہر قسم کے نباتات اور خوبصورت پھلواڑیاں ہیں جو چیز زمین کی خشکی پر موجود ہے علماء کا قول ہے کہ اسکی نظیر سمندر میں موجود ہے چنانچہ سمندر میں بعض ایسے سیپ ہیں جن کے موہنہ سے ریشم کے کیڑوں کی طرح مادۂ حریریہ (وہ مادہ جس سے ریشم کی تاریں بنتی ہیں) نکلتا ہے اور اٹلی کے بازاروں میں ریشم کی قیمت پر فروخت ہوتا ہے۔ سمندر کی تسخیر کے یہہ معنے ہیں کہ ہمیں اس سے مچھلی پکڑنے اور موتی اور مونگے نکالنے کا طریقہ سکھایا۔ مرجان یعنی مونگے ایک قسم کے بہت چھوٹے جاندار ہیں جو سمندر میں بستیاں

بناتے ہیں اور آپس میں ملکر مختلف خوبصورت پودوں کی شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی بستیاں گویا سمندر کے کھیت ہیں۔ تکمیل پاکر یہہ مونگے اور مرجان کہلاتے ہیں۔ الجزائر اور تونس کے سمندروں میں بافراط پیدا ہوتے ہیں۔ موتی نکالنے کے لئے خلیج فارس اور بعض دیگر مقامات مخصوص ہیں۔ یہہ دونو چیزیں قیمتی جواہرات خیال کئے جاتے ہیں اور زینت کے طور پر ان کو استعمال کرتے ہیں۔

چونکہ کرۂ ارض کا اکثر حصہ سمندروں سے ڈھکا ہوا ہے اور پایاب عبور کرنا اس کا ممکن نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل و دماغ میں کشتیاں اور جہاز بنانا القا کیا جو پانی کو چیرتے ہوئے سمندر پار نکل جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مسافروں اور لاکھوں ٹن مال تجارت کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاتے ہیں۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔ بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری میں دوسری اشیاء کی پیٹھ پر سوار کیا اور ان کو پاکیزہ اشیاء کھانے پینے کے لئے دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہتوں پر انکو فضیلت دی ‘‘ کشتیوں اور جہازوں کو بھاپ اور بجلی کے ذریعہ چلانے کا قرآن کریم میں ذکر نہیں لیکن قبل از وقوع اگر اس کا احسان جتایا جاتا تو یہ احسان جتانا قطع نظر اس سے کہ قبل از وقت تھا لوگوں کی سمجھ میں بھی نہ آتا اسلئے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہنے پر اکتفا فرمایا جس کے وسیع مفہوم میں اس قسم کی سب چیزیں آجاتی ہیں

زمین میں پہاڑوں کا پیدا کرنا بعینہ ایسا ہے جس طرح انسان اور دیگر حیوانات کے جسم میں ہڈیاں پیدا کیں تاکہ نرم اجزاء کو تھامے رکھیں۔ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ کے یہی معنے ہیں۔ پہاڑوں کے پیدا کرنے میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ اس کے پتھروں سے ہم مضبوط اور مستحکم مکانات اور قلعے تعمیر کرتے ہیں۔ ذخائر آب کے وہ مخزن ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بارش ہوتی ہے تو

کچھ پانی تو لڑھک کر وادیوں میں چلا آتا ہے۔ اور کچھ حصہ اس کا پہاڑوں کے نچلے حصے میں پہونچکر شگافوں کے ذریعہ اندر چلا جاتا ہے۔ جو ایک خاص نظام کے ماتحت بعد میں چشموں کی صورت میں پھوٹ کر دریاؤں کا جریانِ آب قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ پانی جو زمین کے نیچے کے طبقات میں جذب ہو کر دوبارہ زمین سے پھوٹ کر نکلتا ہے اس کا گذر مختلف قسم کے معدنیات پر ہوتا ہے مثلاً لوہا وغیرہ۔ ان معدنیات کے غیر مرئی ذرات پانی میں مل کر اپنے خواص سے اسکو مالا مال کر دیتے ہیں چنانچہ اس قسم کے چشموں کا پانی طرح طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے

مختلف قسم کے معدنیات کا پہاڑوں میں پایا جانا بھی پہاڑوں کے فوائد میں سے ایک جلیل القدر فائدہ ہے جن سے کہ انسانوں کی بہت اہم ضروریات پوری ہوتی ہیں (لوہے کی اہمیت کا ذکر گذشتہ ابحاث میں ہو چکا ہے) چونکہ بارش سال کے بعض حصوں میں نہیں ہوتی لہذا تاکہ ذخیرۂ آب ختم نہ ہونے پائے خدائے لطیف وخبیر نے اسکے لئے یہہ انتظام کیا ہے کہ جاڑوں میں پہاڑوں پر پانی کی بجائے برف پڑتی ہے جو اسطرح معلوم ہوتی ہے گویا پہاڑوں نے اپنے سر پر سفید عمامے باندھ لئے ہیں یا سفید ٹوپیاں پہن لی ہیں۔ جب اس برف پر سورج کی آڑی کرنیں پڑنا شروع ہوتی ہیں تو یہ برف پگھل پگھل کر ادر دریاؤں میں طغیانی لاکر ملکوں کی سیرابی۔ سرسبزی اور آبادی کا باعث ہوتی ہے (مثلاً دریائے نیل اور دریائے سندھ)۔ کیا یہ سب باتیں خدائے پاک کی رحمت کاملہ کے کرشمے نہیں؟ ایک لطیفہ سن لیجئے۔ طبعیات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر ایک سیال چیز منجمد ہوتی ہے تو اس کا حجم کم ہو جاتا ہے لیکن ایک پانی ایسی چیز ہے جو منجمد ہو کر اس کا حجم بڑھ جاتا ہے۔ اس میں بھی خدائے علیم وقدیر کی ایک حکمت ہے جب وہ پانی جو نیچے کے طبقوں میں پہاڑوں اور پتھریلی زمینوں کے اندر موجود رہتا ہے برودت کے اثر سے منجمد ہوتا ہے تو وہ اپنی جگہ میں نہیں سماتا۔ لامحالہ اس کے اردگرد کی چٹانیں (اس جمے ہوئے پانی کے پھیلنے سے)

پھٹ جاتی ہیں اور ان شگافوں کے ذریعہ وہ پانی قوتِ صاعدہ کے زور سے چشمے کی صورت میں زمین کی سطح پر پھوٹ نکلتا ہے۔ دچٹانوں کے پھٹ جانے سے سورج کی کرنوں کو باطن زمین میں نفوذ کرکے اپنا اثر دکھانے کا موقعہ مل جاتا ہے اور منجمد پانی پگھل کر پھوٹ نکلتا ہے جیسے کہ مذکورہ بالا فقرے میں مذکور ہے) ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ = یہہ خدائے قادر اور علیم کا مقدر کیا ہوا انتظام ہے "۔ تم نے دیکھ لیا کہ پانی کی یہہ خاصیت جو دوسری سیال چیزوں سے مختلف ہے کسقدر کار آمد ثابت ہوئی۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ = بے شک بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں بہہ کر نکلتی ہیں اور بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی پھوٹ نکلتا ہے "۔

آج کل کے لوگوں کا خیال ہے کہ ملک مصر میں زمین کی سطح کے نیچے چالیس پچاس گز کے فاصلے پر دریائے نیل کی طرح ایک دوسرا دریا موجود ہے۔ اس کا منبع جبل القمر میں ہے جس کا سلسلہ خط استوار کے پیچھے تین درجہ کی مسافت پر شروع ہوتا اور جنوبی عرض بلد کے چودہویں درجہ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ دریا زمین کی سطح کے نیچے راستہ بناتا ہوا بحر ابیض متوسط میں جا گرتا ہے اس کا پانی دریائے نیل کے پانی سے میٹھا اور صاف تر ہے کیونکہ وہ زمین کے نیچے ہونے کی وجہ سے ہر طرح کی غلاظت اور کدورت سے محفوظ ہے۔ گویا قدرت نے ظاہری نیل کو سیرابی آراضی کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور اس زیر زمین دریا کو پینے کے لئے لیکن ہمارے ہاں جو کنویں کھودے جاتے ہیں ان کو اتنا عمیق نہیں کیا جاتا کہ اس زیر زمین دریا کا پانی ان کا ذخیرۂ آب ہو۔ بلکہ زمین کے نیچے اس زیر زمین دریا کے طبقے سے کسی قدر بالائی طبقو میں چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں۔ ان کنوؤں میں انہی چشموں سے پانی آتا ہے۔ غور کا مقام ہے چونکہ انسانی احتیاجات میں پانی کا درجہ سب سے مقدم ہے اس لئے اللہ تعالٰے نے

اپنی رحمت سے اس کو اتنا عام کیا ہے کہ صحراؤں اور ریگستانوں میں بھی زمین کے نچلے طبقات میں پانی موجود رہتا ہے اور کھودنے سے نکالا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دریائے شور میں بھی بعض جگہوں پر میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین میں دونو طرح کا پانی موجود ہے کھاری بھی اور میٹھا بھی۔ با ایں ہمہ آب شیریں اور آب شور کے درمیان ایک قدرتی حائل ہے جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے نہیں دیتا۔ اور اس لئے وہ ایک دوسرے پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتے۔ اگر بالفرض ایسا نہ ہوتا تو نظام میں خلل واقع ہوتا جو انسان اور حیوان کی ہلاکت کا باعث ہوتا۔ زمین کے بہت سے حصے ایسے ہوتے ہیں جہاں ایک جگہ کھودو تو کھاری پانی نکلتا ہے اور اسی کے قریب دوسری جگہ کھودو تو میٹھا پانی نکل آتا ہے۔ مسافروں کو دریائے شور کے ساحل پر اس کا تجربہ ہوا ہے۔ اور یہ خدائے پاک کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ پانی کی قلیل سی مقدار اتنے بڑے دریا کے دستبرد سے محفوظ رہتی ہے۔ کلام مجید میں ایک آیت ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ = اس نے دو قسم کے دریاؤں کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ دونو آپس میں ٹکراتے ہیں (لیکن، ان دونو کے درمیان ایک حائل ہے (جسکی وجہ سے) وہ ایک دوسرے پر دست درازی نہیں کرتے "۔ (بعض اصحاب اسکی ایک محسوس مثال یہ بیان کرتے ہیں کہ دریائے شیریں مثلاً دریائے نیل۔ دریائے سندھ اور گنگا جب سمندر میں داخل ہوتے ہیں تو کئی میلوں تک ان کا پانی بظاہر ملے ہوئے ہونے کے باوجود سمندر کے کھاری پانی سے الگ رہتا ہے یعنی اس کا ذائقہ ویسا ہی شیریں رہتا ہے۔ مترجم) دنیا کی دوسری اشیاء بھی اسی طرح اپنے حدود سے متجاوز نہیں ہوتیں اور ایک دوسرے کے دائرۂ اثر پر دست درازی نہیں کرتیں مثلاً دن اور رات۔ سورج اور چاند وغیرہ وغیرہ۔ کلام پاک میں دوسری جگہ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ

الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا = وہی خدا ہے جس نے دو دریاؤں کو کھلا چھوڑ دیا۔ ایک کا پانی ہے میٹھا شیریں اور خوشگوار۔ اور یہ دوسرا کھاری نمکیں ہے۔ (بایں ہمہ) اس نے ان دونو کے درمیان ایک حائل اور ایک بڑی رکاوٹ پیدا کر دی ہے"

چوتھی فصل

(بعض دوسری آیاتِ قدرت کی تفسیر)

قال اللہ تعالےٰ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ وَّالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ = کیا انھوں نے کبھی آسمان کی طرف نظر نہیں کی جو ہر وقت ان کے اوپر رہتا ہے کسطرح ہم نے اسکو بنایا اور اسکی آرائش کی اور اس میں کسی قسم کا شگاف یا عیب نہیں۔ زمین کو ہم نے پھیلا کر اسمیں پہاڑ ڈال دئے اور اسمیں بھانت بھانت کے رونق بخش نباتات اوگائے۔ یہہ سب باتیں بصیرت افزائی کے لئے ہیں اور ہر ایک ایسے شخص کے لئے اُس میں سبق ہے جو خدائے پاک کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ہم نے بادلوں سے برکت والا پانی نازل کیا اور اس کے ذریعہ میووں کے باغات اور اناج اور اونچے اونچے کھجور کے درخت پیدا کئے جن پر تہ بہ تہ خوشے لگتے ہیں۔ یہہ سب کچھ بندوں کے لئے رزق کا سامان ہے۔ اور اسی پانی کے ذریعہ ہم نے مردہ قحط زدہ علاقے میں جان ڈالدی۔ اسی طرح آخرت میں مردہ زندہ ہوں گے"

یہ آیتیں پڑھ کر خاتون مذکور نے کہا۔ ان آیات میں تبصرہ "اور ذکرٰی لکل عبد منیب" لا کر تمام اہل فہم کو متنبہ کر دیا ہے۔ نباتات ہی کو لیجئے اُن کے تنوّع میں قدرت کے وہ عجائبات مضمر ہیں جن کو دریافت کر کے اصحاب عقل و ادراک عش عش کرتے ہیں۔ لیکن جاہل اس روحانی لذت سے اسطرح محروم ہیں جس طرح چوپائے گھاس چرتے ہیں لیکن اپنی اس غذا کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جاہلوں کو تفکر کی نعمت سے بے بہرہ رکھا گیا ہے۔ اُن کے نصیب میں صرف اتنی بات ہے کہ کلام پاک کی آیات کو زبانی پڑھ کر خوش ہوں۔ اور اپنے غلط اوہام و اذکار و باطل عقاید پر جمے رہیں۔ برخلاف اسکے اہل معرفت اور ارباب یقین کے نفوس شریفہ افکار عالیہ کی فضا میں پرواز کرتے اور آیات قرانیہ کی معانی اور حقائق دریافت کرنے میں اپنا وقت عزیز صرف کرتے ہیں۔ سعدی رح کہتے ہیں "مقصود از نزول قرآن تحصیل سیرۃ خوب است نہ ترتیل سورۃ مرغوب" جن کی نظریں بلند ہیں وہ ملکوت السماء کے نظارہ سے شوقِ معرفت کی پیاس بجھاتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حال قرآن مجید میں اسطرح بیان کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ = اور جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ آذر کو مخاطب کرکے کہا کیا تم نے ان بتوں کو خدا بنا رکھا ہے (بے شک یہ کسی قسم کا نفع نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو یہ حقیقت سمجھا دی ہے اور مجھ کو وہ علم دیا ہے جس سے تم محروم ہو) بے شک میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں" اسطرح وثوق کے ساتھ اس نے یہ حقیقت اس لئے بیان کی کہ اس کو زمین و آسمان۔ عرش اور کرسی۔ جنت اور نار۔ الغرض تمام حقائق ملک اور ملکوت کا علم عنایت فرمایا گیا تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ = اسی طرح (جس طرح اس کو

بت پرستی کی حقیقت سے آگاہ کیا) ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں میں اور زمین میں اپنے کامل تصرف کا مشاہدہ کرایا۔ اور اسکی غرض یہہ تھی کہ اس کو یقین حاصل ہو" ظاہر ہے کہ جس کو عجائبات تخلیق کا علم کما حقہ حاصل ہو اسکو ہر ایک مخلوق میں خالق کا جلوہ نظر آتا ہے (جسطرح ایک خوشنویس کاتب کے باکمال ہونے کا اسکی خوشخطی میں جلوہ دیکھا جاسکتا ہے) اور ہر ایک چیز میں اسکے مبدع کے حسن وجمال کا مشاہدہ اسکو نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سیدنا ابراہیمؑ کو تمام کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت اور حکمت کا نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ اور پھر اجرام علویہ تو قدرت کے شاہکار ہیں۔ ان میں تو اسکی عظمت اور اسکی حکمت اور دیگر صفات عالیہ کا جلوہ بدرجۂ اتم دیکھا جاسکتا ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا۔ جب رات کی تاریکی اس پر چھاگئی تو ایک ستارہ پر اسکی نظر پڑی" کہتے ہیں کہ یہہ ستارہ زہرہ تھا اور اس زمانے کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس میں مخلوقیت اور حدوث کی علامات نمایاں ہیں تو اس کے مونہہ سے بے ساختہ یہ نکلا کہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ = میں ٹلنے والوں کو پسند نہیں کرتا" چہ جائیکہ ان کو اپنا معبود قرار دوں۔ کیونکہ معبود قرار دینے کی بنا محبت پر ہے اور جس میں زوال اور اختلال کی علامات نمایاں ہوں وہ اس قابل نہیں کہ اس سے محبت کی جائے (محبت کا مرکز کوئی پائیدار موصوف بہ کمال ہستی ہونی چاہئے) وہ زہرہ کی علاماتِ حدوث وزوال پر غور کرہی رہا تھا کہ چاند طلوع ہوا اور جسکی روشنی زہرہ سے بدرجہا زائد تھی۔ اور بعض لوگ اسکو ذوق شوق سے پوجنے لگے تو چاند اسکی توجہ کا مرکز بن گیا۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ جب اس نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہنے لگا یہہ وہ ہستی ہے جسے مجھے اپنا معبود قرار دینا چاہئے لیکن جب وہ غروب ہوگیا (اور اسطرح اس کا حدوث اور زوال ثابت ہوا) تو اس نے کہا

اگر میرا رب مجھے ہدایت نہیں بخشے گا تو بے شک میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔" اس کے بعد آفتاب عالم تاب طلوع ہوا جس کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی اور اس کے طلوع ہونے پر بہت سے لوگ سجدے میں گر پڑے اور اسکی عبادت کرنے لگے لیکن جب اسکا بھی وہی انجام ہوا جو زہرہ اور قمر کا ہوا تھا تو اُس خدائے پاک کی وحدانیت اس کے دل میں بیٹھ گئی جو ان سب اشیاء کا خالق مدبر اور متصرف ہے۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ـ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ = جب اس نے سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو اس نے کہا۔ کیا یہی میرا معبود ہے۔ یہ تو فی الواقع ایک بڑی ہستی ہے (لیکن) جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے اعلان کر دیا کہ اے میری قوم! بے شک جن اشیاء کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے اپنا مونہہ اس خدائے برحق اور معبود مطلق کی طرف پھیر دیا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ میں باطل سے بیزار ہوں اور میں قطعاً مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔" ان آیات میں توحید کا نہایت واضح بیان ہے اور اس کے بعد چند ایک ایسی آیتیں ہیں جن میں نبوت کا اثبات ہے اور پھر یہ بتایا ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اپنے خالق تعالےٰ کی معرفت ہے چنانچہ آیات معرفت کی مختصر تفسیر ذیل کی فصل میں عرض ہے۔

پانچویں فصل

(ان اللہ فالق الحب والنوے کی مختصر تفسیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى = بے شک خدائے پاک ہی

اناج کے دانوں اور گٹھلیوں کے ذریعہ قسم قسم کے غلے اور طرح طرح کے میوے پھوڑ نکالتا ہے" اسبات پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ ایک چھوٹے سے اناج کے دانے اور میوے کی گٹھلی میں نباتات اور اشجار کی پوری زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ اناج سے مراد وہ غلہ جات ہیں جن سے انسان اپنی روزہ کی خوراک حاصل کرتا ہے مثلاً گیہوں اور جو۔ جوار اور باجرہ۔ چاول وغیرہ گٹھلی کا ذکر فرما کر ان تمام میوہ جات کی طرف اشارہ کردیا جن کے اندر بطور ان کے تخم کے گٹھلی پائی جاتی ہے مثلاً کھجور شفتالو۔ خوبانی۔ آلوچہ۔ آم وغیرہ۔ جب کوئی دانہ یا گٹھلی مرطوب زمین میں چھپا دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے چند دن کے بعد اسکے چھوٹے چھوٹے سبز پتے نکل آتے ہیں اور نشوونما پاکر اوّل الذکر سے اناج بھرے خوشے اور مؤخر الذکر سے رسیلے خوش ذائقہ میوے ظہور میں آتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی عجیب بات نہیں ہوسکتی وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ = بہت سے لوگ جانتے تک نہیں" یعنی آیات قدرت پر غور نہیں کرتے کہ انہیں قدرت کے عجائبات اور اسکی باریکیوں کا علم ہو۔ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ یعنی وہ خدا اپنی قدرت کاملہ سے زندہ اشیاء کو بے جان چیزوں اور بے جان مادہ سے ظہور میں لاتا ہے مثلاً انڈے سے مرغی کا چوزہ اور نطفے سے جیتا جاگتا انسان۔ اور وہی خدا بے جان چیزیں زندہ اشیاء سے نکالتا ہے (جن میں بے جان ہونے کے باوجود یہ استعداد ہوتی ہے کہ دوبارہ ان میں حیات پیدا ہو) مثلاً مرغی سے انڈے اور آدمی سے نطفہ کا باہر نکلنا۔ گو کہ عقلی طور پر چار صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں۔ زندہ سے بے جان۔ بے جان سے زندہ۔ زندہ سے زندہ۔ بے جان سے بے جان۔ اور اگرچہ یہ چاروں ممکن صورتیں کائنات میں پائی جاتی ہیں لیکن کلام پاک میں صرف پہلی دو صورتوں کا ذکر آیا ہے جو مظاہر قدرت میں ایک خاص شان رکھتی ہیں۔ ورنہ ویسے تو قدرت کی ہر ایک بات عجیب ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ یعنی وہی تمہارا معبود ہے جس کی

قدرت کاملہ کے یہہ کرشمے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان آیاتِ قدرت کو دیکھتے ہوئے بھی تم بھٹک جاتے ہو اور دوسروں کو معبود اور قاضی الحاجات سمجھنے لگتے ہو" اور جس طرح دانہ اور گٹھلی پھٹ کر اس سے ایسی اہم اشیاء ظہور میں آتی ہیں جن کے بغیر تمہارا زندہ اور خوشحال رہنا ناممکن تھا اور اس نظام کا خالق خدائے پاک ہے۔ اسی طرح رات کی تاریکی پھٹ کر اس سے صبح کو روشنی نمودار ہوتی ہے جو ویسے ہی تمہاری زندگی کا ضروری رکن ہے۔ اور جس کا ظہور میں لانا اسی کے دست قدرت کا تصرف ہے۔ پھر یہی نہیں کہ یہہ روشنی ہر وقت موجود رہ کر تمہاری زندگی کو دوبھر بنادے۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا = وہی تو ہے جو صبح کو (تاریکی سے) نمودار کرتا ہے اور جس نے رات کو آرام کے لئے بنایا" وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ = اسی نے سورج اور چاند کے لئے ایک حساب مقرر کیا (جسکی پابندی سے وہ سرمو انحراف نہیں کرتے) یہی خدائے غالب اور علیم کا مقرر کیا ہوا نظام ہے" چونکہ دن رات کے ظہور میں آنے کا باعث سورج ہی تھا اس لئے اس کا ذکر یہاں پر بہت موزوں تھا اور چونکہ سورج کا نظام قدرتِ باری عزاسمہٗ میں (خصوصاً ہم انسانوں کے لئے) ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے آخر آیت میں اپنی قدرت اور علم کے ہمہ گیر ہونے پر توجہ دلائی۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ = وہی خدائے پاک ہے جس نے ستاروں کو تمہارے لئے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنما بنایا۔ بے شک ہم نے جاننے والوں کے لئے پوری تفصیل بیان کردی ہے" (ستاروں کے ذریعہ راہ یاب ہونے کا مضمون کسی قدر تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے) وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ = وہی خدائے پاک ہے جس نے تم کو ایک ہی شخص کی اولاد ہو کر بڑھایا (تم پھلے پھولے)، پھر تمہارے لئے قرارگاہ بھی ہے اور

امانت گاہ بھی۔ قرارگاہ عالم برزخ اور امانت گاہ قبر۔ امانت گاہ ماں کا پیٹ اور قرارگاہ دنیا کی زندگی۔ قرارگاہ عالم آخرت جس کی زندگی دائمی ہے اور امانت گاہ دنیائے فانیہ جس کی زندگی چند روزہ ہے) بے شک سمجھنے والوں کے لئے ہم نے اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے"۔

وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا = وہی تو ہے جس نے بادلوں سے پانی اتارا (بارش کا نظام بنایا) پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے نباتات اوگائے۔ پھر اسکو سرسبز لہلہاتی ہوئی کھیتی بنایا اور اس سے اناج کی بھری ہوئی بالیاں نکالیں"۔ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ = اور کھجور کے درختوں یعنی ان کے شگوفوں سے خوشے نکالے جو میوے کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور انگور کے باغات اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جو (بعض صفات میں) ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور (بعض دیگر صفات میں) ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان درختوں کے پھلوں کے ظہور میں آنے اور ان کے پکنے کی کیفیت پر غور کرو۔ بے شک اس میں مؤمنوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔ ان آیات میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے۔ تمام وہ چیزیں جن سے تمہاری ضروریات پوری ہوتی ہیں تمہارے لئے مہیا کیں۔ علاوہ اس کے تمہارے لئے لذائذ کا پیدا کرنا بھی فراموش نہیں کیا۔ یہہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ بعض درخت آپس میں ملتے ہیں پھر بھی ان کا میوہ ذائقے اور لذت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسکی مثال یہہ ہے کہ تمام نباتات ہوا اور زمین سے ایک ہی قسم کی غذا حاصل کرتے ہیں پھر بھی کسی کا پھل اس قدر لذیذ اور شیریں ہے کہ پیٹ بھر لیا جائے تب بھی جی چاہتا ہے

کھائے جاؤں۔ اُسی سرزمین اور اسی ماحول میں ایک دوسرا پودا ہوتا ہے جس کا پھل اس قدر کڑوا اور بدمزہ ہوتا ہے کہ موہنہ میں ڈالا نہیں اور راخ تھوک کے اسکو پھینکا نہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ اسی تنوع کے مضمون کو ایک دوسری آیت میں اسطرح بیان فرمایا ہے اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۔ وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ۔ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ۔ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ = خدائے پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو (جملہ اجرام علویہ کو) بغیر کسی دکھائی دینے والے ستونوں کے بلندی پر قائم کر رکھا ہے (ہیئت جدید کے نظریے کے مطابق ایک غیر مرئی طاقت یعنی توت کشش کے ذریعہ تمام اجرام علویہ اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اپنے مرکز سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے۔ اپنے اپنے مدار پر مقررہ نظام کے مطابق حرکت کر رہے ہیں مترجم)۔ پھر دیہہ دیکھو کہ) عالم کو پیدا کر کے اسمیں تصرف کرنا شروع کیا (با لفاظ دیگر وہ نہ صرف کائنات کا خالق ہے بلکہ اُن کا مدبر بھی ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ = اسی نے پیدا کیا اور وہی حکم چلاتا ہے") سورج اور چاند کو اسی نے مسخر کیا۔ ہر ایک ان میں سے ایک مقررہ میعاد کے لئے حرکت کر رہا ہے (بالآخر ایک دن آئے گا جبکہ موجودہ نظام درہم برہم ہوجائیگا) وہی امور کی تدبیر کرتا ہے اور اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ وہی خدائے پاک ہے جس نے زمین کو پھیلا رکھا ہے (گو وہ کرہ ہے لیکن دیکھنے میں اسی طرح نظر آتی ہے)

اوراس میں پہاڑ اور دریا پیدا کئے (جن سے تم کئی فوائد حاصل کرتے ہو)۔اسی نے اس زمین میں ہر قسم کے میوے پیدا کرکے جوڑہ جوڑہ بنایا۔ (جدید تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ تمام نباتات میں نر اور مادہ کا امتیاز پایا جاتا ہے اور ان میں ذی حیات اشیاء کی طرح تلقیح ہوتی ہے۔ جیسے کہ پہلے اسکی مختصر سی تفصیل گذر چکی ہے)۔ دن کی روشنی کو رات کی تاریکی سے ڈھانپ لیتا ہے۔ بے شک ان باتوں میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (وہ اس سے ان اشیاء کے خالق کی قدرت وعظمت اور حکمت اور رحمت پر استدلال کرتے ہیں)۔ زمین کے کئی ٹکڑے (کھیت اور باغات) ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس میں انگور کے باغات۔ اناج کے کھیت۔ اور کھجور کے اکہرے اور دوہرے درخت ہوتے ہیں۔ سب ایک جیسے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ (باایں ہمہ) ہم ہی ہیں جو ان کے ذائقے مختلف کردیتے ہیں۔ ایک ایک سے بڑھ کر ہوتا ہے بیشک اسمیں سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں "

خاتون جمال نے کہا۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ گو قرآن مجید میں احکام شرعیہ بیان کرنے کے لئے صرف ڈیڑھ سو آیتیں ہیں لیکن عجائبات قدرت کے موضوع پر سات سو پچاس آیتیں کلام پاک میں موجود ہیں۔ عالم علوی اور سفلی کے تقریباً تمام مظاہر قدرت کا کہیں مجملاً اور کہیں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور جابجا آیات قدرت کو سمجھنے اور ان پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ابراہیم نے کہا تو پھر ایک دو آیتیں اور بھی سنا دیجئے۔ خاتون مذکور نے سورۂ الرحمان کی پہلی چند آیتیں تلاوت کیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ۔ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۔ بڑا مہربان خدا ہے جس نے (مکمل ہدایت کے لئے) تمہیں قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کرکے اسکو قوت

بیانیہ بخشی (تاکہ وہ ایک دوسرے کو اپنا مافی الضمیر سمجھا سکیں) ۔ سورج اور چاند مقرر اور منظم حساب کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اور پودے اور درخت اسی کے سامنے سربسجود ہیں (اس کے احکام کی کامل اطاعت کرتے ہیں) اور اللہ تعالی نے آسمان کو بلندی بخشی اور (ہر ایک چیز کے لئے) میزان (قاعدہ اور اصول) مقرر فرمایا کہ تم بھی (اس کے نظامات پر غور کر کے ان کی تقلید میں) میزان کی پابندی میں بے راہی نہ کرو۔ (تمہارا ہر ایک عمل عدل اور مساوات کے اصول پر ہو۔ افراط اور تفریط کا شائبہ اس میں نہ ہو) اور ہر ایک چیز کو عدل اور انصاف کے ساتھ وزن کرو اور میزان میں کمی نہ کرو (یعنی افراط اور تفریط دونوں سے بچے رہو)"۔ امام غزالیؒ نے اپنی ایک تصنیف میں میزان کی حسب ذیل تعریف کی ہے "میزان ایک ملکہ ہے۔ قوت تمیزیہ جس کے ذریعہ ہر ایک چیز کی حقیقت کو صحیح طور سے پہچانا جا سکتا ہے اور درست اور غلط عقیدہ میں واضح طور پر فرق کیا جا سکتا ہے۔ آسمان اور زمین کا واسطۂ اتصال یہی میزان ہے" اس کے بعد اس نے سورۂ رحمن کی مذکورہ بالا آیت کا اقتباس دیا ہے اور لکھا ہے کہ "میزان" ربوبیت کے اسرار میں سے ہے اور اس کا علم علماء راسخین ہی کو میسر ہوتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

ذیل میں پورے بیس دلچسپ سوال اور جواب ذکاہات اور تمرین ذہنی کے طور پر درج ہیں جنکا تعلق علم حساب۔ الجبرا علم ہئیت اور طبعیات سے ہے

ابراہیم مصری اور خاتون جمال نے چاہا کہ موضوع گفتگو بدل کر اپنے اذہان کو ان متین مباحث پر غور کرنے سے راحت بخشیں اور کوئی ایسی گفتگو اختیار کریں جس میں ذہنی تفریح بھی ہو اور اسکا موضوع بھی علمی ہو۔ چنانچہ جمال خاتون نے ابراہیم سے کہا میں نے ادب عربی کی کتابوں میں ایک لطیفہ پڑھا ہے کہ :-

(۱) ایک بدوی عورت نے دیکھا کہ کچھ کبوتر آئے اور پانی کے کنارے بیٹھ گئے۔ اس نے فی البدیہ کہا لیت ھذا الحمام لیہ۔ ونصفہ الی حمامتیہ۔ تم الحمام میہ = کاش یہ سب کبوتر میرے ہوتے۔ میرا اپنا ایک کبوتر اور ان کے آدھے کبوتر اور ہوتے۔ اندریں صورت میرے پاس پورے سو کبوتر ہوجاتے "۔ ایک شکاری اس مقام پر موجود تھا جس نے ان کبوتروں کو شکار کرلیا۔ گننے پر معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ۶۶ تھی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس بدویہ کا قول بالکل درست تھا۔ ۶۶ کے ساتھ اس کا نصف اور ایک عدد اور شامل کرو تو میزان ایک سو ہوگا۔ جمال خاتون نے ابراہیم سے مخاطب ہوکر کہا بتلایئے اس کا حل حسابی قاعدے سے کس طرح نکالیں گے۔ اس نے فوراً پنسل لے کر اسکو حل کیا (یہاں پر فاضل مصنف نے الجبرا کے اصول اور قاعدے کے مطابق اس حل کا عمل لکھا ہے)۔ خاتون مذکور نے کہا یہ تو ایک سادہ سوال تھا۔ آپ نے اسکو طولانی طریقہ پر حل کیا۔ اس نے کہا اصول فن کا تقاضا یہی تھا مشکل سوالات اس طول عمل کے بغیر حل نہیں ہوتے۔ اور ظاہر ہے کہ قاعدہ سب کے لئے ایک ہونا چاہئے۔

(۲) جمال خاتون نے کہا۔ میری اپنی ایک سہیلی سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا میرے والد اور میرے بڑے اور چھوٹے بھائی نے مل کر ایک گھوڑا خریدا ہے جسکی قیمت مبلغ ایک سو اشرفیاں ہیں میرے تینوں کے پاس ان کی جیب میں اشرفیوں کی مختلف تعداد ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ کس کی جیب میں کتنی اشرفیاں ہیں۔ یہ تو میں نہیں بتاؤں گی کہ کس کے پاس کتنی اشرفیاں ہیں البتہ اس کا پتہ بتائے دیتی ہوں۔ چھوٹے بھائی کے پاس جو رقم ہے اگر اس کے ساتھ اس رقم کا نصف جمع کرلیں جو بڑے بھائی کے پاس ہے تو اس کی میزان گھوڑے کی پوری رقم ہوگی۔ اسی طرح بڑے بھائی کی پوری رقم کے ساتھ اس رقم کی تہائی جمع کرلیں جو باپ کے پاس ہے تب بھی وہی میزان ہوگی۔ وعلی ہذا القیاس اگر باپ کے پاس جو رقم ہے اس کے ساتھ چھوٹے بھائی کی رقم

کا چوتھا حصہ ملالیں" مجھ سے تو اس کا کچھ بھی جواب نہیں بن سکا۔ براہ مہربانی آپ ہی الجبرا کا
کوئی قاعدہ استعمال کرکے اس کا حل نکالیں۔ ابراہیم نے پھر پنسل سنبھال لی اور اس کا پورا عمل ایک
کاغذ پر لکھ ڈالا جس کا ملخص یہ تھا کہ کل قیمت گھوڑے کی سو اشرفیاں ہیں۔ باپ کے پاس ۴۸
اشرفیاں ہیں۔ بڑے بھائی کے پاس ۲۷ اور چھوٹے بھائی کے پاس ۶۴۔ اشرفیاں ہیں۔ اس
جواب کا درست ہونا یا نہ ہونا تم خود جانچ لو۔ جمال خاتون نے کہا جواب تو بالکل درست ہے
لیکن عمل کرتے وقت جو حروف تم نے رمز اور اشارہ کے طور پر لکھے ہیں وہ سمجھ میں نہیں آئے۔
ابراہیم نے کہا اس وقت ہم صرف ذہنی تفریح کے طور پر یہ سوال جواب کر رہے ہیں۔ اس لئے
حسابی الجھنوں میں پڑکر اپنے ذہن کو پریشان کرنا مناسب نہیں۔ خاتون مذکور نے کہا تو پھر
حسابی عمل لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتی جاؤں گی۔ آپ بتاتے جائیں۔ البتہ اتنا
مجھے معلوم ہوگیا کہ الجبرا ایک نہایت مفید اور دلچسپ فن ہے جس سے بڑے بڑے حسابی مسائل
حل کئے جا سکتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا بے شک۔ یہ ایک دو سوال جو میں نے الجبرا سے حل کئے
ان کا حل کرنا تو بہت آسان تھا۔ اسکی بدولت تو کئی پیچیدہ سوالات حل ہو سکتے ہیں۔

(۳) جمال خاتون نے کہا ہماری لائبریری میں تین قسم کی کتابیں ہیں۔ کتب شرع۔ کتب
فلسفہ۔ کتب ادب۔ کتب شرع کی تعداد کتب فلسفہ سے دوگنی ہے۔ اسی طرح فلسفہ کی کتابیں کتب
ادب سے دوگنی تعداد میں ہیں۔ ہماری لائبریری میں کل ۲۶۶ کتابیں ہیں۔ بتائیے ہر ایک
قسم کی کتابوں کی تعداد کیا ہوگی۔ ابراہیم نے کہا اس کا جواب تو بہت آسان ہے کتب شرع
کی تعداد ہے ۱۵۲۔ کتب فلسفہ کی تعداد ۷۶ اور کتب ادب کی ۳۸ ہے۔

(۴) اس نے کہا۔ میرا چھوٹا بھائی مدرسہ میں پڑھتا ہے اس سے عمر کی بابت پوچھا گیا
تو اس نے کہا خواہ میری عمر کو تگنا کرکے اس کے ساتھ ۲۵ کا عدد شامل کردو یا میری عمر کو دس

ضرب دیکر اس سے ۲۵ کا عدد تفریق کرو دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہوگا۔ ابراہیم نے کہا بچے کی عمر دس سال ہے۔

(۵) اس نے کہا ہمارے گھر میں پانسو اشرفیاں تھیں۔ جناب والد نے ان کو میرے چار بھائیوں میں ان کو تقسیم کرنا چاہا اور سب کو اپنی مرضی کے مطابق حصہ دیا۔ اب جو حصہ بھائی نمبر ۱ کو ملا اگر اسکے ساتھ بھائی نمبر ۲ کا حصہ بھی شامل کر لیا جائے تو دونوں کا مجموعہ ۲۸۰ اشرفیاں ہوں گی بھائی نمبر ۳ کا حصہ بھائی نمبر ۱ کے حصہ کے ساتھ ملایا جائے تو ۲۶۰ اشرفیاں اس کی میزان ہوگی لیکن اگر بھائی نمبر ۱ کے حصہ میں بھائی نمبر ۴ کا حصہ شامل کر دیں تو اس کے معنے یہہ ہوں گے کہ دونو کو ۲۲۰ اشرفیاں ملیں۔ ابراہیم نے کہا۔ ہر چہار بھائیوں کو بالترتیب حسب ذیل اشرفیاں ملی ہیں ۱۳۰ ــــ ۱۵۰ ــــ ۱۳۰ ــــ ۹۰ ــ خاتون مذکورہ نے کہا بے شک حساب بڑا مزیدار علم ہے۔

(۶) پھر پوچھا۔ وہ کونسے دو عدد ہیں کہ اگر پہلے کو ان میں سے ۳ میں ضرب دیں اور دوسرے کو ۴ میں تو دونو حاصل ضرب کا مجموعہ ۴۳ ہوگا۔ لیکن اگر پہلے عدد کو ۴ میں ضرب دیں اور دوسرے کو ۳ میں تو دونو کے حاصل ضرب میں ۱ کا فرق ہوگا۔ ابراہیم نے کہا یہہ دو عدد بالترتیب ۵ اور ۷ کا عدد ہے۔

(۷) ابراہیم نے خاتون مذکورہ سے دریافت کیا۔ آپ کی عمر کیا ہے۔ تھوڑی دیر چپ رہ کر اس نے کہا میری بڑی اور چھوٹی بہن کی عمر کا جو مجموعہ ہے میری عمر اس کا ½ ہے۔ ابراہیم نے کہا۔ مجھے تو ان کی بھی عمر معلوم نہیں اس نے کہا سات سال پہلے میری بڑی بہن کی عمر چھوٹی بہن کی عمر سے چار گنا تھی لیکن سات سال کے بعد بڑی کی عمر چھوٹی کی عمر سے دوگنی ہوگی۔ ابراہیم نے کہا پھر تو جواب معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ تمہاری بڑی بہن کی عمر ۳۵ سال ہے اور چھوٹی کی ۱۴ سال۔ اور خود آپکی عمر ½ ۴۲ سال ہوئی۔ ابراہیم نے کہا غالباً آپ بھی

الجبرا جانتی ہیں۔ اس کا اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ ابراہیم سمجھ گیا کہ وہ تجاہل کر رہی ہے۔

(۸) جمال خاتون نے کہا میں نے اور میری دو لو بہنوں نے کچھ روپیہ تجارت پر لگایا۔ ایک سال کا نفع شامل کر کے ۴۰۰ اشرفیاں ہم کو کارخانہ نے ادا کیں۔ میں نے اپنی چھوٹی بہن کے حصہ سے دو گنا حصہ لے کر بیس اشرفیاں اور لیں اور میری بڑی بہن کو ہم دونو کے برابر حصہ ملا۔ بتائیے ہم نے کیا کچھ لیا۔ ابراہیم نے کہا بڑی بہن نے ۲۰۰ اشرفیاں اور آپ نے ۱۴۰ اشرفیاں لیں اور تمہاری چھوٹی بہن کو ۶۰ اشرفیاں دی گئیں۔ آسان سوال تھا۔

(۹) اس نے کہا ۵۲۵ کے عدد کو ایسے دو حصوں میں تقسیم کرو کہ اگر بڑے عدد کو ۲۵ پر تقسیم کریں اور چھوٹے کو ۳۰ پر تو دونو خارج قسمت کا مجموعہ ۲۰ ہو۔ ابراہیم نے کہا۔ بڑا عدد ۳۷۵ ہے اور چھوٹا ۱۵۰۔ اپنے سوال کے مطابق اسکو جانچ لو۔

(۱۰) جمال خاتون نے پھر سوال کیا۔ ریلوے کے دو سٹیشنوں کے درمیان ۵۱۲ کیلومیٹر کا فاصلہ ہے ایک سٹیشن سے صبح کے ۱۱ بجے دوسرے سٹیشن کو گاڑی روانہ ہوئی۔ اس کی رفتار فی گھنٹہ ۴۰ کیلومیٹر تھی۔ اب ظہر کے ایک بجے دوسرے سٹیشن سے ایک دوسری گاڑی پہلے سٹیشن کی طرف روانہ ہوئی۔ اسکی رفتار ۳۲ کیلومیٹر فی گھنٹہ تھی۔ یہ بتائیں کہ یہ دونو گاڑیاں کس وقت کراس کرینگی اور کراس کرنیکی جگہ ان دونو سٹیشنوں سے کتنی مسافت پر ہوگی۔ ابراہیم نے کہا دونو گاڑیاں چھ گھنٹے کے بعد ایک جگہ پر جمع ہونگی جس کا فاصلہ پہلے سٹیشن سے ۳۲۰ کیلومیٹر اور دوسرے سٹیشن سے ۱۹۲ کیلومیٹر ہوگا۔ خاتون مذکور نے کہا اسکی ذرا توضیح کر دیجئے۔ چنانچہ ابراہیم نے اس کا حسابی عمل لکھ کر اسکے حوالے کیا جس سے اس کی پوری تسلی ہوگئی۔

(۱۱) اس نے کہا یہ تو بتائیے کہ کرۂ ارضی کا محیط (سرکمفرنس) خط استوا کے محاذ پر کتنے میٹر ہے؟ جواب۔ ۴۰۰۷۶۶۳۰ میٹر۔

(۱۲) **سوال** ۔کرۂ ارض کا نصف قطر کتنے میٹر ہے؟ **جواب** ۔ ۶۳۶۶۱۹۸ میٹر۔

(۱۳) **سوال** ۔حرکت زمین کی رفتار فی سکنڈ ملک مصر میں ۔خط استواء پر ۔اور پیرس دار الحکومت فرانس میں علیحدہ علیحدہ بتائیں ۔ **جواب** ۔خط استواء پر حرکت زمین کی رفتار فی سکنڈ ۴۶۰ میٹر ہے مصر میں ۴۱۹ ۔اور پیرس میں ۳۰۵ ۔

(۱۴) **سوال** ۔علماء طبعیات کہتے ہیں کہ زمین کی رفتار میں جس قدر تیزی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اجسام کا وزن کم ہو جاتا ہے ۔زمین کی موجودہ حرکت کی رفتار کس قدر بڑھ جائے تو خط استواء پر اشیاء کا وزن اور ثقل کلیتہً معدوم ہو جائے گا؟ **جواب** ۔اگر زمین کی موجودہ حرکت ، اگونہ تک پہونچ جائے تو خط استواء پر چیزوں کا وزن بالکل مفقود ہو جائے گا ۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامل اور حسن نظام کا نتیجہ ہے کہ زمین ایسے انداز پر حرکت کرتی ہے کہ اشیاء کا وزن قائم رہے (جس کے قائم رکھنے میں حکمت ہے) ۔اگر اسکی حرکت بہت تیز ہوتی تو اشیاء کا وزن کم یا مفقود ہوتا اور انسان کے لئے اس پر بود و باش رکھنا مشکل ہو جاتا ہے ۔اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔بے شک خدائے پاک اپنی قدرت سے آسمانوں کو اور زمین کو (اپنی اپنی جگہ پر) تھامے ہوئے ہے اور ان کو ٹلنے نہیں دیتا ۔اور اگر بالفرض وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو کوئی دوسرا ہے جو ان اجرام عظیمہ کو برقرار رکھ سکے؟ بے شک وہ تحمل والا مہربان ہے (بندوں کی نافرمانی دیکھ کر غصے میں نہیں آتا کہ زمین و آسمان کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام درہم برہم ہو کر خرابیٔ عالم کا موجب ہوگا ۔) ۔ابراہیم نے کہا غالباً تم نے اس سے سمجھ لیا ہوگا کہ خرابیٔ عالم اور قیام قیامت اسی طریقہ پر ہوگا ۔اس نے کہا خیال تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے ۔ابراہیم نے کہا خرابیٔ عالم اور قیام قیامت کا علم ہم سے پوشیدہ رکھا

گیا ہے۔ صحیح علم تو خدائے پاک کے لئے مخصوص ہے۔ باقی رہیں لوگوں کی قیاس آرائیاں۔ ہر ایک
اپنی رائے کو صحیح سمجھتا ہے اور پھر لطف یہ کہ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ والعلم عند اللہ
العزیز الحکیم۔ تفصیل کے لئے میزان الجواہر دیکھ لو)۔

(۱۵) **سوال**۔ کیا کرۂ ہوائی کی ہوا کا وزن کرنا ممکن ہے؟ **جواب**۔ زمین پر کرۂ ہوائی
کا جو دباؤ پڑتا ہے وہ دس میٹر اور ۳۴۳ ملی میٹر پانی کے ثقل کے برابر ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ
اگر تمام روئے زمین پر اتنا پانی پھیلا دیا جائے جس کا عمق ۱۰ میٹر اور ۳۴۳ ملی میٹر ہو تو اس کا
جس قدر دباؤ زمین پر پڑے گا اتنا ہی دباؤ کرۂ ہوائی کی وجہ سے زمین پر پڑ رہا ہے۔ بالفاظ دیگر اسکے
یہ معنے ہیں کہ ہم کرۂ ہوائی میں اسطرح تیر رہے ہیں جس طرح پانی میں مچھلیاں تیرتی ہیں اور تقریباً
۱۰ میٹر پانی کے بوجھ کے برابر بوجھ میں ہم ہر وقت دبے رہتے ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ قدرت نے
ایسی خوبی سے اسکا انتظام کیا ہے کہ ذرا بھی اسکا ثقل محسوس نہیں کرتے ذٰلک تقدیر العزیز
العلیم۔ مقابلہ کے لئے عرض ہے کہ اگر پانی کی بجائے سطح زمین پر پارہ پھیلا دیں تو ۷۶ سینٹی میٹر یا
بالفاظ دیگر ¾ میٹر پارے سے اتنا ہی دباؤ حاصل ہوگا جو مذکورہ بالا مقدار پانی سے حاصل ہوتا
ہے۔ گویا اگر ہوا اور پانی کی جگہ پارہ ہوتا تو ہم اس میں پایاب چلتے پھرتے۔ پاک ہے وہ خدا
جس نے ہر ایک چیز کو اندازے کے مطابق پیدا کیا۔ علماء نے یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ تمام
روئے زمین پر کرۂ ہوائی کا جو بوجھ پڑ رہا ہے اسکو اگر وزن کیا جائے تو سارے کرۂ ہوائی کا بوجھ
پانچ پدم چھبیس نیل اور تیس کھرب میٹرک ٹن ہوگا۔ ایک میٹرک ٹن کا وزن ایک ہزار کیلوگرام
ہے۔ اگر اس وزن کو تانبے میں تبدیل کیا جائے تو اس سے پانچ لاکھ پچاسی ہزار ایسے مکعب حاصل
ہوں گے جن میں سے ہر ایک مکعب کا ضلع ایک ہزار میٹر ہو۔ علم کیسی اچھی چیز ہے جس کے ذریعہ
ہم نے معلوم کر لیا کہ اگر کرۂ ہوائی کے بوجھ اور دباؤ کو ہم تانبے یا پانی یا پارے کے وزن میں

تبدیل کریں تو اس سے کیا کچھ حاصل ہوگا۔ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالُ = ہر ایک چیز اس کے پاس ایک مقررہ اندازے پر ہے۔ تمام پوشیدہ اور ظاہر امور کا جاننے والا ہے۔ اسکی عظمت بہت بڑی ہے"۔

حساب اور ہندسہ اور الجبرا اور ہیئت وغیرہ بھی عجیب علوم ہیں جن کے ذریعہ ان دلچسپ حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ خدائے پاک نے کرۂ ہوائی اور دیگر تمام کائنات کے لئے ایک نظام مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ نظام شمسی کا بہیئت مجموعی غیر متناہی فضا میں حرکت کرنا۔ ہر ایک سیارے اور ستارے کا اپنے معین مدار پر چلنا۔ پرندوں کا ہوا میں اُڑنا۔ اور مچھلیوں اور کشتیوں (اور جہازوں) کا پانی میں تیرنا۔ یہہ سب باتیں نظام اور قانون کے ماتحت ہیں اور جو نوامیس (قوانین) ان کے لئے اس نے مقرر فرمائے ہیں اُن قوانین سے سرمو انحراف نہیں کرتے اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيَاتِهٖ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ = کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا اللہ تعالےٰ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے (اُسی نے پانی اور ہوا میں ایسے خواص پیدا کئے اور پھر انسان کو ان کا علم دیا جس سے جہازرانی ایک بڑا فن ہوگیا) اس میں یہ حکمت ہے کہ وہ تم کو اپنی قدرت اور اپنی حکمت کی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے۔ بے شک اس میں ہر ایک صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں"۔ (لیکن جو لوگ صبر نہیں کرتے یعنی ریسرچ کی مشکلات برداشت کرنے پر آمادہ نہیں اور اسکی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ جو کچھ ہیں ہم ہی ہیں۔ جس طرح قارون کہتا تھا اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ = مجھکو جو کچھ ملا ہے وہ میرے اپنے علم کا نتیجہ ہے"۔ دوسری جگہ برخود غلط اقوام کی بابت ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ = جب ان کے رسول

روشن آیتیں لے کر ان کے پاس پہونچے تو وہ اپنے علوم پر جو ان کے پاس تھے (علوم مادیہ جس میں کہ اکثر قومیں منہمک ہو کر خدائے پاک سے غافل ہو جاتی اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنے لگتی ہیں) نازاں ہو گئے (اور رسولوں کی تعلیم کو قبول نہ کیا)۔" الغرض جو صبر اور شکر نہیں کرتا اسکو نشانیاں کیا خاک نظر آئیں گی ؎

ہر کرا روئے بہبود نہ بود دیدن روئے نبی سود نبود - مترجم)

(۱۶) **سوال** - کرۂ ہوائی کی بلندی کتنے میٹر ہے؟ **جواب** - ایک یورپین علامہ کے حساب کے مطابق اسکی بلندی ۴۸ ہزار میٹر ہے جو زمین کے نصف قطر کا تقریباً $\frac{1}{130}$ واں حصہ ہے۔ بالفاظ دیگر اگر زمین میں سیدھی نیچے کی طرف ایک میخ ٹھونکی جائے یہاں تک کہ اس کا سرا زمین کی دوسری طرف دکھائی دینے لگے۔ اب اس میخ کی جتنی لمبائی ہوگی کرہ ہوائی کی بلندی اس کا $\frac{1}{65}$ حصہ ہوگا۔

(۱۷) **سوال** - ہوا کے دباؤ اور پارے میں کونسی مناسبت پائی جاتی ہے؟ جواب - پارہ ہوا سے ۱۰۴۶۰ اگنا بھاری ہے جسکے معنے بالفاظ دیگر یہ ہیں کہ اگر کسی شیشی کو پارے سے بھر دیں تو اتنے وزن کی ہوا سے دس ہزار چار سو ساٹھ شیشیاں مقدار مذکور کی بھری جا سکیں گی۔ "وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ - تمہارا رب جو چاہتا ہے اور جو بات پسند فرماتا ہے اسی کے مطابق فعل تخلیق عمل میں لاتا ہے۔" اب جسطرح عام اشیاء میں لطیف اور کثیف کا اسقدر عظیم تفاوت ہے اسی طرح نوع انسانی کے افراد میں لطیف اور کثیف کا بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ ایک پیغمبر ہے جس کے اعمال اور اخلاق کی پاکیزگی انتہائی درجہ تک پہونچی ہوئی ہوتی ہے اور اس کا علم سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ بھی آدمی ہے جو بدترین جہالت میں مبتلا ہے اور اور جس کے اعمال اور اخلاق ننگ انسانیت اور انسانیت کے خوشنما چہرے پہ بدنما داغ

ہوتے ہیں۔ آں حضرت صلعم فرماتے ہیں اگر ابوبکرؓ کے ایمان کو تمام اُمت کے ایمان کیساتھ تولا جائے تو ابوبکرؓ کا ایمان راجح ہوگا۔" اس میں اسی بات کا اشارہ ہے۔ بے شک محسوسات کی نسبت امورِ معنویہ میں بہت زیادہ مراتب کا تفاوت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۔ دیکھو ہم نے انکو کسطرح تفاوت سے پیدا کیا اور ایک دوسرے پر ان کو فضیلت بخشی ہے (ایک بادشاہِ فرماں روا ہے اور دوسرا گدائے بے نوا)۔ بے شک آخرت میں بڑے بڑے درجے ہیں اور مراتب میں بہت بڑا تفاوت ہے۔" عالم کثیف میں مراتب محدود ہیں اس لئے تفاوت بھی کچھ بہت زیادہ نہیں لیکن عالم آخرت جبیں تر اور لطیف تر ہے۔ اس کے درجات میں بھی بے پایاں وسعت پائی جاتی ہے۔ ان باتوں کا سمجھنا جاہلوں کے لئے بجھارتیں بوجھنا ہے لیکن اولوالالباب جو دن رات خدائے پاک کی یاد میں مشغول رہتے اور کائنات کے حقائق پر غور کرنا ان کا شیوہ ہے ان کی سمجھ میں یہہ باتیں آسانی سے آسکتی ہیں اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ بے شک زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور دن رات کے آنے جانے گھٹنے بڑھنے میں اُن عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹ کر بھی خدائے پاک کی یاد میں مشغول رہتے ہیں (ہر ایک چیز دیکھ کر ان کو خدا یاد آتا ہے) اور زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کرکے اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو عبث اور بے حکمت پیدا نہیں کیا۔" اللہ تعالیٰ نے ایک عالم نہیں ہزاروں عالم پیدا کئے ہیں اور اس لئے وہ رب العالمین کہلاتا ہے۔ لیکن سب ایک جیسے نہیں۔

کوئی لطیف ہے۔ کوئی کثیف۔ اور کوئی بَین بین ہے (درمیانی درجہ رکھتا ہے)۔ کثیف کی مثال تو یہی چیزیں ہیں جن کا ذکر ہوا یعنی پارہ اور تانبا وغیرہ۔ متوسط درجہ کی مثال نور اور ظلمت ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ = ہر ایک طرح کی تعریف اس خدائے پاک کے لئے ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا (عالم کثیف مراد ہے) اور روشنی اور تاریکی بنائی (یہہ عالم متوسط کی مثال ہے)" عالم لطیف کا ذکر اس آیت میں ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ = خدائے پاک نے ان کے لئے جو نعمتیں آخرت میں چھپا رکھی ہیں ان کی حقیقت کوئی بھی (اس عالم کثیف میں رہ کر) نہیں جان سکتا"

سب عوالم میں درجات اور مراتب کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک روشنی ہی کی مثال لے لیجئے۔ موم بتی سے جو مقدار روشنی کی حاصل ہوتی ہے اس کا آفتاب عالمتاب کی روشنی سے مقابلہ کر لیجئے جبکہ وہ نصف النہار پر ہو۔ اور پھر دونو انتہائی اشلہ کے درمیان روشنی کے جو مختلف مقادیر ہو سکتے ہیں ان کا بھی تصور کر لیجئے۔ اب جو اختلاف افراد انسانی میں بلحاظ ان کی عقل وفہم اور ان کے مدارج کمال کے پایا جاتا ہے وہ اس تفاوت سے بھی بہت زیادہ ہے جو ایک موم بتی کی ضعیف روشنی اور نصف النہار کے آفتاب میں ہے۔ شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں کہ انسانی افراد میں اتنا بڑا فرق پایا جاتا ہے جس سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس کا ہر ایک فرد "نوع مستقل" ہے۔ خدائے پاک نے تمثیلی پیرایہ میں اس تفاوت عظیم کو اس طرح بیان فرمایا ہے قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ = ان سے کہدیجئے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں یا نور اور ظلمت کو یکساں خیال کیا جا سکتا ہے"

کلام مجید میں ہمارے رسول صلعم کو سراج منیر یعنی روشن چراغ کہہ کر یہہ بتایا ہے کہ اس کی ذات

ستودہ صفات اکمل افراد انسانی ہے وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ
اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لئے تمثیلیں بیان فرماتا ہے اور وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے" اور
چونکہ نوع انسانی کے افراد میں اخلاق واعمال اور علوم ومعارف کا اتنا بڑا فرق مراتب کا پایا جاتا
ہے لہذا ایک موقعہ پر ارشاد ہوا ہے یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
دَرَجٰتٍ = اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں کے (عموماً) اور اہل علم کے (خصوصاً) درجے
بلند فرماتا ہے" ترجمان القرآن ابن عباسؓ کہتے ہیں عالم اور جاہل کے درمیان سات سو
درجوں کا فرق ہے - دو درجوں میں اتنا فرق ہے جتنا فرق کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے"
ابن عباس کا یہہ قول تمثیل کے طور پر ہے - عقلمند لوگ ہمیشہ عقلی باتوں کے سمجھانے کے لئے محسوسات
کی مثال دیا کرتے ہیں - ایک اور نکتہ بھی سُن لیجئے - مذکورہ بالا آیت کے شروع میں حکم دیا گیا ہے کہ
مجالس نبویہ میں تفسح اور توسع کرنا لازم سمجھو اور دوسروں کے لئے جگہ نکالنا اپنا فرض خیال کرو
گویا یہہ بتایا جا رہا ہے کہ حسن اخلاق اور تواضع سے رفع درجات حاصل ہوتا ہے - برخلاف
اس کے تکبر اور خود بینی انسان کی تذلیل اور اسکی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے - اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ = بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا -

(۱۸) **سوال** - یہہ تو معلوم بات ہے کہ دن کہیں چھوٹا اور کہیں بڑا ہوتا ہے - حل طلب
بات یہہ ہے کہ وہ کونسا مقام ہے ؟ عرض بلد کے کس درجہ پر واقع ہے ؟ جہاں دن کی زیادتی
انتہائی درجہ کو پہونچ جاتی اور رات کا وجود گویا معدوم ہو جاتا ہے - کیا معنے دن کا طول تقریباً
چوبیس گھنٹہ ہوتا ہے - طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے آپس میں ڈانڈے مل جاتے ہیں
ادھر سے آفتاب غروب ہوا اور ابھی چند منٹ گذرے ہوتے ہیں کہ سورج پھر نکلتا ہوا نظر آتا ہے
قدرت باہرہ کا یہہ ایک عجیب کرشمہ ہے - **جواب** - ۶۶ درجہ ۳۳ دقیقہ عرض بلد شمالی یا جنوبی

پر لعینہ یہی حالت پیش آتی ہے۔
(۱۹) سوال۔ آفتاب کا جحم کیا ہے اور اس کا نصف قطر کتنا ہے؟ جواب: آفتاب کی جسامت زمین سے ۱۲ الاکھ ۸۰ ہزار (تقریباً تیرہ لاکھ) مرتبہ بڑی ہے اور اس کا نصف قطر چھ لاکھ بانوے ہزار کیلومیٹر ہے۔
(۲۰) سوال۔ آفتاب ہم سے کتنا دور ہے اور روشنی کی رفتار فی سکنڈ کتنی ہے ؟
جواب: آفتاب ہم سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کی مسافت پر ہے اور روشنی کی رفتار فی سکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ آفتاب کی روشنی ۸ منٹ ۱۸ سکنڈ میں ہم تک پہونچتی ہے۔
یقیناً جو باتیں ان مجالس میں مذکور ہوئیں وہ قدرت کے بڑے عجائبات ہیں اور علم لذیذ ترین روحانی مشغلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں جا بجا اس بات کی ترغیب و تحریص بلکہ حکم دیا ہے کہ ہم ان عجائبات پر غور کریں اور اس سے خدائے پاک کی قدرت۔ اس کی عظمت۔ اور اسکی حکمت اور رحمت کا علم الیقین حاصل کریں قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ = ان سے کہدیجئے۔ جو کائنات آسمانوں اور زمینوں کے اندر ہے اس پر غور کرو۔ بات یہہ ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے ہیں (خدائے پاک کی باتوں پر یقین نہیں کرتے) ان کے لئے نہ تو آیات مفید ہوسکتی ہیں اور نہ ہی ڈرانے والوں کا ان پر کچھ اثر ہوتا ہے" بلا شبہ جس کے دل پر عجائبات قدرت کا اثر نہ ہو۔ دقائق رحمت باری عزّ وجل کی خوبیاں محسوس نہ کرے۔ اور اسکی حکمت بالغہ کے رموز حل کرنے کا اسکے دل میں شوق نہ ہو اس کا درجہ بہائم سے کم تر سمجھنا چاہئے۔
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اس کا ترجمہ لکھا جاچکا ہے) جس طرح کسی گدھے کو کولھو میں جوت دیا جائے اور وہ دن بھر چلنے کے باوجود بھی شام

کو اسی جگہ پر ہوتا ہے جہاں صبح کے وقت تھا۔ اسی طرح ایک جاہل بھی حیوان لا یعقل کی طرح پیٹ کے دھندوں میں مصروف رہ کر اور اپنی عمر عزیز کو فانی لذات (مال وجاہ) کی طلب میں گنوا کر مرتے وقت بھی اسی جگہ ہوتا ہے جہاں سے اس نے اپنی زندگی شروع کی تھی۔ اے ہمارے خدا! ہماری چشم بصیرت کو کھول دے تاکہ ہم تیرے جمالِ قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔ آمین۔ خدا کی قسم! علماء ربانیین اور حکماء محققین کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں کہ وہ باری عزّ اسمہٗ کی قدرت اور اسکی حکمت کی خوبیاں دریافت کرتے رہیں۔ یہہ ایک ایسا دریائے ناپیدا کنار ہے جس کے کبھی ختم ہونے کا خطرہ نہیں۔ وہ ہر وقت تشنگان علوم و معارف کی پیاس بجھانے کے لئے متموج رہتا ہے۔ اور ایک عالم حقانی اپنی زندگی کا ثمرہ اسی میں دیکھتا ہے کہ ملک اور ملکوت کے اسرار پر اطلاع حاصل کرے جس سے وہ خالق تعالیٰ کی صفات کاملہ کی تجلیات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر صبح ہونے سے پہلے چند گھڑیاں نہ ہوتیں تو میں زندگی سے بیزار ہوتا" یہہ اسلئے کہا کہ آخر شب میں تہجد اور ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مشغول رہنے کے بعد ذہن منور ہوتا ہے اور علوم و معارف قبول کرنے کے لئے آمادہ تب ہی تو سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات میں "اولو الالباب" کی تعریف کرتے ہوئے پہلے ذکر الٰہی کا ذکر آتا ہے اور اس کے بعد تخلیق کائنات پر غور کرنا مذکور ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ امام نووی شارح مسلم عموماً رات کا بڑا حصہ تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے اور جب فارغ ہوتے تو یہہ شعر پڑھتے ؎ اذا کان ھذا الدمع یجری صبابۃً ۔ علی غیر لیلی فھو دمع مُضیّعُ = جو آنسو لیلیٰ جیسی محبوبہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے لئے بہائے جائیں تو سمجھ لو کہ یہہ آنسو برباد و ضائع ہوئے

الغرض اس دنیائے فانیہ میں اگر کسی کو حقیقی مسرت حاصل ہے تو وہ علماء ربانی اور حکماء حقانی ہیں جو حقائق کائنات کے دریافت کرنے اور حکمت باری عزّ اسمہٗ کی باریکیاں معلوم

کرنے میں اپنی عمریں صرف کرتے ہیں۔ بخدا! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد دوسرا درجہ انہی لوگوں کا ہے سورۂ فاطر کے چوتھے رکوع کے شروع کو اگر ملاحظہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ بارش کے برسنے۔ اُس کے ذریعہ مختلف اناج اور پھلوں کے پیدا ہونے۔ اور تمام مخلوق اشیاء کے تنوع یعنی بھانت بھانت ہونے کا ذکر کرکے ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا = بیشک اللہ تعالےٰ کے بندوں میں جو عالم ہیں اُنہی کے دلوں میں خدائے پاک کی عظمت وجلال کا احساس ہوتا ہے (جس کو یہاں خشیت سے تعبیر فرمایا ہے)" اس ترتیب کلام سے صاف واضح ہے کہ حقیقی علماء وہی ہیں جو آیات قدرت پر غور کرتے ہیں۔

جمال خاتون نے کہا۔ کائنات میں جو بھی حسن و جمال پایا جاتا ہے وہ خدائے قدوس کے جمالِ صفات کا پرتو ہے۔ اور جیسے کہ ایک سے ایک بڑھ کر عالم ہے اور جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ = ہر ایک عالم کے اوپر دوسرا اس سے عالم تر ہے" حتےٰ کہ یہ سلسلہ خدائے علیم وخبیر تک پہونچ جاتا ہے جو علم اور دیگر تمام صفاتِ کمال میں وحدہ لاشریک ہے۔ اسطرح حُسن وجمال کے بھی مدارج مختلف ہیں اور سب سے بڑھ کر حسن وجمال اسی کے صفاتِ کاملہ میں پایا جاتا ہے جو اس تمام حسن وجمال کا خالق ہے۔ اگر ہم واقعات پر نظر ڈالیں تو ایک سے ایک خوبصورت نظر آتا ہے۔ لیکن جس کو ہم سب سے خوبصورت سمجھتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر خوبصورت دنیا میں موجود ہوتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ نسوانی حُسن یورپ میں سب سے زائد ہے۔ لیکن ہمارے اُستاد علامہ فتح اللہ لکھتے ہیں کہ پچھلے سالوں میں جب پیرس دارالسلطنۃ فرانس میں حُسن کی نمائش ہوئی تو اوّل درجے کا تمغہ فاطمہ تونسیہ کو ملا جو ایک عربی خاتون ہے اور جس کو ایک بار دیکھنے کی فیس دس فرنک (ایک فرانسیسی سکہ = ۱۰/) تھی۔ بایں ہمہ ممکن ہے کہ بازارِ حسن میں اس سے بھی زیادہ قیمتی جواہرات موجود ہوں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی صفات

ہر ایک حیثیت سے اکمل ہیں۔ ان کا علم ہر ایک علم پر فائق ہے۔ اسکی صنعت کا حُسن وجمال سب سے بڑھ کر ہے۔ اور اسکی حسابی دانی کے گرد تک بھی کسی کا پہونچنا ناممکن ہے وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ۔ اسی طرح آیا ہے کہ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ مصر کی خواتین نے یوسف علیہ السلام کے حُسن وجمال سے مبہوت ہوکر یہہ کہا تھا مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ = یہہ تو آدمی نہیں فرشتہ ہے" گویا وہ جانتی تھیں کہ انسان خواہ کتنا ہی حسین اور جمیل کیوں نہ ہو فرشتوں کا درجہ نہیں پا سکتا۔ تب ہی تو انھوں نے تشبیہ بلیغ کے طور پر یہہ کہا کہ یہہ تو آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ اب تم خود ہی قیاس کرو کہ جو فرشتوں کا خالق ہے اسکی صنعت کا حُسن وجمال کس حد تک پہونچا ہوا ہوگا۔

(اکتشافات جدیدہ سے قرآن کا اعجاز ثابت ہوتا ہے)

جب ابراہیم مصری اور جمال خاتون میں اس قسم کی متعدد گفتگوئیں ہو چکیں اور خاتون مذکور کا علمی پایہ اور آیات قدرت کا شوق ابراہیم کو معلوم ہوا تو اس نے خاتون مذکور کو اس طرح مخاطب کیا۔ مجھے یہہ معلوم کرکے بہت مسرت ہوئی کہ آپ قرآن اور حدیث میں پوری دسترس رکھتی ہیں اور علوم عقلیہ سے بھی آپ کو بہرۂ وافی ملا ہے۔ جدید اکتشافات کی بنا پر جدید نظرئے قائم کئے گئے تو اس سے کلام مجید کی حقانیت پر مزید روشنی پڑی اور اس کا معجزہ ہونا واضح طور پر ثابت ہوا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ = ہم ہی نے اس (کلام معجز نظام) کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے" میں چاہتا ہوں کہ آپ کچھ آیتیں سنائیں جس سے یہہ ثابت ہو کہ فی الواقع یہہ خدائے پاک کا سچا کلام ہے اور نظریوں کے بدلنے سے اسکی حقانیت پر

کوئی مخالفانہ اثر نہیں پڑتا۔ خاتون مذکور نے کہا۔ یہہ بالکل درست ہے کہ خدائے پاک اور اسکے رسول صلعم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل سچ اور صحیح ہے۔ یہہ اور بات ہے کہ اپنی سمجھ کی کوتاہی اور غلط فہمی سے ہم نے اس کا کچھ اور مفہوم سمجھ رکھا ہو سنئے۔

(۱) خدائے پاک نے سورۂ نحل میں گھوڑے خچر اور دیگر سواریوں کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ = اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے" اسی طرح سورۂ یٰسین میں کشتیوں اور جہازوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ = ہم نے ان کے لئے اسی قسم کی اور کئی ایک چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں یا ہوں گے" یہہ دونو آیتیں واضح طور پر ان سواریوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جو زمانہ حال کی ایجاد ہیں اور بھاپ اور برق کی طاقت سے چلتی ہیں مثلاً دخانی جہاز۔ برقی طاقت سے چلنے والا لانیر (LINER)، ریل گاڑی۔ موٹر اور لاریاں۔ ہوائی جہاز اور ٹیارے وغیرہ۔

(۲) اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا = کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس نے کس طرح (اپنی قدرت سے) سایہ کو پھیلایا (ہر ایک چیز کو ایسے طور پر بنایا کہ اس کا سایہ پڑے) اور اگر وہ چاہے تو اس سائے کو ٹھہر رکھے" متقدمین نے تو اس کا مفہوم جو کچھ بھی سمجھا ہو لیکن ہم تو یہی کہیں گے کہ یہہ فوٹوگرافی کے ظہور میں آنے کی پیشین گوئی ہے کیونکہ فوٹو دراصل ہر ایک چیز کا سایہ ہے جسکو قید کر لینے اور ٹھہرا رکھنے کی ترکیب خدائے پاک نے ہمیں سمجھادی ہے۔ اور خوبی یہہ کہ یہہ پیشین گوئی ایسے الفاظ میں کی کہ اس کو سن کر ایک کم فہم جاہل بدوی بھی چونک نہ پڑے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

(۳) سورۂ انبیا میں سورج اور چاند اور زمین تینوں کا ذکر کرنے کے بعد یہہ فرمانا کہ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ = اور ہر ایک ان میں سے اپنے مدار میں تیر رہا ہے" اس میں یہہ اشارہ ہے کہ زمین

بھی دیگر سیاروں کی طرح اپنے مدار پر حرکت کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) سورہ یسین میں یہی آیت اسی طرح سورج چاند اور زمین کا ذکر کرنے کے بعد وارد ہوئی ہے لیکن یہاں پر اس اشارہ کی تائید میں ایک اور قرینہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ اسکے بعد کشتیوں کا ذکر فرمایا ہے جس کے یہ معنے ہوسکتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کشتیاں اور جہاز پانی میں چلتے ہیں۔ سورج وغیرہ کے لئے اثیری مادہ (ایتھر) جو فضائے لامتناہی میں پھیلا ہوا ہے سمندر کی طرح ہے جس میں یہ اجرام علویہ حرکت کرتے اور تیرتے رہتے ہیں۔

(۵) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ = قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسمیں یہ بتایا ہے کہ چاند زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس سے جدا ہوکر مستقل ہستی اختیار کرلی (COSMOLOGY یعنی علم تخلیق عالم میں یہ نظریہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔)

(۶) اسی طرح بعض علماء کہتے ہیں کہ علم تخلیق عالم کے اس نظرئے کی کہ سورج اور زمین ایک ہی مادہ سے پیدا ہوئے ہیں اس آیت سے تائید ہوتی ہے اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا = کیا منکروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین آپس میں چپکے ہوئے تھے جن کو ہم نے ایک دوسرے سے الگ کردیا؟

(۷) علماء ہیئت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تمام فضاء لامتناہی جس میں اجرام علویہ مچھلیوں کی طرح تیر رہے ہیں ایک نہایت لطیف مادہ سے بھری ہوئی ہے۔ عالم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کو اس نے پُر نہ کردیا ہو۔ روشنی کے نوری تموجات اور برقی لہروں کے پہونچانے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ آسمان وزمین یا بالفاظ دیگر تمام اجرام علویہ ثوابت اور سیارات کی پیدائش اسی مادہ سے ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے تخلیق عالم کا ذکر کرتے ہوئے اسی مادہ کو

جبکہ وہ کسی قدر کثیف ہو کر سدیم (NEBULA) کی شکل میں نمودار ہوا دخان سے تعبیر کیا۔ ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاۗءِ وَھِیَ دُخَانٌ = پھر اس نے آسمان پیدا کرنیکا قصد کیا جبکہ وہ مادہ دخانی صورت میں تھا" کہتے ہیں چونکہ وہ ایک مشتعل گیس تھی جس میں حرارت اور کسی قدر کثیف اجزاء موجود تھے اس لئے اس کا مفہوم ادا کرنے کے لئے یہ بہترین لفظ تھا خصوصاً جبکہ اس کلام سے جس طرح عالموں کو مخاطب کیا گیا ہے اسی طرح بدوی جاہل بھی اس کے مخاطب تھے۔

(۸) قال اللہ تعالےٰ وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ = اور اسکی (قدرت اور عظمت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا" گو اسکا سمجھنا اس وقت جبکہ علوم کے ذریعہ انسان کی ذہنی تربیت نہیں ہوئی تھی کسی قدر مشکل تھا لیکن اب تو ہر ایک شخص جس کو علم اور سائنس میں کچھ بھی دخل ہو یہ جانتا ہے کہ قطع نظر اس سے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کا پتلا بنا کر پیدا کیا گیا ہر ایک انسان مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے (خلقکم میں جمع مخاطب کی ضمیر ملاحظہ ہو)۔ مٹی ہی کے اجزاء نباتات کو غذا پہونچاتے ہیں جس سے ان کی نشو و نما ہوتی ہے یہی نباتات حیوان اور انسان کی خوراک ہے۔ انسان ان کو کھاتا اور ان سے غذا حاصل کرتا ہے جس سے اس کے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ اور اسی جسم کا ایک جزء و نطفہ کے ذریعہ اس سے الگ ہو کر دوسرے انسان کی تخلیق کا باعث ہوتا ہے۔

(۹) بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ = بلکہ وہ نئی پیدائش کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں" علم نے ثابت کیا ہے کہ انسان کا جسم ہر وقت تحلیل ہوتا رہتا ہے۔ اور جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ بالآخر خون بن کر جزو بدن بنتی اور تحلیل شدہ اجزا کا بدل مہیا کرتی ہے۔ گویا "خلق جدید" کا نظارہ ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتا ہے اور اسمیں شک کرنا بدیہیات کا انکار ہے۔

(۱۰) خدائے پاک نے خنزیر کا گوشت ہم پر حرام فرمایا ہے۔ تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ خنزیر کا گوشت کھانے سے انسان کے جسم میں ایک کیڑا (TRICHINAE) پیدا ہوتا ہے جو ایک مہلک بیماری کے ظہور میں آنے کا سبب ہے۔

(۱۱) بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول خدا صلعم بعض اوقات گائے کا گوشت کھانے سے احتراز فرماتے تھے۔ طب جدید نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض گائیں مسلول ہوتی ہیں اور ان کے دودھ میں مرض سل کے جراثیم ہوتے ہیں۔

(۱۲) آپ نے اس برتن کو جس میں کتا مونہہ ڈال دے سات مرتبہ دھونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ آج کل کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لعاب میں سمیت ہے۔

(۱۳) پیغمبر خدا صلعم نے جوہڑ اور تالاب کے پانی میں پیشاب کرنے اور اس میں نہانے سے منع فرمایا ہے۔ طب جدید کے واقف جانتے ہیں کہ کھڑے پانی میں کئی ایک امراض کے جراثیم ہوتے ہیں اور پیشاب کرنے سے اسکا تعفن بڑھتا ہے جو جراثیم کے نشو و نما کے لئے موافق ماحول ہے۔ اب حدیث کے مضمون پر غور کرو۔ پیشاب کرنے سے منع فرمایا تاکہ اس کا تعفن بڑھنے نہ پائے اور غسل کرنے سے منع فرمایا کہ اس سے خود نہانے والے کے مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے خصوصاً جوہڑوں اور تالابوں میں ایک قسم کا خوردبینی کیڑا پیدا ہوتا ہے جو نہاتے وقت انسان کے جسم میں داخل ہو کر پرورش پاتا ہے اور نہروے جیسی تکلیف دہ مرض بن جاتا ہے۔ نہروے کو انگریزی میں GUINEA WORM کہتے ہیں اور اسکی تکلیفات کو وہی جانتا ہے جس نے خود اسکی تکلیف دیکھی ہو یا کسی دوسرے کو اسمیں مبتلا دیکھا ہو۔ سعدی رح کہتے ہیں ؎

گفتن از زنبور بے حاصل بود ۔۔۔ با یکے در عمر خود نا خوردہ نیش

تا ترا حالے نباشد ہمچو ما ۔۔۔ حال ما باشد ترا افسانہ پیش۔ مترجم

(۱۴) رسول خدا صلعم نے جب طاعون کے متعلق اپنی ہدایات بیان فرمائیں (جو طبی اصول کے بالکل موافق ہیں) تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ انھا من وخز الجن = بے شک یہہ طاعون جن کی نیش زنی ہے " لغت عرب کے ماہرین جانتے ہیں کہ جنّ کے اصلی معنے ہیں پوشیدہ مخلوق تو کیا اسکے یہ معنے لینا قرین قیاس نہیں ہوگا کہ طاعون ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق کے اثرات سے نمودار ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جراثیم خوردبین کی مدد کے بغیر نظر نہیں آتے اس لئے وہ ایک غیر مرئی مخلوق ہے ۔ جنّ کے لفظ کو خوا مخواہ دیو پری کے لئے مخصوص سمجھنا خود ہماری محدود سمجھ کا نتیجہ ہے ۔ صادق مصدوق کا فرمانا بہرحال صحیح اور درست ہے ۔ حال ہی کی تحقیقات سے اسکی تصدیق ہوگئی ہے کہ طاعون دراصل ایک غیر مرئی مخلوق کے حملہ آور ہونے کا اثر ہے ۔

(۱۵) شریعت غرا میں وضو و غسل کے متعلق احکام نازل فرما کر سب مسلمانوں کو انتہائی صفائی کے ساتھ رہنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ اُسکی خوبیوں کو بڑے بڑے علماء یورپ نے عقلی طور پر محسوس کیا ہے ۔ اور انکی تصنیفات میں اسکے فوائد کا اعتراف ہے بنتام برطانیہ کا ایک مشہور عالم قانون ہے جس نے تمام اقوام عالم کے قوانین پر ناقدانہ نظر ڈال کر اس پر عالمانہ تبصرہ کیا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ جو شخص اسلامی تعلیم کے مطابق وضو اور غسل کی پابندی کرتا رہے وہ عموماً ارتکاب جرم سے احتراز کرتا ہے اور اس سے کوئی ناشائستہ خلاف قانون حرکت صادر نہیں ہوتی اسی طرح قرآن مجید نے شراب پینے سے تاکیدی طور پر منع فرمایا ہے ۔ شراب کی اجازت دینے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ کسی عقلمند سے پوشیدہ نہیں لیکن سوائے اسلام کے اور کسی مذہب نے اس کے بارے میں اتنا تشدد نہیں کیا ۔ صاحب موصوف نے اسکو بھی مذہب اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی بتایا ہے ۔ قرآن مجید کی یہہ آیت کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ بے شک اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں (خدائے پاک کی طرف رجوع کرنے والوں) کو محبوب

رکھتا ہے اور طہارت پسند لوگوں کو بھی محبوب رکھتا ہے" انہی خوبیوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۶ و ۱۷) جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حیوانات کی طرح نباتات میں بھی نر اور مادہ کی تمیز موجود ہے۔ اور مذکر کے مادۂ تولید کا جب تک مؤنث کے مادۂ تولید سے امتزاج نہ ہو جس کو تلقیح کہتے ہیں تب تک ان کی نسل نہیں بڑھتی۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ = زمین میں ہر طرح کے خوبصورت اور پُر رونق نباتات کا جوڑہ جوڑہ بنایا" وغیرہ وغیرہ۔ تلقیح کا ذکر اس آیت میں ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ = ہم نے ہواؤں کو تلقیح کا ذریعہ بنا کر بھیجا" چونکہ اکثر نباتات کی تلقیح ہوا کے ذریعہ ہوتی ہے اسلئے ہوا کا ذکر فرمایا

(۱۸) بقول بعض مؤولین کے سورۂ الم تر کیف میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ابرہہ کا لشکر وبائی چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ چھوٹے چھوٹے پرندے جو ہڑ کی کائی اور پھپھوندی چونچ میں لے کر آتے اور ان لشکریوں پر پھینکتے۔ اسمیں چیچک کے جراثیم تھے جن سے ان میں یہ وبا پھیل گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۹) کیمسٹری نے اشیاء کی تحلیل و ترکیب عملی طور پر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام حیوانات اور نباتات ایک ہی طرح کے چند ایک عناصر سے مرکب ہیں۔ سب کے عناصر تخلیق ایک ہیں صرف اجزاء کا تناسب مختلف ہے۔ اسی مقدار عناصر کے اختلاف اور تنوع سے لاکھوں نباتات اور لاکھوں حیوانات معرض ظہور میں آئے جن کے خصائص ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ (توضیح کے لئے ایک معمولی سی مثال سن لیجئے۔ گیہوں اور روئی کی تخلیق جن عناصر سے ہوئی ہیں وہ بالکل ایک ہیں۔ دونوں کے اجزاء ترکیبی کیلسیم۔ پوٹاسیم۔ سلفر۔ اور فاسفورس وغیرہ ہیں (تفسیر جواہر سورۂ آل عمران میں اسکی پوری تفصیل لکھی ہے۔ یہ تفسیر فاضل مصنف علامہ جوہری طنطاوی کی زندگی کا ماحصل اور مرحوم کی جملہ تصنیفات میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے

جس کو انگریزی میں اسٹرچیس کہتے ہیں) بایں ہمہ چونکہ فیصدی تناسب مختلف ہے اس لئے ایک کا نتیجہ گندم ہوا جو انسان کی غذاؤں میں اہم غذا ہے ۔ اور دوسری کا نتیجہ روئی کی شکل میں ظاہر ہوا جس سے انسان اپنا لباس بناتا ہے ۔ مترجم) قرآن مجید کا یہ فرمانا کہ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ = اس کے نزدیک ہر ایک چیز کا اندازہ مقرر ہے ۔" اور وَھُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْنَ وہ سب حساب کرنے والوں سے بہت جلد حساب کرنے والا ہے ۔" انہی حقائق کی طرف اشارہ ہے ۔ بلکہ قریبًا تصریح ہے ۔

(۲۰) سورۂ زمر میں نفخ صور اور بارگاہ باری جلّ شانہٗ میں سب لوگوں کے حضور کا ذکر کرکے ارشاد ہوتا ہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ = اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کروگے کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلے جا رہے ہیں ۔ یہہ اللہ تعالےٰ کی صنعت ہے جس نے ہر ایک چیز کو خوب استحکام بخشا ۔" پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ علم ہیئت کے علما متقدمین زمین کو ساکن اور آفتاب کو متحرک مانتے ہیں ۔ برخلاف اس کے متاخرین کہتے ہیں کہ آفتاب مرکز ہے ۔ جملہ سیارات جن میں زمین بھی شامل ہے اس کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں ۔ یہہ بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ علم ہیئت کی بنا ظنیات پر ہے ۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کے نزول کا یہہ مقصد نہیں کہ وہ لوگوں کو ہیئت اور طبعیات کی تعلیم دے اسکے مقاصد بہت اعلیٰ و ارفع ہیں ۔ وہ انسان کو اوہام سے نجات دینا ۔ اسکو اعمال صالحہ کی تلقین فرمانا ۔ اور اسکے اخلاقی معیار کو بہت بلند کر دینا چاہتا ہے چونکہ مقصود انسان کی ذہنی تربیت ہے اسلئے بھی بعض باتوں کو مجمل رہنے دیا ہے تاکہ اسکی حقیقت دریافت کرنے کیلئے لوگوں کو طبع آزمائی کرنا پڑے جس سے ان کی قوت فکر یہ نشو و نما پاکر ترقی حاصل کرے گی ۔ اس تمہید کے بعد میں یہہ کہتی ہوں کہ اس آیت میں الفاظ کی وضع اور ترتیب

نہایت عجیب ہے۔ آیت کے شروع میں قیام قیامت کا ذکر ہے اور اس کے بعد مذکورہ بالا آیت ہے وتری الجبال الخ عامۂ مفسرین نے اسکو قیامت کا واقعہ بتایا ہے یعنی قیامت کے دن پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے اور وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے لیکن لوگ دہشت زدہ ہوں گے۔ ان کو یہہ محسوس نہیں ہوگا کہ وہ چل رہے ہیں۔ اب جن علما کے ذہن میں ہیئت قدیم کے نظرئے گھر کر چکے ہیں یا جن کی نظر آیت کے شروع پر ہے جس میں نفخ صور کا ذکر ہے وہ تو اسی توجیہ کو صحیح توجیہ تصور کریں گے۔ لیکن اگر آدمی اس آیت کے آخری حصّہ کو دیکھ لے یعنی یہہ کہ "اس نے ہر ایک چیز کو خوب استحکام بخشا" تو اسکو ماقبل اور مابعد میں صاف تناقض نظر آئے گا۔ بربادی کا ذکر کر کے اپنی صنعت کے استحکام کی تعریف کرنا فصاحت وبلاغت کے خلاف ہے۔ اتقان اور استحکام تو یہہ ہے کہ زمین پہاڑوں سمیت نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہی ہے اور پھر بھی انسان کتنی ہی باریک بینی کرے اسکی حرکت کو مطلق محسوس نہیں کرتا۔ ہر ایک چیز اپنی جگہ پر ساکن نظر آتی ہے۔ اسمیں بھی ایک نکتہ ہے کہ تری الارض نہیں کہا بلکہ تری الجبال فرمایا ہے کیونکہ انسان جب تک کسی دوسرے سیارے میں نہ چلا جائے زمین کو بہیئت مجموعی ہرگز نہیں دیکھ سکتا (اس کا جزو قلیل اس کو نظر آتا ہے) لیکن یہہ ناممکن ہے کہ وہ دوسرے عالم میں چلا جائے۔ البتہ پہاڑوں کا دیکھنا بہرحال اس کے لئے ممکن ہے۔ بے شک حرکت اور سکون کا ایک ہی جسم میں جمع کر دینا یہہ خدائے پاک کا کام ہے۔ اور اسمیں گویا اس بات کا اشارہ ہے کہ اکثر چیزیں جو تم کو بحالت سکون نظر آتی ہیں وہ دائمی حرکت کے چکر میں پڑی ہوئی ہیں۔ انسان کو جب تم ساکن خیال کرتے ہو تو اس کی قوت متخیلہ اور قوت مفکرہ مسلسل اپنے کام میں مشغول ہوتی ہیں اسی طرح اقوام عالم بھی حرکت مستمرہ میں لگی ہوئی ہیں۔ کوئی شاہراہِ ترقی پر گامزن ہے اور کوئی ذلّت کے گڑھے میں لڑھکتی چلی جا رہی ہے۔

خیر یہہ تو استطراداً میں نے ذکر کر دیا۔ اصل بات یہہ تھی جس کا میں ذکر کر رہی تھی کہ زمین پہاڑوں

سمت باوجودیکہ وہ نہایت سرعت کے ساتھ دو قسم کی مختلف حرکتوں میں مصروف ہے (حرکت محوری اور حرکت مداریہ) پھر بھی ابتدائے آدم سے تا ایں دم کسی نے اسکو محسوس نہیں کیا۔ حُسنِ اتقان اسی کا نام ہے۔ اس آیت کی وضع کو میں نے اسلئے "نہایت عجیب" کہا کہ باوجودیکہ اسی مسئلہ کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے نظریہ میں بڑا اختلاف ہے جو تضاد کی حد تک پہونچا ہوا ہے پھر بھی اس آیت کے مفہوم کو اپنے نظرئے کے ساتھ تطبیق دینے میں کسی ایک فریق کو بھی دقت پیش نہیں آئی۔ یہہ بھی اعجاز کا ایک پہلو ہے۔ لام تاکید کے نکتے بیان کرنا اور صنعتِ تجنیس وغیرہ بدائع کلام کے پیچھے لگا رہنا علماء حقانی کے شایان شان نہیں۔ علماء کو چاہئے کہ خدائے تعالےٰ سے خوف کریں اور غیر ضروری مباحث کو چھوڑ کر قرآن مجید کے اصل مقاصد کی تشریح اور توضیح کریں۔ وَاَنزَلنَا اِلَیکَ الکِتَابَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیهِم وَلَعَلَّهُم یَتَفَکَّرُونَ = ہم نے تمہاری طرف (اے میرے رسول) اپنی کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جو کچھ لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ان کے سامنے واضح طور پر بیان کرو اور اس کا نتیجہ یہہ ہوگا کہ وہ اس پر غور کریں گے۔" اتقان کا لفظ مذکور ہونے کے علاوہ ایک قرینہ اور بھی ہے جس سے اس آیت کو موخر الذکر توجیہ پر محمول کرنے کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہہ کہ اسی رکوع کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے وَقُلِ الحَمدُ لِلّٰهِ سَیُرِیکُم اٰیَاتِهٖ فَتَعرِفُونَهَا = کہدیجئے سب تعریف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے عنقریب وہ تم کو اپنی نشانیاں (قدرت اور حکمت کے دلائل) دکھلائے گا اور تم ان باتوں کو پہچان لوگے" چنانچہ ان ایام میں علوم عقلیہ نے وہ ترقی کی ہے کہ اکثر وہ حقائق جو پہلے پردۂ خفا میں تھے دلائل و براہین اور تجربہ و مشاہدہ کے ذریعہ منظر عام پر آگئے ہیں اور ایک اوسط درجہ کا تعلیم یافتہ آدمی ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا کے یہی معنے ہیں۔

اب ایک ربط کا سوال باقی رہ گیا ہے۔ یعنی یہہ کہ قیامت کا اور لوگوں کے بارگاہ کبریا میں حاضر ہونے کا ذکر فرمانے کے بعد حرکت ارض کا ذکر کرنا کیا مناسبت رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہہ ہے

کہ قیام قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وَکُلٌّ اَتَوْہُ دَاخِرِیْنَ سب کے سب اس کے پاس ذلیل ہو کر حاضر ہوں گے "، ذلت کے یہہ معنے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے علم کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے وترے الجبال الخ (پوری آیت گذر چکی ہے) جسکا ملخص یہہ ہے کہ تم اگر غور کرو تو تمہیں نظر آجائے کہ زمین بااین ہمہ طول وعرض کے سلسلہ ہائے کوہ کو ساتھ لے کر مقررہ نظام کے مطابق چل رہی ہے۔ تم اسکو ساکن خیال کرتے ہو لیکن حقیقت یہہ ہے کہ وہ بادلوں کی طرح غیر محسوس طور پر حرکت کر رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اتقان عمل کیا ہو سکتا ہے کہ زمین اور اسکی تبعیت سے ہر ایک چیز نہایت تیزی کے ساتھ (۱۸ میل فی سکنڈ کی رفتار سے اس سرعت کا مہربانی کر کے اچھی طرح تصور کر لیجئے) ایک معین مدار پر حرکت کر رہی ہے اس کے علاوہ فی گھنٹہ ایک ہزار میل کی رفتار سے اپنے محور پر گردش کر رہی ہے۔ بااین ہمہ کوئی چیز الٹتی نہیں۔ اپنے مرکز سے نہیں ہٹتی۔ یہانتک کہ کسی کو جب تک وہ عقلی دلائل سے صرف ذہنی طور پر اسکی حرکت کا قائل نہ ہو اسکی حرکت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اسی کا نام نظام ہے اور اسی کو اتقان کہتے ہیں۔ ہاں تو جس قادر مطلق نے تمہاری آنکھوں کے سامنے ایسے بڑے بڑے نظام قائم کئے ہیں۔ (اور ان نظامات کے لئے اسکی حکمت بالغہ نے جو قوانین مقرر کئے ہیں مجال ہے کوئی چیز ان قوانین کی پابندی سے ذرہ بھر تو انحراف کرے) کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ تمہاری جیسی عاجز اور بے کس مخلوق کو اپنی بارگاہ کبریا میں حاضر کرے۔ اس قسم کا استدلال قرآن مجید میں اکثر آتا ہے۔ مثلاً اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ۔ کیا وہ خدا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسی مخلوق از سرنو دوبارہ پیدا کر دے " بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ " کیوں نہیں۔ وہ بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے "

(۲۱) علم طبقات الارض میں یہہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ پہاڑوں کا وجود زمین کے

توازن کو قائم رکھتا ہے بصورت دیگر اسمیں تزلزل اور اضطراب نمودار ہوتا ہے۔ کلام پاک میں یہہ نظریہ ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر صریح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ = اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال دئے کہ وہ تمہارے لئے جنبش اور اضطراب کا باعث نہ ہو"

(۲۲) قال اللہ تعالے حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ = یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائیگا اور وہ ہر ایک اونچی جگہ سے دوڑ کر آئیں گے" بخاری میں ایک حدیث ہے کہ رسول خدا صلعم ایک دن گھبرائے ہوئے گھر میں تشریف لائے اور فرمانے لگے لا الٰہ الا اللہ عرب کے لئے شر نزدیک ہونے کی وجہ سے ہلاکت ہے" پھر اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت کا حلقہ بنا کر فرمایا آج یاجوج ماجوج کے سد میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے" زینب بنت جحش آپ کی بی بی جو اس حدیث کی راوی ہیں فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ کیا ایسی حالت میں بھی ہماری ہلاکت ممکن ہے جبکہ ہم میں نیک اعمال لوگ موجود ہوں ؟ آپ نے فرمایا۔ بے شک جب خباثت زیادہ ہو جائے" یہہ چھوٹا سا سوراخ جسکا ذکر اس حدیث میں ہے آپ کی وفات کے بعد بالتدریج بڑھتا گیا اور بالآخر جو خطرہ آپ نے ظاہر فرمایا تھا واقع ہوا۔ اس کا تفصیلی حال ہماری کتاب "نظام العالم والامم" میں لکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا یہہ مقام خصوصیت سے توضیح طلب ہے کیونکہ میں نے بہت سے تعلیم یافتوں اور علماء دین کو دیکھا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے سے جھجکتے ہیں۔ خاتون نے کہا اس مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو یہہ بہت بڑا معجزہ ہے تاہم اس مسئلہ کے اتنے پہلو ہیں کہ ان سب پر بحث کرنا ہماری اس مختصر مجلس میں ممکن نہیں مثلاً یاجوج ماجوج کے خروج کا کونسا وقت مقرر تھا۔ حدیث میں جس سوراخ کا ذکر ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ یورپین اور عرب مورخوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ نیز بعض بادشاہوں کی خلافت

اور علماء دین کی رائے۔ یاجوج ماجوج کی پیشین گوئی کے سلسلہ میں معجزات کا ظہور۔ اسکے کیا معنے ہیں کہ ان کا پہلا حصہ شام میں ہوگا اور آخری حصہ خراساں میں اور یہہ کہ وہ حرمین شریفین اور بیت المقدس میں داخل نہیں ہوں گے جسکا حدیث میں ذکر آیا ہے۔ اور آیت شریف میں یہہ فرمانا کہ وہ ہر ایک اونچی جگہ سے دوڑ کر آئیں گے۔ خارج میں اس کا مصداق کیا ہے۔ اور اسکے بعد کی آیت کا کیا مطلب ہے کہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ = اور سچا وعدہ یعنی قیامت کا ظہور قریب ہوگا" اور اس دعوے کا اس سے کیا تعلق ہے جو اکثر جاہلوں اور آرام پسند لوگوں سے صادر ہوتا ہے اور کیا قرآن مجید ان کے اس دعوے کی تردید فرماتا ہے۔ الغرض اس سلسلے میں پورے پندرہ سوال حل طلب ہیں اور ان سب پر بحث کرنا اس مجلس میں ناممکن ہے اسلئے میں آپ کو مشورہ دوں گی کہ آپ نظام العالم والامم میں یہہ بحث پڑھ لیں۔ اس کے پڑھنے سے آپ کے سامنے اس مسئلہ کا ہر ایک پہلو واضح ہو جائے گا۔

(۲۳) چھٹے پارے کے آخر میں ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى = بے شک تمہیں یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ مومنوں کے سب سے بڑھ کر دشمن یہود اور مشرکین ہیں۔ اور دوستی میں ان سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو عیسائیت کے مدعی ہیں" اس کی تصدیق عہد رسالت سے مابعد کے واقعات سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ عیسائیوں کے جتھے کے جتھے وقتاً فوقتاً اسلام میں داخل ہوئے لیکن یہودی کبھی اسلام کے قریب نہیں پھٹکے۔ شاید مستقبل میں اسکی مزید تصدیق ہو۔

(۲۴) عیسٰے علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہوا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ = اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ان کو ہم تمہارے منکروں پر قیامت تک بالادست رکھیں گے" یورپ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسیحی یورپ میں یہودی

لوگ ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کہیں ان کو دھتکارا جاتا ہے۔ الجزائر وغیرہ میں فرانسیسیوں نے ان سے کتنا برا سلوک کیا۔ روس نے ان کو اپنے ملک تک سے خارج کر دیا۔ اور اسکی تقلید میں ہٹلر نے بھی ان کو جرمنی میں آرام کی زندگی بسر کرنے نہیں دی۔ یہ سب گویا آیت مذکورہ اور اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ جبکہ تمہارے رب نے اعلان کے طور پر فرمایا کہ یقیناً وہ ان پر قیامت کے دن تک ایسی اقوام کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری طرح سے عذاب دیں"

(۲۵) جب یہودیوں نے پیغمبر خدا صلعم سے روح کی حقیقت دریافت کی تو آپ کو حکم ہوا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ان سے کہدیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے پیدا شدہ (اسکی ایک مخلوق ہے لیکن تم اسکی حقیقت کیا جانو) اور تم کو تو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے"۔ حکمار یونان و عرب۔ اور علمار یورپ کا اس پر اتفاق ہے کہ علم النفس کے نظریے اس سے پہلے سمجھ میں نہیں آتے جبتک آدمی ریاضیات اور طبعیات میں کامل دستگاہ حاصل نہ کرلے۔ علوم میں ایک ترتیب ہے اور بعد کا علم اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک پہلے علم پر کافی عبور نہ ہو بعض علمار نے تحقیق کے بعد علوم کی ترتیب حسب ذیل لکھی ہے۔ (۱) ریاضی (۲) علم الافلاک یعنی اسٹرالوجی (۳) فزیکس یا علوم طبعیہ (۴) علم کیمیا یعنی کیمسٹری (۵) علم وظائف الاعضار (فزیالوجی) (۶) منطق اور علم النفس یعنی سائکالوجی (۷) علم الاقتصاد والسیاسی (پولٹیکل ایکانومی) (۸) علم تکوین الشعوب یعنی قوموں کے عروج اور زوال کا فلسفہ (۹) علم تمیز الجمال یعنی خوبصورتی کی پہچان جس کو انگریزی میں EASTHETICS کہتے ہیں (۱۰) علم ما وراء الطبعیۃ (میٹافزیکس) عقائد پر بحث۔ روح کی اور خالق عالم کی معرفت اسمیں داخل ہے۔ علم النفس جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسمیں روح کی حقیقت پر بحث نہیں کی جاتی بلکہ اس کے ظہورات پر

بحث ہوتی ہے کہ اس کا تصرّف کس کس شکل میں ظاہر ہوتا ہے (۱۱) علم اخلاق (۱۲) علم حقوق (۱۳) علم سیاستِ ممالک ۔ اس فہرست میں تم دیکھ سکتے ہو کہ علم روح پر بحث کرنا دسویں مرتبہ پر ہے یعنی جب تک اس سے پہلے کے نو علوم میں کسی کو مہارت نہ ہو تو اس کو ارواح کے متعلق بحث کرنے کا حق حاصل نہیں ۔ اسکی بعینہٖ یہہ مثال ہے کہ ایک شخص طبعیات اور علم برق کے مبادی تک نہیں جانتا اور سمجھنا چاہتا ہے ریڈیو اور وایرلیس کی حقیقت ۔ یہہ بھی ملحوظ رہے کہ اس کلام کے مخاطب جزیرۃ العرب کے بدو تھے اور ظاہر ہے کہ وہ ان علوم عالیہ سے بمراحل دور تھے ۔

(۲۶) ایک حدیث میں ہے ۔ رسول خدا صلعم فرماتے ہیں ۔ میری امت میں دو گروہ پیدا ہوں گے جن کا دیکھنا مجھے نصیب نہیں ہوگا لیکن ان کا حال مجھے بتایا گیا ہے ۔ اور یہہ دو قواگ میں جائیں گے ۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھوں میں گائے کے دم کی مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ (از راہ تکبّر و تجبّر) لوگوں کو ماریں گے ۔ دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہیں گی " اگر اس حدیث میں تمہیں شک ہو تو پولیس والوں اور فلم والیوں (بلکہ عام فیشن پرست مقلدِ یورپ دیویوں) کو دیکھ لو ۔

(۲۷) حدیث میں آیا ہے کہ مکھی کے پروں میں زہر ہے ۔ ڈاکٹری کی کوئی کتاب اٹھا کر پڑھ لو حقیقت معلوم ہو جائیگی

(۲۸) قال اللہ تعالیٰ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ " عورتوں کو بھی معقول طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق لیکن مردوں کا درجہ زیادہ ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے " کسقدر عدل و انصاف پر مبنی اور پر حقیقت کلام ہے ۔ گو یورپ کے متوغلین اس نقطہ (POINT) پر زور دیتے ہیں کہ مرد اور عورت میں کچھ بھی فرق نہیں لیکن علماء یورپ ہی کے محققین نے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ عورتوں کا موازنہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ عورت جس قدر تعلیم میں آگے بڑھتی ہے اسی نسبت سے اسکے قوائے

جسمانی وروحانی تنزل پذیر ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ مرد کے مجموعی قُوے اور عورت کے مجموعی قُوے کا اندرین حالت مقابلہ کیا جائے تو عورت کے مجموعی قُوے مرد کے مقابلہ میں ۱/۲ حصہ رہ جاتے ہیں! (مستثنیات کا یہاں ذکر نہیں)۔ خلاصہ یہ کہ اگر عورتیں تعلیم میں ترقی کریں تو اسی نسبت سے ان کے دیگر قُوے کمزور پڑتے چلے جائیں گے یہی حکمت کا تقاضا ہے تاکہ قدرت نے جو زیادتی مردوں کو عنایت کی ہے وہ محفوظ رہے۔ واللہ عزیز حکیم کے فرمانے میں یہی اشارہ ہے۔ انہی جیسے تجربات اور بعض دیگر واقعات کی بنا پر اب خود اہل یورپ میں ایسے علما پیدا ہوگئے ہیں جو لوگوں کو مرد وزن کے کامل مساوات کے خطرات سے ڈرانے لگے ہیں۔ اسکی تفصیل علامہ فرید وجدی کی کتاب "المرأة المسلمة" میں پڑھو جو اپنے موضوع پر مفصل اور جلیل القدر تصنیف ہے (اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہوچکا ہے)

(۲۹) گراموفون اور ریڈیو کی ایجاد اس آیت کے عموم میں داخل ہے کہ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ۔ (قیامت کے دن آدمی کے اپنے اعضا شہادت دیں گے اور اس تعجب کا کہ اعضا کسطرح بول اٹھے اسطرح ازالہ کریں گے) کہیں گے ہمیں "اس خدائے پاک نے نطق کی قوت عطا کی جس نے ہر ایک چیز کو نطق کی خاصیت عطا فرمائی ہے" ہر ایک چیز کا لفظ خاص طور پر ملاحظہ ہو۔

(۳۰) قال اللہ تعالیٰ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ "عنقریب ہم ان کو دنیا بھر میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں ان کو قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان کو واضح طور پر نظر آجائے کہ وہی سچا خدا ہے (جو صفات کاملہ سے موصوف ہے)" اس میں ترقی علوم جدیدہ کی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی (اگر کوئی فاضل مصنف کی تفسیر جواہر جو حال میں چھبیس جلدوں میں چھپ کے مصر سے شائع ہوئی ہے اچھی طرح پڑھے تو اس کو یہ بات روز روشن کی طرح نظر آنے لگیگی

زمانۂ قدیم میں علم ہیئت صرف چند سیاروں کے متعلق غلط سلط معلومات کا مجموعہ تھا۔ ثوابت کی بابت تو سوائے اس غلط اعتقاد کے کہ وہ آسمان کی سطح پر میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں کوئی کچھ جانتا ہی نہ تھا۔ ہیئت جدید کی کوئی کتاب پڑھو تو اجرام علویہ کے متعلق کثرت معلومات دیکھ کر دنگ رہ جاؤ۔ اسی طرح طبعیات میں چار عناصر تسلیم کئے جاتے تھے جو جدید تحقیقات سے مرکب ثابت ہوئے اور اسّی سے بھی زائد عناصر دریافت ہوئے (تفصیل کا یہ مقام نہیں) الغرض یہ تو ہوئیں آفاق کی نشانیاں۔ خود انسان کی ذات میں جو نشانیاں قدرت کی موجود ہیں وہ علم تشریح اور علم وظائف الاعضاء پڑھنے سے واضح ہوتی ہیں۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ رونٹجن کی شعاعیں (جن کو ایکس ریز بھی کہتے ہیں) دریافت ہونے پر جسم انسانی کے تمام اندرونی اعضاء اور دوران خون وغیرہ کی کیفیت آنکھوں سے مشاہدہ کی گئی اور فعل ہضم وغیرہ چشم سر سے دیکھا جانے لگا۔ کیونکہ یہہ عجیب و غریب شعاعیں شفاف جسم کی طرح ٹھوس جسم سے بھی پار گذر سکتی ہیں جس کی بدولت انسان کے ظاہر اور باطن کا حال یکساں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ روح کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس زمانے میں "تنویم مقناطیسی" کا علم اور عمل اہل یورپ کے دنوں پر القا کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہہ علم یورپ والوں نے ہندوستان کے یوگیوں سے حاصل کیا۔

ابراہیم نے جمال خاتون کی یہہ باتیں سنیں تو اسکی بدیہہ گوئی اور تبحر علمی سے متعجب ہوا۔ لیکن اثنائے کلام میں اس نے یہہ بھی محسوس کیا کہ بعض آیات قرانیہ کی تفسیر اور تاویل صرف احتمال کے طور پر ہے اور اسکو یقین کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے اپنا یہہ خیال خاتون مذکور کے سامنے ظاہر کیا اور اس نے اسکی تصدیق کرتے ہوئے اپنا سر ہلا دیا۔ اس کے بعد ابراہیم نے خاتون مذکور کو اسطرح مخاطب کیا۔ معاف کیجئے میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی۔ بات یہہ ہے کہ مجھے دو باتوں کے متعلق بہت زیادہ شغف ہے ایک تو یہہ کہ ہزاروں کیا لاکھوں انواع کائنات کی تخلیق صرف

چند عناصر سے ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام زبانیں جو دنیا بھر میں بولی جاتی ہیں اور جن کے ذریعہ انسان ہر قسم کے خیالات۔ افکار و آراء کا اظہار کر سکتا ہے چند ایک حروف کی ترکیب سے بنی ہیں میں عجائبات قدرت کا دلدادہ ہوں اس لئے اکثر مجھے شوق رہتا ہے کہ ان دونو باتوں میں تطبیق پیدا کروں یہی شوق تو ہے جسکی برکت سے آدمی علوم و معارف میں بام کمال تک پہونچ سکتا ہے اور اسی کی بدولت حقائق عالیہ کا دریافت کرنا میسر ہو سکتا ہے۔ جمال خاتون نے کہا مجھے خوشی ہوگی اگر آپ حروف اور عناصر کے عجائبات پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

ابراہیم نے کہا۔ عالم کی وضع اور ترتیب نہایت عجیب ہے جس کی پُر حکمت صنعت اور حسن نظام و اتقان کو دیکھ کر آدمی کی عقل چکرا جاتی ہے۔ یہہ چمکتے ہوئے ستارے۔ یہہ آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیارے۔ ہوا اور بادل اور دیگر کائنات الجو۔ ان سب کی اصلیت کیا ہے۔ ان سب اشیاء کا مادۂ تخلیق ایک اثیری مادہ ہے جس کو انگریزی میں ایتھر کہتے ہیں اور جسکی تعریف یہ ہے کہ نہ تو وہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس میں رنگ و بو یا کوئی اور ایسا وصف نہیں جس کا ادراک ان حواس خمسۂ ظاہری سے کیا جا سکے۔ متقدمین کے کلام میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے لیکن متاخرین (ماہرین علوم جدیدہ) نے وضاحت کے ساتھ اس کا اثبات کیا ہے مدتہائے دراز کے بعد لاکھوں سال گذرنے پر اس میں تغیر اور تطور شروع ہوا۔ بالفاظ دیگر مختلف صورتوں اور قسم قسم کے اشکال اور احوال میں اسکا ظہور ہونے لگا۔ اور یہہ تمام بوقلمونی جو اس وقت تم کو کائنات میں نظر آتی ہے اُسی ایک بسیط مادہ کے مظاہر ہیں۔ یہہ کہہ کر ابراہیم چپ ہو گیا اور خاتون سمجھ گئی کہ اس اچانک سکوت کا سبب یہہ ہے کہ کائنات عالم کی رنگ برنگی کا تصور کر کے وہ دنگ رہ گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ یہہ مادہ بسیط جو ان تمام اجرام علویہ اور کائنات سفلیہ کا مبدء ظہور ہے قرآن مجید میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ اس کے بعد (کائنات ارضی پیدا کرنے کے بعد) وہ آسمان کی تخلیق پر متوجہ ہوا۔ (جس مادہ سے آسمان کی تخلیق منظور تھی) وہ ایک دھواں تھا (اسکی تشریح پہلے گذر چکی ہے یعنی اُس مشتعل گیس کو جس سے یہہ اجرام علویہ پیدا کئے گئے ہیں عام دخاص کو سمجھانے کے لئے "دخان" سے تعبیر کیا ہے) پھر اس نے آسمان اور زمین دونو کو مخاطب فرمایا کہ طوعاً و کرہاً تم میرے حکم کو مانوگے۔ اُنھوں نے عرض کی۔ ہم رغبت سے مانیں گے۔ پھر اس نے اس مادۂ تخلیق کو سات حصوں میں تقسیم کیا (لفظی سات آسمان بنائے) دو دن میں اور ہر ایک آسمان میں اپنا حکم جاری کیا۔ اور ہم نے نزدیک والے آسمان کو (فضائے لامتناہی کے اُس طبقہ کو جو زمین کے قریب تر واقع ہوا ہے) چراغوں سے آراستہ کیا اور اسکی حفاظت کی یہہ سب کچھ خدائے غالب اور علیم کی تقدیر سے ہوا۔" ان آیات کا مفہوم یہہ ہے کہ اجرام عالیہ و سافلہ سب کی اصل یہی ایک مادۂ بسیط ہے جس کو اثیر کہتے ہیں۔ آسمان و زمین۔ پانی اور ہوا۔ نباتات اور حیوانات اور انسان۔ تمام کثیف اور لطیف اجسام اسی مادۂ اثیریہ کے تنوعات اور اسکے مختلف ظہورات ہیں۔ اسکی مثال ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں آتی ہے اور جس پر علم کیمیا (کیمسٹری) نے کافی روشنی ڈالی ہے۔ ہم اگر اپنی غذا اور اپنے لباس کے مواد مثلاً گندم اور روئی کی کیمیائی تحلیل کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ دونو کی پیدائش ایک ہی طرح کے مواد سے ہے۔ دونو کے اجزا ترکیبی کیلسیم اور پوٹاسیم اور سلفر اور فاسفورس وغیرہ ہیں۔ صرف تناسب اجزا کے کم و بیش ہونے سے یہہ فرق پیدا ہوا کہ ایک ہماری غذا ہی دوسرے سے ہمارا لباس بنتا ہے۔ دنیا میں لاکھوں نباتات موجود ہیں جن کا رنگ۔ بو اور ذائقہ ان کے خواص اور جو فوائد یا نقصانات ان سے ظہور میں آتے ہیں۔ اور جن اغراض متنوعہ کیلئے

ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں میں ایک سے ایک مختلف ہے۔ ہر ایک پودے اور درخت کے اوصاف اور خواص دوسروں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ بایں ہمہ تمام نباتات کی تخلیق ایک ہی طرح کے عناصر سے ہوئی ہے۔ جو اجزاء ترکیبی ایک کے ہیں وہی دوسرے کے ہیں صرف مقدار اور تناسب اجزاء مختلف ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ۔ بیشک تمہارا رب بڑا ہی پیدا کرنے والا ہر ایک بات کو جاننے والا ہے "

علم بھی ایک عجیب چیز ہے اور اس سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کو وہی اصحاب محسوس کرتے ہیں جن کو خدائے پاک نے اس لذت کی حس عنایت فرمائی ہے۔ گوکہ تمام عوالم اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کے لئے حسن وجمال کے آئینے ہیں لیکن اس کی قدرت کا مکمل نمونہ اور اسکی حکمت ہائے بالغہ کا مجموعہ یا زمانۂ حال کے محاورہ میں اسکی قدرت کاملہ کا شاہکار (ماسٹرپیس) انسان ہے جسکی ہر ایک بات عجیب ہے۔ اس کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے جتنے نظامات اسکے جسم میں ودیعت رکھے گئے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر ہے صرف اس کے تنفس پر تھوڑی دیر کے لئے غور کریں۔ ایک منٹ میں کوئی سترہ اٹھارہ مرتبہ سانس لیا جاتا ہے۔ ہر ایک سانس کے ساتھ کاربانک ایسڈ گیس جو بطور ایک فضلہ کے پھیپھڑوں میں خون وریدی کے ذریعہ پہونچ چکی ہوتی ہے خارج کردی جاتی ہے اور ساتھ ہی آکسیجن کی اتنی مقدار جو تمام جسم کے خون میں ملکر اس کو صاف اور ستھرا رکھنے کے لئے کافی ہو پھیپھڑوں میں داخل کردی جاتی ہے جو شرائین کے ذریعہ جسم کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہے۔ یہہ تنفس انسان کی حیات قائم رکھنے کے لئے نہایت اہم ہے۔ اگر کسی طرح تھوڑی دیر کے لئے بھی اس کا عمل رک جائے تو انسان کی شامت آجائے اور اس کا نتیجہ حتمی موت ہوگا۔ اکثر لوگ یہہ نہیں جانتے کہ انسان کے اندر کتنے حیرت انگیز نظامات ہیں اور اگر کوئی ان سے یہہ کہے کہ انسان کا پیدا کرنا قدرت کاملہ کا شاہکار ہے تو وہ یہہ سُن کر نہ صرف

اظہار تعجب کریں گے بلکہ اس کا انکار کرنے میں ان کو ذرا بھی تامّل نہیں ہوگا۔ یہہ ان کی جہالت کا ثبوت ہے۔ انسان جتنا بھی علم زیادہ حاصل کرتا ہے اتنا ہی اس کو اشیاء کی ماہیت اور ہر ایک چیز کی اصلی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ تب ہی تو قرآن مجید میں رسول صلعم کو مخاطب فرماکر ارشاد کیا ہے کہ "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" = (اے میرے رسول!) یہی کہا کرو کہ میرے خدا! مجھے علم میں زیادتی عطا کر"۔

دوسرا حیرت انگیز نظام آدمی کا نطق ہے۔ وہی موہنہ اور اسکے متعلقہ آلات (آلات سے مراد زبان۔ تالو۔ حنجرہ وغیرہ ہے۔ دانت بھی اس میں شامل ہیں) جو کھانا چبانے اور اس کے نگلنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اُس ہوا میں جو اسکے موہنہ کے اندر جاتی ہے ایک خاص طریقہ پر تصرف کرکے اس کو مختلف آوازوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان آوازوں کی تعداد اگرچہ محدود ہے۔ بطور مثال عربی زبان میں اس کی تعداد اٹھائیس سے زائد نہیں (دوسری زبانوں میں کچھ کم و بیش ہوتی ہے)۔ با ایں ہمہ یہی محدود آوازیں جن کو حروف کہتے ہیں مرکب ہوکر تقریبًا غیر محدود الفاظ بننے کا موجب ہوتی ہیں۔ انہی الفاظوں کی باہمی ترکیب سے کوئی زبان بنتی ہے خواہ وہ عربی ہو یا سنسکرت۔ انگریزی ہو یا لاطینی وغیرہ وغیرہ۔ اس نظام کا عظیم الشان نتیجہ جو اس سے ظہور میں آتا ہے یہہ ہے کہ انسان اپنے ہر ایک قسم کے خیالات اور آراء و افکار کو کلام کے ذریعہ دوسرے تک پہونچا سکتا ہے۔ مقرروں کی دھواں دھار تقریریں۔ اہل سخن کی شعری نازک خیالیاں۔ اور تصنیف و تالیف کا یہہ لا متناہی دفتر (خواہ کسی زبان میں ہو) اسی کے کرشمے ہیں۔ مادہ اثیریہ کا تنوع اور نطقِ انسانی کا نظام ایک ہی قبیل سے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ = بے شک اسمیں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو آنکھیں رکھتے ہیں"۔ کیوں نہ ہو انسان کی تخلیق خدائے قدوس جلّ شانہ، کی قدرت کاملہ اور اسکی حکمت بالغہ کا شاہکار ہی تو ہے

عوام کا تو خیر ذکر ہی رہنے دیجئے۔ تعجب تو یہہ ہے کہ ہمارے علما بھی ان باتوں پر غور نہیں کرتے اور نہ ہی ان حقائق کا معلوم کرنا وہ ضروری سمجھتے ہیں۔ یہہ کتنی عجیب بات ہے کہ انسان جو انہی عناصر کا بنا ہے جس سے تمام دوسرے حیوانات کی تخلیق ہوئی ہے اپنے موںہہ اور اس کے متعلقہ آلات کے ذریعہ ہوائے جوی میں تصرف کر کے معدودے چند آوازیں پیدا کرتا ہے جن کے باہم ملانے سے وہ اپنے تمام خیالات اور آرا ء و افکار کا اظہار کرتا ہے جو اسکے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس اظہار ما فی الضمیر کے طریقے مختلف ملکوں اور مختلف اقوام میں مختلف ہوتے ہیں جو اس ملک یا قوم کی زبان کہلاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے بعض تو اچھی خاصی علمی زبانیں ہیں اور بعض فقط امور معاش کے افہام و تفہیم کے لئے ہیں۔

یہہ بھی واضح ہو کہ کسی متکلم کے کلام کا مخاطب تک پہونچنے کا ذریعہ بھی ہوا ہی ہے جس میں بولنے سے نہایت لطیف تموجات پیدا ہو کر یہہ تموجات مخاطب کے کان کے پردوں سے جا ٹکراتی ہیں جس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ عصب سماعت ان احساسات کو جو ہوا کے ان تموجات سے ظہور میں آتے ہیں معاً دماغ کے ایک مرکز تک جو قوت فہم کا قرارگاہ ہے پہونچا دیتا ہے۔ یہہ نظام بھی غرابت میں پہلے نظام سے کچھ کم نہیں۔ کلام پاک میں اسی پر توجہ دلائی گئی ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ = خدائے پاک جو بڑا مہربان خدا ہے اُسی نے قرآن سکھایا۔ آدمی کو پیدا کیا اور پھر اس کو اظہار ما فی الضمیر کی تعلیم دی"۔ آخری دو لفظوں میں انہی مذکورہ بالا نظامات کی تفصیل مضمر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو ایک ہی بسیط مادہ (ایتھر) سے انواع واقسام کی کائنات پیدا ہونے میں شک ہو تو وہ نطق انسانی کے نظام پر غور کرلے جو ابھی مذکور ہوا۔ مجھے (فاضل مصنف کہتا ہے) اسی قسم کے حقائق پر غور کرلے اور ان کے بیان کرنے سے لطف حاصل ہوتا ہے لیکن مزید تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ "نظام العالم والامم" میں میں نے ان مباحث کو

زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

خاتمہ

الغرض ابراہیم مصری خاتون جمال کے علمی کمال اور حسن مذاق سے مطمئن ہوا تو اس نے اس کے باپ سے استدعا کی کہ وہ اس کے ساتھ اپنی دختر نیک اختر کی باقاعدہ شادی کرنے کا اہتمام کرے چنانچہ خاتون مذکورہ کے والد نے جو اصفہان کے نامی تجار میں سے تھے اصفہان کے علماء عظام اور دیگر اعیان واکابر کو اپنے ہاں مدعو کرکے خاتون جمال کا ابراہیم مصری کے ساتھ عقد نکاح کیا اور دونو خوشحالی اور مسرت کی زندگی بسر کرنے لگے۔

تم الکتاب بعون الملک الوہاب والحمد للہ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

المترجم عبدالرحیم (کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں)

مورخہ ۵ رجب سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء یوم خمیس

مطبوعہ

مدینہ پریس بجنور

شانِ خدا

مؤلفہ مولانا عبید الرحمٰن صاحب عاقل رحمانی

جس میں وجود خالق کے تمام حالات پر جدید علم کلام اور سائنس کی روشنی میں نہایت ہی اہم اور دلچسپ بحث کی گئی ہے، خدا کی ہستی کو نہایت مستحکم اور قطعی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے، نیز دہریوں کے شبہات کے دنداں شکن جوابات دیئے گئے ہیں۔ کتابت، طباعت، کاغذ اعلیٰ۔ سرورق دیدہ زیب۔ قیمت صرف ایک روپیہ

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مترجمہ مولانا عبید الرحمٰن صاحب عاقل رحمانی

فیلسوف انگریزی ٹامس کارلائل نے رسول اللہ صلعم کی سیرت نہایت ہی عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کی ہے اور ان تمام شبہات کے بہترین اور مسکت جوابات دیئے ہیں جو آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک پر عیسائیوں کی طرف سے کئے جاتے تھے۔ اس کا مطالعہ ہر انگریزی داں کے لئے ضروری ہے۔

کتابت۔ طباعت۔ کاغذ اعلیٰ۔ سرورق دیدہ زیب۔ قیمت صرف آٹھ آنہ۔

ملنے کا پتہ

کتابستان۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۹۴ ۔ بمبئی نمبر ۳